نشانات راہ

صنفہ: شہید اسلام سید قطبؒ مرحوم
رجمہ: سید معروف شاہ شیرازی

Marfat.com

نشانات راہ

مصنفہ شہید اسلام سیّد قطبؒ مرحوم

ترجمہ: سیّد معروف شاہ شیرازی

شائع کردہ

منشورات اسلامی

چنار کوٹ ضلع مانسہرہ۔ پاکستان

Marfat.com

سلسلۂ اشاعت احیائے اسلام اکیڈمی ①

۲۹۷
ن 640
66981

تعداد: ۱۱۰۰ جنوری ۱۹۸۳ء
پبلشر: منشورات اسلامی
طابع: المکتبۃ العلمیہ ۱۵ ایبک روڈ لاہور
قیمت -/۵۰ روپے
کتابت سید محمد ابراہیم خوشنویس بہاولپوری
مقیم لاہور۔

Marfat.com

فہرست مضامین

مقدمہ	۴
شہید اسلام سید قطب	۵
نشان راہ	۱۷
صحابہ کرام ـــــ ایک بے مثال قرآنی گروہ	۲۸
اسلامی نظام حیات اور اس کے احیاء کا طریق کار	۴۱
اسلامی معاشرہ کا ارتقاء اور اس کی اہم خصوصیات	۷۹
اسلام کا نظریۂ جہاد	۹۵
لاالہ الااللہ ۔ ایک نظام زندگی ہے۔	۱۴۱
فطری نظام زندگی	۱۵۹
اسلام ہی صحیح تہذیب ہے۔	۱۷۱
اسلامی نظریہ حیات اور ثقافت	۱۹۵
مسلمان کی قومیت اور اس کا عقیدہ	۲۱۳
دور رس تبدیلی	۲۳۳
ایمان کی سربلندی	۲۵۵
یہ ہے طریق کار	۲۶۹

Marfat.com

مقدمہ

کتاب ہٰذا کا ترجمہ میں نے ۱۹۶۶ء میں کیا تھا، بعض اسباب اور رکاوٹوں کی وجہ سے شائع نہ ہو سکا۔ اس ترجمہ پر زبان کی درستگی کے لئے، جناب مرحوم ماہر القادری صاحب نے نظرثانی فرمائی تھی۔ ترجمہ کے اعتبار سے نظرثانی جناب مولانا افتخار احمد بلخی مرحوم نے فرمائی تھی۔ ان کی بعض اصلاحات سے مجھے اتفاق نہ تھا۔ اس لئے میں نے تیسری بار پوری کتاب کا ترجمہ کیا۔

اس سلسلے میں، میں نے خود حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ مرحوم و مغفور سے ہدایت حاصل کی۔ مشکل یہ تھی بعض حضرات عام کتابوں کے ترجمہ کے بارے میں بھی تحت اللفظ اور بامحاورہ کی پابندی ضرور سمجھتے تھے جس طرح قرآن مجید کے تراجم میں ہوتا ہے اور بعض حضرات ڈھیلی ڈھالی ترجمانی کو پسند کرتے تھے۔ مولانا مرحوم نے فرمایا کہ ایک بار تحت اللفظ ترجمہ کیا جائے اور پھر اس عبارت کو یوں ادا کیا جائے جس طرح ایک لکھنے والا خود اصل چیز لکھ رہا ہو۔ چنانچہ میں نے تحت اللفظ ترجمہ کو دوبارہ ایسی زبان میں لکھا جو ہمارے ہاں مولانا محترم اور دوسرے حضرات کی زبان کے مماثل ہو۔

بعض حضرات کو اس بات سے چڑ تھی کہ دین کی جگہ اسلامی نظام حیات اور دعوت دین کے لئے اسلامی تحریک اور مبلغین و مجاہدین کے لئے اسلامی تحریک کے کارکنوں کے الفاظ کیوں استعمال کئے گئے ہیں۔ بہر حال ایسے حضرات ایک گونہ معذور رہی ہیں۔ وہ اس لفظی تبدیلی کے اثرات کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

چونکہ اس کتاب کے ترجمہ پر میں نے بے حد محنت کی تھی۔ اس لئے قدرتی طور پر دل میں ہمیشہ یہ تمنا رہی کہ یہ محنت قارئین کے سامنے آجائے۔ اب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے میں اس میں کامیاب ہو سکا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کام کو قبول فرمائیں گے۔

شہیدِ اسلام سیّد قطب

شہیدِ اسلام سیّد قطب کا شمار یقیناً امتِ اسلامیہ کی ان چند برگزیدہ ہستیوں میں ہوگا۔ جنہوں نے تاریک ادوار میں روشنی کا چراغ جلایا، اسلامی نظام زندگی کی کھیتی کو اپنے خون سے سینچا۔ اگر میں تصویر کی اشاعت کو جائز سمجھتا تو یہ سطور لکھنے کی بجائے ان کا وہ فوٹو دے دیتا جس میں آپ نے خندہ پیشانی سے سزائے موت کا فیصلہ سنا۔ اور مصری پولیس کی گاڑی سے اپنی پشت کی طرف نگاہ ڈالتے ہوئے موجودہ دنیا اور اس میں قائم شدہ باطل نظاموں پر ایک حقارت آمیز نظر ڈالی۔ یہ نظر آپ کی آخری نظر تھی۔ اس کے بعد دنیا قیامت تک کے لئے اسلام کے اس قیمتی سرمائے سے محروم ہوگئی۔

حالاتِ زندگی

سیّد قطب ۱۹۰۳ء میں مصر کے ایک صوبہ "اسیوط" کے گاؤں "موشا" میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام حاجی قطب ابراہیم اور والدہ کا نام فاطمہ حسین عثمان تھا۔ دونوں عربی النسل تھے۔ سیّد قطب اپنے والدین کے سب سے بڑے لڑکے تھے۔ آپ کے چھوٹے بھائی محمدؒ قطب بھی مشہور اہلِ قلم ہیں۔ اور ان کی تصانیف میں سے "شبہات حول الاسلام" "الانسان بین المادیۃ والاسلام" اور "جاھلیۃ القرن العشرین" مشہور ہیں۔ آپکی ہمشیرہ حمیدہ قطب بھی اہل علم اور صاحبِ علم خاتون ہیں اور "الأطیاف الاربعۃ" میں بھائیوں کے ساتھ شریک قلم رہی ہیں۔ ان کے افسانوں کا مجموعہ "فی تیار

Marfat.com

الحیاۃ" کے نام سے شائع ہو چکا ہے[1] ۔ اور آخری ابتلا میں انہیں تین سال قید بامشقت کی سزا دی گئی ہے۔ جو اللہ کی یہ بندی ابھی تک بھگت رہی ہیں۔

والد کا پیشہ زراعت تھا۔ والدہ بڑی دیندار خاتون تھیں اور قرآن مجید سے بڑا شغف رکھتی تھیں۔ ان کی آرزو تھی کہ ان کے بچے حافظ قرآن ہوں۔ چنانچہ سید قطب نے بچپن ہی میں قرآن کریم حفظ کر لیا تھا۔ اور اسی زمانہ میں ان کو قرآن سے خصوصی لگاؤ پیدا ہو گیا تھا[2]۔

آپ نے ثانوی تعلیم "تجہیزیہ دار العلوم" نامی ایک اسکول میں حاصل کی۔ اس اسکول میں [illegible] کو دار العلوم میں داخلہ کے لئے تیار کیا جاتا تھا۔ وہاں سے فارغ ہو کر آپ ۱۹۲۹ء میں قاہرہ کے دار العلوم میں داخل ہوئے۔ ۱۹۳۳ء میں آپ نے بی۔اے کی ڈگری اور ڈپلوما ان ایجوکیشن حاصل کیا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے محکمۂ تعلیم میں بحیثیت انسپکٹر تعلیم ملازمت اختیار کر لی اور ۱۹۵۲ء تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اسی دوران ۱۹۴۵ء میں آپ اخوان سے متعارف ہوئے[3]۔ اور ۱۹۴۶ء سے لے کر ۱۹۴۸ء تک آپ نے وہ سلسلہ مضامین لکھا جو بعد میں العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام کے نام سے شائع ہوا[4]۔ ۱۹۴۹ء میں آپ وزارت تعلیم کی طرف سے امریکہ کے نظام تعلیم کے مطالعہ کے لئے گئے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں آپ کا قیام دو سال تک رہا۔ اور ۱۹۵۱ء میں[5] واپس آئے۔

امریکہ میں قیام کے دوران آپ نے مختلف کالجوں اور یونیورسٹیوں کو دیکھا

---

[1] بحوالہ اسلام کا نظام عدل ص۹ اردو ترجمہ العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام از محمد نجات اللہ صدیقی، شائع کردہ اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور ۱۹۶۳ء۔

[2] اسلام کا نظام عدل ص ۹ ۔ از نجات اللہ، طبع لاہور۔

[3] کتاب "الشہید سید قطب" مضمون یوسف العظم ص ۲۷۔

[4] اسلام کا نظام عدل ص ۱۰-۱۱ [5] ایضاً ص۔ ۱۰۔

Marfat.com

اور امریکی زندگی کا براہ راست مطالعہ کیا۔ واشنگٹن میں ولسن ٹیچرس کالج، گریلی کلورڈ میں ٹیچرس کالج اور کیلیفورنیا میں اسٹان فورڈ یونیورسٹی میں آپ کا قیام رہا۔ اس کے علاوہ نیویارک، شکاگو، سان فرنسسکو، لاس اینجلز اور دوسرے شہروں میں بھی جانے کا موقع ملا۔ واپسی کے دوران آپ نے انگلستان، اٹلی اور سوئٹزرلینڈ میں چند ہفتے گزارے[ا]۔ امریکہ سے واپسی پر آپ نے اپنے تاثر "امریکہ التی رئیت" میں قلم بند کئے۔

یہ وہ دور تھا کہ جب اخوان المسلمون فاروق کے مظالم سہہ رہے تھے۔ اور جیلوں میں بند تھے۔ ۱۹۵۲ء میں اخوان کی رہائی کا فیصلہ ہوا[۲]۔ اور سید قطب اخوان کے مرکزی سیکریٹریٹ میں شعبۂ نشر و اشاعت کے ناظم مقرر ہوئے۔ ۲ مارچ ۱۹۵۲ء میں آپ مصر کی مطالعۂ اجتماعیات کی کونسل کی طرف سے مطالعۂ اجتماعیات کی بین الاقوامی کانفرنس میں شریک ہوئے جو دمشق میں منعقد ہو رہی تھی۔ اس کانفرنس میں آپ نے "اجتماعی تکافل میں اخلاقی تربیت کا مقام" کے موضوع پر تقریر کی۔ کانفرنس ختم ہونے کے بعد آپ نے اردن کا دورہ کرنا چاہا۔ مگر بارڈر پر گلب پاشا کے احکامات سے آپ کو اردن میں داخل ہونے سے روک دیا گیا۔

دسمبر ۱۹۵۳ء میں آپ اخوان المسلمون کی طرف سے عمان میں منعقد ہونے والی بین الاقوامی قومی اسلامی کانفرنس میں شرکت کے لئے گئے۔ اس دورے میں چونکہ تمام وفد اجتماعی طور پر سفر کر رہے تھے۔ اس لئے گلب پاشا آپ کو روکنے میں کامیاب نہ ہوا۔

۲ جولائی ۱۹۵۴ء میں آپ کو اخوان کے شعبۂ نشر و اشاعت نے اخبار "الاخوان

ا۔ ایضاً ص ۔ ۱۱

۲۔ دسمبر ۱۹۴۸ء کو فاروق نے اخوان کو خلاف قانون قرار دیا۔ ۱۲ فروری ۱۹۴۹ء کو حسن البنا مرحوم کو شہید کروایا۔ اخوان نے قانونی چارہ جوئی کی اور نحاس پاشا کی وزارت میں اخوان رہا ہوئے (چراغ راہ دسمبر ۱۹۶۶ء ص ۔ ۱۱)

Marfat.com

المسلمون[۲۳]" کا ایڈیٹر مقرر کیا۔ یہ پرچہ بڑی آب وتاب سے شائع ہوتا رہا۔ اس دوران اخوان نے مصر اور برطانوی معاہدے کی مخالفت کی۔ ناصر نے اسی موقع پر اخوان پر ہاتھ ڈالا۔ چنانچہ ستمبر ۱۹۵۴ء ہی میں یہ اخبار بند کر دیا گیا۔ اخوان کو گرفتار کیا گیا ان میں سیّد قطب بھی گرفتار ہوئے، اور جیل خانہ میں انہیں دردناک سزائیں دی گئیں۔ سیّد قطب کی اذیتوں کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ چند ماہ کے اندر اندر انہیں مختلف امراض نے آگھیرا اور ۳ مئی ۱۹۵۵ء کو انہیں فوجی ہسپتال میں علاج کی غرض سے داخل کرنا پڑا۔ ان کی یہ بیماری اس قدر شدید تھی کہ وہ مقدمہ کے دوران عدالت میں حاضر نہ ہو سکے اور ۱۳ جولائی ۱۹۵۵ء کو فوجی عدالت کی طرف سے ان کی عدم موجودگی میں انہیں ۱۵ سال قید بامشقت کی سزا دی گئی۔ ایک طرف تو یہ مجاہد بحیثیت مجرم (؟) جیل میں سزا کاٹ رہا تھا اور دوسری طرف عالمِ اسلام میں اہلِ علم اس کے بارے میں جو رائے رکھتے تھے وہ یہ ہے کہ ستمبر ۱۹۵۵ء میں شریعت کالج شام نے ان کا نام بیسویں صدی کے مفکّرین کی فہرست میں داخل کر کے اپنے ہال کے اندر آویزاں کر دیا اور ۱۹۶۴ء میں عمان کے "مدارس اقصیٰ" نے آپ کے نام سے اسلامی نظریۂ حیات کے موضوع پر مقابلے کے لئے ایک کپ تجویز کیا۔ یہ کپ اس طالب علم کو ملتا تھا جو کسی اسلامی موضوع پر سب سے اچھی تقریر کرے[۱]۔

شہید اسلام ۱۹۵۴ء سے لے کر ۱۹۶۴ء تک تقریباً دس سال جیل میں رہے اور اگست ۱۹۶۴ء میں مرحوم عبدالسلام عارف صدر عراق کی کوشش سے رہا ہوئے۔ رہا ہوتے ہی پوری دنیا کے نوجوانوں نے آپ کی طرف رجوع کیا، اور آپ کا لٹریچر آگ کی طرح پھیلنے لگا۔ چنانچہ لادین مغرب پرست کمیونسٹ اور سوشلسٹ عناصر چیخ

---

۲۳ اخوان کی مقبولیت اور اس پرچے کی کثرت اشاعت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس پرچے کی پہلی اشاعت کی ۲۸۰۰۰ کاپیاں فروخت ہوئیں (چراغ راہ دسمبر ۱۹۶۶ء ص ۱۲)

۱ تفصیل کے لئے دیکھیے مضمون یوسف العظم، الشہید سیّد قطب ص ۲۹، ۳۰

Marfat.com

اٹھے اور بیک وقت ماسکو اور واشنگٹن سے ان کے خلاف سازشیں ہونے لگیں۔ مصر کے محکمہ مخابرات نے آپ کے خلاف پھر نام نہاد سازش تیار کی اور ماسکو میں اس کا اعلان ہوا۔ محکمہ مخابرات کے افسروں نے عبدالحکیم عامر کی سرکردگی میں تقریباً ۴۰ ہزار (نہایت محتاط اندازے کے مطابق) افراد کو ایک ایسی سازش کے جرم میں گرفتار کیا جو صرف ایک شخص کو قتل کرنے کے لئے کی گئی تھی چنانچہ آپ کو ٹھیک ایک سال بعد اگست ۱۹۶۵ء میں گرفتار کر لیا گیا[۲] اور ایک سال بعد ۲۹ راگست ۱۹۶۶ء میں آپ کو شہید کر دیا گیا.....

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما اتاھم اللہ۔

شہادت

سید قطب کی آخری تحریریں پڑھ کر ہر شخص یہ یقین کر سکتا ہے کہ اللہ کے اس قطب کو پہلے سے اپنی شہادت کا یقین تھا۔ اسی لئے آخری دور میں آپ نہایت ہی صریح اور واضح الفاظ میں بات کرنے کے عادی ہو گئے تھے۔ معالم فی الطریق میں تو جگہ جگہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ شہید اسلام گویا اس دنیا سے جا رہے ہیں اور یہ وہ آخری باتیں ہیں جو راہ حق کے کارکنوں تک نہایت سرعت نہایت جوش و خروش اور نہایت یقین کے ساتھ پہنچا دینا چاہتے ہیں۔ معالم کا آخری باب "یہ ہے طریق کار" میں تو وہ گویا دار کو چومتے ہوئے نظر آتے ہیں اور پھر چشم زدن میں اپنے عمل سے ہمارے لئے ایک عظیم الشان مثال قائم کر دیتے ہیں ۱۹۶۴ء کی رہائی کے بعد تو انہیں اور یقین ہو گیا تھا کہ وہ اب جانے ہی والے ہیں۔ محمود درکابی بیان کرتے ہیں کہ میں رہائی کے بعد ان سے ملنے گیا۔ علیک سلیک کے بعد پوچھنے لگے کیا آپ خواب کی تعبیر جانتے ہیں؟ میں نے رات خواب میں دیکھا ہے کہ ایک سرخ سانپ میرے ارد گرد لپیٹ رہا ہے اور میرے قریب

---

۲ دیکھئے تفصیلات کے لئے "چراغ راہ" جون ۱۹۶۶ء، ترجمان القرآن لاہور۔

ہوتا جاتا ہے۔ اچانک میری آنکھ کھل گئی اور اس کے بعد صبح تک مجھے نیند نہیں آئی۔ میں نے کہا: "جناب اس کی تعبیر یہ ہے کہ اللہ کا کوئی بندہ عنقریب آپ کو کوئی ہدیہ پیش کرنے والا ہے۔ لیجئے یہ تھیلی دیکھئے اس کے ارد گرد سرخ دھاگہ لپٹا ہوا ہے۔" آپ نے فرمایا "لیکن اس کی تعبیر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ خود میں راہِ حق میں بطور قربانی چلا جاؤں" —— میں نے عرض کیا: "لیکن دعوت اسلامی کے نقطۂ نظر سے تو آپ کی بقا ہی مفید ہے۔" فرمانے لگے: "درست ہے لیکن کبھی داعی حق کا اٹھ جانا ہی مفید ہوتا ہے۔ میں خواہ مخواہ مصیبت کو دعوت نہیں دیتا۔ لیکن جب راہ حق میں مصائب کا آنا ناگزیر ہو جائے تو ثبات قدم بھی لازمی ہے۔" [1]

ذہنی ارتقاء کے مراحل

سید قطب نے ایک عام اور جدید تعلیم یافتہ فرد کی طرح اپنی علمی زندگی کا آغاز ایک ادیب کی حیثیت سے کیا۔ دوران تعلیم اور اس کے بعد عرصہ تک اسلام سے گہرا اور عملی لگاؤ نہیں تھا۔ بلکہ خالص ادبی رنگ غالب رہا۔ شاعری کے علاوہ ان کا خاص موضوع ادبی تنقید تھا اور یہ عقاد کے مکتب فکر کے ایک اہم رکن سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے عقاد اور رافعی کی ادبی جنگ میں عقاد کی پرزور تائید کی [2] عقاد کے علاوہ آپ کے تعلقات طٰہٰ حسین سے بھی گہرے تھے [3] اس دور کی شاعری کے کئی غیر مطبوعہ مجموعے موجود ہیں مگر سید قطب انہیں شائع کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ اس عرصے میں سید قطب نے جو کام بھی کیا وہ ادبی نوعیت کا حامل تھا [4] چنانچہ قرآن کریم کا مطالعہ بھی اسی نقطۂ نظر سے کیا اور دو کتابیں لکھیں۔ ایک التصویر الفنی فی القرآن الکریم اور دوسری مشاهد القیامة فی القرآن۔ التصویر الفنی میں سید قطب نے قرآن کریم کے ممتاز اور مخصوص اسلوب بیان کے چند پہلو واضح کئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ قرآن مجید معنوی اور صوتی لحاظ سے غیر محسوس معانی کو محسوس شکل میں پیش کرتا ہے۔ یا قصص کے بیان میں اس کا ایک مخصوص طرز ہے اور قصہ کے دوران پڑھنے والا زندگی کے اونچے مطالب اخذ کرتا جاتا ہے۔ اسی طرح مشاهد القیامة فی القرآن میں بھی فنی نقطۂ

---

[1] دیکھئے روزنامہ النہار، بیروت ۱۸ اپریل ۱۹۶۶ء بحوالہ الشہید

[2] العلم، مغرب عدد ۵۹۵۸ مضمون علاقاتی بابت ۲ ستمبر ۱۹۶۶ء

نظر سے قرآن کریم کی اس منظر کشی کا جائزہ لیا گیا ہے۔ کتاب کی ابتداء میں مصنف نے مختلف اقوام کے ہاں خصوصاً مصر قدیم میں پائے جانے والے تصورِ قیامت پر عصری اکتشافات کی روشنی میں علمی اور تحقیقی بحث کی ہے۔

قرآن کریم پر فنی بحث کے دوران ہی سیّد قطب کا ذہن بدلنا شروع ہوا اور سیّد قطب نے قرآن مجید کی تعلیمات کے ان پہلوؤں پر غور و خوض شروع کیا، جو زمانہ حاضرہ کے مسائل سے متعلق تھے مثلاً انہوں نے اقتصادی مسائل، انسانی مساوات اور اجتماعی انصاف جیسے مسائل پر قلم اٹھایا۔ اسی دوران ۱۹۴۵ء میں آپ اخوان سے بھی متعارف ہوئے[۶] اور العدالۃ الاجتماعیۃ کے نام سے ۱۹۴۶ء سے ۱۹۴۸ء تک ایک سلسلہ مضامین لکھا۔ لیکن کتاب اس وقت شائع ہوئی جب آپ امریکہ سے واپس آئے۔ اسی زمانہ میں آپ نے "الفکر الجدید" کے نام سے ایک پرچہ جاری کیا۔ لیکن ان دنوں آپ پر سوشلسٹ نظریات کا اثر تھا۔ اگرچہ اس وقت مصری اہل علم میں جو سوشلزم زیر بحث تھا وہ لادینی سوشلزم نہ تھا۔ اس رسالہ میں سید قطب نے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے خلاف مضامین لکھے اور بطور استدلال انہوں نے ہمیشہ قرآن اور سنت کی نصوص ہی کو پیش کیا۔ البتہ اس دور میں اسلامی نظریہ حیات آپ کے ذہن میں واضح نہ تھا اور موضوع بحث چند عمومی اور وقتی مسائل تھے۔ مثلاً معاشرہ میں عدل و انصاف کا قیام اور غرباء اور مساکین کی امداد اور ظالموں اور بدکرداروں کا مقابلہ۔ امریکہ جانے سے قبل وہ ایک پرچے العالم العربی کے ایڈیٹر بھی رہے[۸]۔

جب آپ امریکہ تشریف لے گئے تو وہاں مغربی تہذیب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا،

---

۳ ایضاً

۴ عدل اجتماعی ص۔ الاہور ۱۹۶۳ء

۵ الشہید سیّد قطب مضمون یوسف العظم ص۔ ۲۷

۶ العلم، مراکش، ۲۰ ستمبر ۱۹۶۶ء

۷ الشہید سیّد قطب ص ۲۶۔

۸ العلم مراکش ۲ ستمبر ۱۹۶۶ء

Marfat.com

اس کا گہرا مطالعہ کیا اور اس پر تنقیدی نظر ڈالی۔ معذرت خواہانہ انداز چھوڑ کر اسلام کے دفاع میں جارحانہ انداز اختیار کیا۔ معالم فی الطریق میں آپ فرماتے ہیں۔

"جب میں امریکہ میں تھا تو مجھے کثیر تعداد میں ایسے لوگوں سے واسطہ پڑا۔ (جو مغربی تہذیب کے سامنے معذرت خواہانہ انداز اختیار کرتے تھے) اس دور میں ہم نام نہاد مسلمان ہوا کرتے تھے اور ہمارے سب رفقاء یہی طرز مدافعت اختیار کیا کرتے تھے۔ لیکن بفضل خدا وہاں بھی میرا رویہ جارحانہ ہوا کرتا تھا۔ میں خود مغربی تہذیب پر حملہ آور ہو جاتا۔ اس کی مذہبی بنیادوں، اس کے اجتماعی نظام، اس کی اخلاقی اقدار اور اس کے اقتصادی نظام پر تنقید کرتا میرا موضوع بحث عموماً عیسائیوں کا تصور اقانیم ثلاثہ گناہ اور کفارہ کا تصور اور ایسے ہی دوسرے مسائل ہوا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ یہ ایسے مسائل تھے جو عقل سے کوسوں دور تھے۔ نیز سرمایہ داری اس کی لوٹ کھسوٹ اور سودی نظام پر بھی میں تنقید کرتا اور اس تہذیب میں امراء کی خود غرضانہ ذہنیت کو زیر بحث لاتا اور بتاتا کہ تمہارے اجتماعی نظام میں تکافل اور انسانوں سے ہمدردی کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ نیز میں ان کے خالص مادی اور خشک تصورِ حیات، بہائم کی طرح جنسی اختلاط اور غلاموں کی بے پناہ منڈیوں جیسے مسائل کو زیر بحث لاتا۔ ان کی عائلی زندگی اور رکمزور خاندانی نظام اور ذلت آمیز نسلی امتیاز کی پالیسی پر انہیں شرم دلاتا۔

اس تنقید کے بعد میں اپنے مخالفین کو بتاتا کہ اس کے مقابلہ میں اسلام کی معقولیت پسندی کو دیکھو ذرا اسلام کی انسان دوستی کا مطالعہ کرو اس کی رواداری پر نگاہ ڈالو اور اس کی تاریخی سربلندی کو سمجھو جس تک کبھی کوئی تہذیب نہ پہنچ سکی۔ اس کے بعد میں انہیں تفصیل سے بتاتا کہ زندگی کے ان مسائل کو اسلام کس طرح حل کرتا ہے اور اس کا حل کس قدر فطری اور حکیمانہ ہوتا ہے [۱]"

یہ قدرتی بات ہے کہ اس ذہنیت کے آدمی کا صحیح مقام وہی ہو سکتا تھا جہاں آپ جلد ہی پہنچ گئے۔ یعنی تحریک اخوان المسلمون۔ امریکہ سے واپس آ کر آپ جلد ہی اخوان کے رکن بن گئے۔ اس وقت حسن الہضیبی اخوان کے مرشد عام تھے۔ ان کی رفاقت میں سید قطب جلد ہی مرکزی قیادت اور پھر پوری تحریک کے روح رواں بن گئے [۲]۔

---

[۱] معالم فی الطریق ص۔

[۲] العلم مراکش عدد ۵۹۵۸ ۲ ستمبر ۱۹۶۶ء

یہ آپ کے ذہنی ارتقار کا آخری دور تھا اور اس کا اظہار پورے طور پر معالم فی الطریق میں ہو رہا ہے۔ اس دور میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی کتابوں کے ترجمے بڑی تیزی سے عرب ممالک میں شائع ہو رہے تھے۔ مولانا کی کتابوں سے سید قطب بے حد متاثر ہوئے وہ اپنی ہر کتاب میں جابجا مولانا کے لٹریچر کا حوالہ دیتے ہیں۔ مولانا مودودی کو وہ اپنی کتابوں میں "المسلم العظیم" اور "الاستاذ الکبیر" کے الفاظ میں یاد کرتے ہیں۔ مولانا کے لٹریچر کے علاوہ آپ مولانا ابوالحسن علی ندوی کی کتاب "ماذا خسر العالم انحطاط المسلمین" سے بھی بے حد متاثر ہیں اور جابجا اس کا حوالہ دیتے ہیں۔

علمی کام جس طرح سید قطب بتدریج ذہنی ارتقار کے مختلف مراحل سے گذرے اسی طرح مختلف مدارج میں ان کا کام بھی مختلف ہے۔

۱۔ خالص ادبی دور

اس میں آپ نے درج ذیل کتابیں تحریر کیں:۔

۱۔ النقد الادبی: اصوله ومناهجه، تنقید کے موضوع پر۔

۲۔ کتب وشخصیات

۳۔ المدینۃ المسحورہ (ناول)

۴۔ نقد کتاب مستقبل الثقافۃ (تنقید)

۵۔ مہمۃ الشاعر فی الحیاۃ

۶۔ الجدید فی المحفوظات

۷۔ القصص الدینی

۸۔ الجدید فی اللغۃ العربیۃ

۹۔ روضۃ الطفل

۱۰۔ الشاطی المجهول (دیوان اشعار)

۱۱۔ اشواک (ناول)

Marfat.com

۱۲۔ الاطیاف الاربعۃ (کہانی)

۱۳۔ طفل من القریۃ (ناول)

۱۴۔ حلم الفجر

۲۔ ادبی کام اسلامی نقطۂ نظر سے اور عمومی مسائل

۱۔ العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام

۲۔ التصویر الفنی فی القرآن

۳۔ مشاہد القیامۃ فی القرآن

۴۔ قصص الانبیاء۔ دلچسپ پیرائے میں نبیوں کے حالات

۵۔ امریکا التی رأیت

۳۔ تحریک اخوان المسلمون سے وابستگی کے بعد

۱۔ معرکۃ الاسلام والرأسمالیۃ

۲۔ السلام العالمی والاسلام

۳۔ نحو مجتمع اسلامی

۴۔ ھذا الدین

۵۔ مستقبل ھذا الدین

۶۔ دراسات اسلامیہ

۷۔ مقومات التصور الاسلامی

۸۔ معالم فی الطریق۔ حصہ اوّل اور دوئم

۹۔ فی ظلال القرآن ۸ مجلدات میں تیس پاروں کی تفسیر۔

ان کتابوں میں سے العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام نہایت اہم کتاب ہے جس کا اردو، انگریزی، فارسی، اور ترکی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ جیسا کہ اوپر کہا گیا یہ کتاب اس

Marfat.com

دور کی تصنیف ہے۔ جس میں سید قطب اخوان سے کم متاثر تھے اور طہ حسین اور عقاد سے زیادہ قریب تھے۔ اس لئے اس کتاب میں اسلام کے سیاسی نظام کے زوال اور ملوکیت کے قیام کے بارے میں سید قطب نے جو لکھا ہے اس سے کم لوگوں نے اتفاق کیا۔ بالخصوص ان کے لب ولہجے پر اعتراضات ہوئے اور جب آپ اخوان سے متاثر ہوئے تو آپ نے مختلف حضرات کے کہنے پر اپنی عبارتوں میں بار بار تبدیلی کی۔ مراکش کے مشہور اہل علم علامہ علال الفاسی فرماتے ہیں: حضرت معاویہ اور ان کے بعض رشتہ داروں کے بارے میں اس کتاب کے بعض کلمات پر میں نے آپ کو متوجہ کیا۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ میں ان پر غور کروں گا۔ عرصہ بعد وہ مراکش کے فارن آفس میں میرے پاس آئے اور کتاب کے دوسرے ایڈیشن کی ایک کاپی مجھے دی، اور مسکراتے ہوئے فرمایا: "آپ دیکھیں گے کہ اس ایڈیشن میں آپ کا مطلب پورا کر دیا گیا ہے۔" اور صحابہ کرام کے بارے میں انہوں نے وہ تمام فقرے دہرائے جن میں انہوں نے اصلاح کی تھی[۱]

اردو کے مترجم جناب نجات اللہ صدیقی فرماتے ہیں کہ مصنف نے پانچویں ایڈیشن میں بھی ترمیمات کیں اور ان کی خصوصی درخواست پر انہوں نے حضرت امیر معاویہ، بنو امیہ اور یزید کے بارے میں فقرات حذف کئے ہیں[۲]

مصنف کی دوسری اہم تصنیف ان کی تفسیر فی ظلال القرآن ہے۔ قرآن مجید کی پوری تفسیر میں علمی اور تحقیقی رنگ کو چھوڑ کر دعوتی رنگ اختیار کیا ہے۔ اس کے لئے جو زبان استعمال کی گئی ہے۔ وہ سید کا ہی حصہ ہے اور اسے بلاشبہ الہامی زبان کہا جا سکتا ہے۔ اپنے اس رنگ میں یقیناً یہ ممتاز ترین تفسیر ہے۔ تفسیر کیا ہے ایک دعوت عمل اور دعوت انقلاب ہے، الفاظ اور معنی کا دریا ہے۔ جس میں تحقیقی، علمی، وجدانی اور ادبی نکات جا بجا موجود ہیں۔ پورے ذخیرۂ تفاسیر میں یہ پہلی تفسیر ہے۔

---

۱ العلم مراکش عدد ۵۹۵۸ ۲ ستمبر ۱۹۶۶ء

۲ اسلام کا نظام عدل۔ ص ۱۶

Marfat.com

جو خود قرآن کے اسلوب بیان میں لکھی گئی ہے۔ دوسری تفاسیر بالعموم منطقی انداز بیان میں لکھی گئی ہیں اور فی ظلال القرآن قرآنی اور انقلابی انداز بیان میں ہے۔ اس کی اہم خصوصیات یہ ہیں کہ یہ اختلافی مسائل اور اسرائیلیات سے خالی ہے۔ اسلام کا جامع تصور لئے ہوئے۔ اس کے احیاء کا طریق کار نمایاں کرتی ہے۔ غرض اخلاص، روحِ ایمان، عمل صالح اور دعوتِ انقلاب اس کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ پندرہ پارے جیل سے باہر اور بقیہ جیل میں لکھے گئے ہیں[۴۳] اب تک پانچ سے زیادہ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

معالم فی الطریق ان کے مضامین کا آخری مجموعہ ہے۔ اس میں سیّد قطب نے واضح طور پر یہ متعین کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلامی نظام زندگی کیا ہے۔ اس کی بنیادی خصوصیات کیا ہیں، اسلامی نظام زندگی اور اس کے پیرو کاروں کا تعلق اس پوری کائنات اور اس کے اندر موجود ہر چیز اور ہر فرد سے کیا ہے۔ اسلامی نظام زندگی کے قیام کا طریق کار کیا ہے۔ ایسے ہی اساسی مسائل کو سید قطب نے لیا ہے اور نہایت ہی صراحت اور واشگاف الفاظ میں اپنے مدعا کو قارئین کے سامنے رکھ دیا ہے۔

روشنی کا مینار

سیّد صاحب نے حق و باطل کی کشمکش میں مخلص اور حنیف ہو کر راہِ حق کو اختیار کیا۔ زندگی گزاری تو حق پرستی کی راہ پر اور بالآخر اسی راہ میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ کم لوگ ایسے ہوں گے جن کے قلم اور جن کے خون نے بیک وقت کشتِ اسلام کو سیراب کیا ہو۔ سیّد صاحب انہیں چند مبارک نفوس میں سے ایک ہیں جنہوں نے اپنے قلم سے بھی اسلام کی گراں بہا خدمت انجام دی اور اپنے خون سے بھی اس دعوت کو سینچا اور دور حاضر میں تحریک اسلامی کو حیات تازہ بخشی کہنے والے نے سچ کہا۔

قتلِ حسینؓ اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

۴۳؎ علال فاسی، العلم مراکش ۲؍ ستمبر ۱۹۶۶ء

Marfat.com

نشاناتِ راہ

اِس وقت انسانیت جہنم کے گڑھے کے دہانے پر کھڑی ہے۔ اس وجہ سے نہیں کہ اس کے سر پر خوف اور ہلاکت کی تلوار لٹک رہی ہے ـــــ کیونکہ ـــــ یہ تو بیماری کا اثر اور نتیجہ ہے نہ کہ اصل بیماری ـــــ بلکہ اس لئے کہ وہ ان "اعلیٰ اقدار" کے میدان میں دیوالیہ ہو چکی ہے، جن کے سائے میں ہمیشہ انسانیت کو فطری نشوونما اور صحیح ترقی نصیب ہوا کرتی ہے۔ انسانیت کی خستہ حالی مغربی دنیا میں تو روز روشن کی طرح واضح ہے، جس کے پاس کوئی ایسا مصدر نہیں ہے جو اسے اعلیٰ اقدار عطا کر سکے۔ بلکہ اس کے پاس خود اپنے زندہ رہنے کے لئے بھی ایسی کوئی وجہ جواز نہیں ہے جس سے وہ اپنے ضمیر کو مطمئن کر سکے۔ جب کہ وہاں جمہوریت حد افلاس تک پہنچ چکی ہے اور اس نے اب آہستہ آہستہ مشرقی بلاک سے اقدار حیات کی بھیک مانگنا شروع کر دی ہے۔ خصوصاً سوشلزم کے نام سے اقتصادی معاملات میں ـــــ یہی حال خود مشرقی بلاک کا بھی ہے مشرق میں اجتماعی نظریات جن میں اشتراکیت پیش پیش ہے اور جس نے مشرق میں پہلے پہل کافی لوگوں کو اپنی طرف متوجہ بھی کیا ...... بلکہ مغرب میں بھی ...... یہ ایک ایسے مذہب کے نقطۂ نظر سے جس پر عقیدے کا رنگ غالب ہو، واضح طور پر شکست کھا رہی ہے۔ فکری لحاظ سے وہ اپنے موقف سے ہٹ چکی ہے اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ اشتراکیت آج ایک نظریہ کی بجائے ایک نظام حکومت ہو کر رہ گئی ہے اس نے اپنے بے شمار نظریاتی اصول ترک کر دیئے ہیں۔ یہ عموماً انسانی فطرت کے تقاضوں سے

Marfat.com

ٹکراتی ہے اور ہمیشہ ایک شکست خوردہ معاشرہ میں پروان چڑھتی ہے یا ایسے معاشرہ میں جو ایک طویل عرصہ تک ڈکٹیٹر شپ سے مانوس ہوچکا ہے۔ بلکہ اب تو نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ ایسے معاشروں میں بھی اس کا مادّی اور اقتصادی نظام مکمل طور پر ناکام ہوچکا ہے —— حالانکہ یہ واحد پہلو ہے جس پر اُسے بے حد فخر رہا ہے اور جس پر اس کی پوری عمارت قائم ہے۔ روس جو اشتراکی نظام رکھنے والے ممالک میں صف اوّل کا ملک ہے، اس کی حالت یہ ہے کہ وہاں غلّے کی پیداوار مسلسل کم ہورہی ہے جبکہ زار کے عہد میں بھی وہاں فاضل پیداوار ہوتی تھی اس وقت وہ گندم اور دوسرا غذائی سامان درآمد کررہا ہے تاکہ کھانا کھا سکے۔ اس سبب سے کہ وہاں اجتماعی زراعت مکمل طور پر ناکام ہوچکی ہے اور وہ نظام ناکام ہوچکا ہے جو انسانی فطرت سے متصادم ہے۔

اب انسانیت کے لئے ایک نئی قیادت کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔

اہل غرب کو انسانیت کی قیادت کا جو منصب حاصل تھا اس کے خاتمے کا وقت قریب آگیا ہے اس لئے نہیں کہ مغربی تہذیب مادی لحاظ سے مفلس ہوچکی ہے۔ اقتصادی و عسکری قوت کے لحاظ سے وہ کمزور ہوچکی ہے بلکہ اس لئے کہ مغربی نظام کا دور ختم ہوچکا ہے اور اب اس میں اقدار کی وہ قوت باقی نہیں رہی ہے جس کے بل بوتے پر وہ اپنی قیادت قائم رکھ سکے۔

اس وقت ایک ایسی قیادت کی اشد ضرورت ہے جو بیک وقت پوری اقوام کی ذہانت سے حاصل شدہ ترقیوں اور ایجادوں کو زندہ رکھ کر ترقی دے سکے اور اس کے ساتھ ساتھ انسانیت کو بالکل نئے سرے سے اونچی اقدار حیات بھی عطا کرسکے۔ اس کا طریق کار حقیقی، ٹھوس اور مثبت ہو اور یہ طریقۂ کار انسانیت کے موجودہ علم و آگاہی کو مدّ نظر رکھتے ہوئے متعین کیا جائے۔

اسلام —— اور صرف اسلام .... ہی ایک ایسا نظام حیات ہے۔ جس کے پاس ایسی اعلیٰ اقدار حیات (VALUES OF LIFE) اور ایسا ہی واضح طریق کار اور نصب العین موجود ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ علمی نشاۃ ثانیہ اپنا پارٹ ادا کر چکی ہے۔ ترقی کا یہ دور جس کی صبح سولہویں صدی عیسوی میں نمودار ہوئی تھی اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں بام عروج کو پہنچ چکا ہے اور اب اس تحریک کے پاس کوئی جدید پروگرام نہیں ہے جس کے بل بوتے پر وہ زندہ رہ سکے۔ بالکل اسی طرح "وطنیت" اور قومیت اور دوسرے علاقائی اجتماعی نظریات جو اس عرصے میں نمودار ہوئے۔ اپنی افادیت کھو بیٹھے ہیں اور اب ان کے اندر زندگی کو سیراب کرنے کا کوئی سرچشمہ نہیں ہے۔

ان نظریات کے ساتھ تمام دوسرے انفرادی و اجتماعی نظریات اور زندگی کے تمام عملی نظام ناکام ہو چکے ہیں اور اب صرف اسلامی نظام کا دور ہے۔ "امت مسلمہ" کی قیادت کا یہ دور نہایت ہی پُر حیرت و اضطراب اور پریشان کن حالات میں آ رہا ہے ——— اب اسلام کا دور اس لئے ہے کہ اسلام اس کرۂ ارض پر مادی ایجادات کو ناپسند نہیں کرتا بلکہ وہ انہیں انسان کا اولین فرض قرار دیتا ہے اور یہ اس وقت سے فرض قرار دیتا ہے جب سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس زمین پر اپنے خلیفہ کے طور پر بھیجا ہے۔ اسلام ان تمام کاموں کو ——— چند شرائط کے تحت ——— اللہ کی عبادت اور وجود انسانی کی غرض و غایت قرار دیتا ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (البقرۃ: ۳۰) اس وقت کو یاد کرو جب اللہ نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین پر اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔

دوسری جگہ ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (ذاریات: ۵۶) میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔

اب امّت مسلمہ کا دور ——— اس لئے بھی ہے کہ وہ اس مقصد کو پورا کرے جس کے لئے اللہ نے اس کو برپا کیا تھا۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔ اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت کے لئے میدان میں

Marfat.com

(آل عمران : ۱۱۰) لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

وکذالک جعلنا کم امۃً وسطًا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدًا (البقرہ : ۱۴۳) اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک امت وسط بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔

یعنی انسانیت کے لئے نمونہ۔

لیکن اسلام اس وقت تک اپنا فرض ادا نہ کر سکے گا جب تک کہ وہ کسی معاشرہ یا کسی قوم میں عملاً رونما ہو کر ایک مثال نہ قائم کر دے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ انسانیت —— خصوصاً ہمارے دور میں —— کسی ایسے مجرد عقیدہ اور نظریہ پر کان دھرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ جس کا کوئی مصداق اور عملی نظام اس خارجی و حقیقی زندگی میں نظر نہ آتا ہو اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ خارج میں امت مسلمہ کا وجود عرصہ دراز سے ناپید ہے کیونکہ امت مسلمہ کسی سرزمین کا نام نہیں جس میں کسی وقت اسلام زندہ تھا۔ نہ امت مسلمہ کسی قوم کا نام ہے۔ جن کے آباؤ اجداد تاریخ کے کسی دور میں اسلامی نظام حیات کے مطابق زندگی بسر کر رہے تھے .... بلکہ امت مسلمہ ایک ایسی انسانی جماعت کا نام ہے۔ جس کی زندگی، جس کے تصورات جس کی زندگی کے حالات اور طور طریقے جس کی زندگی کی اجتماعی تنظیم اور جس کی اعلیٰ قدروں کے تمام سرچشمے اسلامی نظام حیات سے پھوٹتے ہیں —— یہ امت ان صفات کے ساتھ ظاہر ہے کہ عرصہ دراز سے ناپید ہو چکی ہے جب سے اس پورے کرۂ ارض پر سے اسلامی قانون کی حکمرانی ختم ہوئی ہے۔

ان وجوہ کی بنا پر ضروری ہے کہ اس امت مسلمہ کا دوبارہ احیاء کیا جائے تاکہ اسلام —— دوبارہ اپنا صحیح پارٹ (ROLE) ادا کر سکے جس کا عرصے سے انسانیت کو انتظار ہے۔

اس وقت امت مسلمہ کو نسل پرستی کے بھاری ملبے، غلط تصورات کے تاریک

~~66781~~

Marfat.com

پردوں، جدید کلچر کی رنگینیوں اور جاہلی نظام ہائے حیات کی دبیز تہوں نے چھپا رکھا ہے۔ اس کا اسلام سے نہ کوئی تعلق ہے نہ نظام اسلامی سے کوئی واسطہ۔ اگرچہ لوگ اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ یہ چیزیں آج نام نہاد "عالم اسلامی" کی شکل میں موجود ہیں۔

میں اس بات کو اچھی طرح جانتا ہوں کہ امت مسلمہ کی احیاء کی کوشش اور حصول قیادت کے درمیان بڑی طویل مسافت ہے کیونکہ ایک عرصہ دراز سے امت مسلمہ کا نہ وجود ہے اور نہ اس کی کوئی عملی مثال کہیں نظر آتی ہے۔ انسانیت کی راہنمائی کے منصب پر عرصہ دراز سے کچھ اور افکار، کچھ اور اقوام، کچھ دوسرے تصورات اور کچھ دوسرے طور طریقے چھا چکے ہیں۔ اس طویل عرصے میں یورپین ذہنیت نے علم و ثقافت کے میدان میں نظم و نسق اور مادی ایجادات کی پیداوار میں معتدبہ تخلیقات کی ہیں یہ بہت بڑی ترقی ہے۔ جس کے نقطہ عروج پر اس وقت انسانیت پہنچ چکی ہے جس تہذیب نے انسانیت کو یہ ترقی دی ہے اس کے بارے میں یا اس تہذیب کی صلاحیت کے بارے میں لوگوں کو بڑی آسانی سے بدظن نہیں کیا جا سکتا۔ خصوصاً اس صورت میں جس کو آپ "عالم اسلامی" کے نام سے پکارتے ہیں۔ اس میں ان خوبیوں میں سے ایک خوبی بھی موجود نہیں ہے۔

لیکن ان تمام حقائق کے باوجود احیائے اسلام نہایت ضروری ہے۔ تجدید احیائے دین کی کوششوں اور اقتدار پر قبضہ کرنے کے درمیان ایک طویل فاصلہ کیوں نہ ہو بہرحال احیائے اسلام کی کوشش پہلا قدم ہے جسے کسی صورت میں بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔

اس کام کو علی وجہ البصیرت سرانجام دینے کے لئے ضروری ہے کہ ہم امت مسلمہ کی ان صلاحیتوں اور خصوصیات سے خوب واقف ہوں۔ جن کی وجہ سے وہ پوری انسانیت کی قیادت کے اہل ہو جاتی ہے۔ تاکہ احیائے امت کی کوششوں کے دوران ہم کہیں صحیح عناصر کو چھوڑ کر غلط عناصر کا انتخاب نہ کر بیٹھیں۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ امت مسلمہ اس وقت اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ وہ انسانیت کے سامنے محیرالعقول مادی ایجادات لا سکے (اور نہ یہ اس کا مقصد زندگی ہے) جس کی وجہ سے اقوام کی گردنیں اس کے سامنے جھک جائیں اور اس نقطۂ نظر سے اس کی عالمی قیادت

Marfat.com

مسلم ہو جائے۔ مغرب کی ترقی اس میدان میں بہت دور تک آگے بڑھ چکی ہے اور کئی صدیوں تک اس بات کا امکان نظر نہیں آتا کہ اس کے مقابلے میں اس میدان کے اندر برتری حاصل کی جاسکے۔

لہٰذا ضروری ہے کہ ہم میں کچھ اور خوبیاں اور قابلیتیں ہوں۔ ایسی خوبیاں جو اس تہذیب میں موجود نہ ہوں لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ہم مادی ترقی کو پس پشت ڈال دیں۔ یہ بھی ہمارے فرائض میں سے ایک اہم فرض ہے کہ ہم اس میدان میں بھی پوری طاقت سے جد و جہد کریں لیکن اس حیثیت سے نہیں کہ یہ ہماری واحد صفت ہے جس کی بنا پر ہم تاریخ کے موجودہ حصے میں انسانیت کی قیادت کے لئے آگے بڑھنا چاہتے ہیں بلکہ اس حیثیت سے کہ مادی ترقی ہمارے وجود کے لئے ایک لازمی ضرورت ہے اور وہ بھی اس طرح کہ اسلام بذات خود مادی ترقی کو بھی ہمارے فرائض میں شمار کرتا ہے اس کے تصورِ حیات کے مطابق انسان زمین میں اللہ کا خلیفہ ہے اور چند خاص شرائط کے ساتھ مادی ترقی بھی اللہ کی عبادت بن جاتی ہے جب کہ یہ وجودِ انسانی کی غرض و غایت کو پورا کر رہی ہو۔

لہٰذا ...... مادی ترقی کے علاوہ ——— ہمارے لئے کسی دوسری قابلیت کی ضرورت ہے جس کے بل بوتے پر ہم انسانیت کو ایک نئی قیادت فراہم کر سکیں یہ قابلیت سوائے ایک ایسے نظریۂ حیات اور ایک ایسے نئے "نظام حیات" کے اور کچھ نہیں ہے، جو انسانیت کو موجودہ مادی ترقی کی ضمانت بھی دے سکے ..... بالکل ایک نئے زاویۂ نگاہ سے .... اور جس طرح وہ مادی ترقی کی آواز پر لبیک کہتا ہو یہ "نظریۂ حیات" اور یہ "نظام حیات" دونوں ایک انسانی معاشرہ میں عملاً قائم اور مجسم ہوں۔ یعنی وہ اسلامی معاشرہ میں جلوہ گر ہوں۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اس وقت پوری دنیا جاہلیت کے زیر سایہ پل رہی

ؔ یعنی مسلمان تو موجود ہیں مگر اُس اُمت مسلمہ کو نگاہیں ڈھونڈتی ہیں جو دینی اقدار کی محافظ اور قرآنی اخلاق سے متصف ہو کر، دنیا کی رہنمائی اور قیادت کر رہی ہو۔ (مترجم)

Marfat.com

ہے۔ اُن اصول کے نقطۂ نظر سے جن سے زندگی کی اعلیٰ قدریں اور زندگی کا عملی نظام پھوٹتا ہے، انسانیت اس جاہلیت کے بوجھ تلے اس قدر دبی ہوئی ہے، کہ ہمارے دور کی یہ حیران کن مادی سہولتیں اور یہ نہایت اونچے درجے کی مادی ترقیات بھی اس بوجھ میں معمولی سی کمی نہیں کر سکتیں۔

یہ جاہلیت اس کائنات پر اللہ کی حکومت کو چیلنج کئے ہوئے ہے اور الوہیت کی پہلی اور مخصوص ترین صفت یعنی حاکمیت پر اس نے دست درازی کی ہے ...... یہ حاکمیت کا حق انسان کو دیتی ہے۔ انسانوں میں سے بعض کو بعض دوسروں کا "رب" قرار دیتی ہے۔ حاکمیت کا یہ اختیار انسان کو دنیا اس صورت سے بالکل مختلف ہے جس میں ابتدائی دور کی جاہلیت یہ حق انسان کو دیتی تھی۔ بلکہ یہ جاہلیت ان کو وضع عقائد، تصورات اعلیٰ اقدار کی تعبیرات، قواعد و قوانین کی تسمید اطوار و عادات کے تعین اور زندگی کی پوری ہیئت اجتماعی کی تشکیل کا اختیار بھی دیتی ہے۔ قطع نظر اس سے کہ اللہ کا تجویز کردہ نظام اس بارے میں کیا کہتا ہے بلکہ ان معاملات میں بھی جن میں اللہ نے کسی کو کوئی اختیار ہی نہیں دیا۔ اللہ کے اس حق کو اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد انسانوں کے حقوق پامال ہوتے ہیں انسانی آزادی کا تصور ختم ہو جاتا ہے۔ آپ دیکھیں کہ اشتمالی نظاموں میں ایک انسان کس قدر ذلیل و بے بس ہوتا ہے۔ ! سرمایہ دارانہ نظام میں افراد یا اقوام اپنے سرمایہ یا استعماری غلبے کی بنا پر جو ظلم کرتی ہیں وہ محض اللہ کی حاکمیت پر دست درازی کا ایک ادنیٰ نتیجہ ہے۔ یہ دراصل اس شرف کا انکار ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے مخصوص کیا تھا۔

اس زاویہ نگاہ سے اسلامی نظام ایک منفرد نظام ہے۔ نظام اسلامی کے علاوہ تمام دوسرے نظاموں میں لوگ کسی نہ کسی صورت میں ایک دوسرے کی غلامی سے نجات پاتے ہیں۔ یہ اس صورت میں کہ اس نظام میں سب ایک اللہ کی غلامی کرتے ہیں۔ صرف ایک سرچشمہ ہی سے ہدایت حاصل کرتے ہیں اور صرف ایک ہی خدا کے آگے جھکتے اور عاجزی پیش کرتے ہیں۔

Marfat.com

یہاں آکر دوسرے لوگوں سے ہمارا راستہ جدا ہو جاتا ہے اور یہی وہ نیا تصور حیات ہے جسے ہم انسانیت کے سامنے پیش کر سکتے ہیں۔ یہی وہ تصور حیات ہے جس سے انسان کی عملی زندگی پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں ...... یہی ہے وہ ٹھوس حقیقت ہے جس سے بشریت تہی دامن ہے اس لئے کہ یہ چیز مغربی تہذیب کی پیداوار نہیں ہے اور نہ یورپ کی ترقیات کا نتیجہ ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ہمارے پاس ایک کامل اور نیا نظام حیات موجود ہے یہ ایک ایسی چیز ہے جس سے بشریت ناواقف بھی ہے اور اس میں یہ قابلیت ہی نہیں ہے کہ وہ ایسا کوئی نظام لا سکے۔ لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ یہ نظام حیات عملی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہو جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔ اس کے مطابق ایک قوم اپنی زندگی بسر کر رہی ہو لہٰذا اس کا تقاضا ہے کہ ہم کسی ایک خطے میں اسلامی نظام حیات کا احیاء کریں۔ اس احیاء کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قریب اور دور تمام ممالک میں یہ نظام انسانی قیادت پر قبضہ کر سکے گا۔

پھر احیائے اسلام کا یہ کام کیسے شروع ہو۔!

اس کیلئے ایک ہراول دستہ کی ضرورت ہے جو اسلام کے احیاء کے لئے پختہ عزم کرے اور مسلسل منزل مقصود کی طرف بڑھتا چلا جائے۔ اطراف عالم میں پھیلی ہوئی جاہلیت کو روندتا ہوا آگے بڑھے لیکن دوسری طرف وہ محیط جاہلی معاشرہ سے جڑا بھی رہے۔

ہر وہ گروہ جس نے اس قدر مشکل کام کو اپنے ذمہ لینے کا عزم صمیم کر لیا ہے اس کے لئے کچھ نشانات راہ کی اشد ضرورت ہے ایسے نشانات جن سے وہ اپنے دور کی طبیعت اور مزاج، اس دور میں اس کے فرائض کی حقیقت اس کے حقیقی نصب العین اور اس کے نقطۂ آغاز کو اچھی طرح جان سکے .... نیز اس کو یہ بھی معلوم ہو کہ کائنات پر چھائی ہوئی اس ہمہ گیر جاہلیت کے بالمقابل اس کا صحیح مؤقف کیا ہے؟ وہ کہاں لوگوں سے ملے اور کہاں جدا ہو؟ اس کی خصوصیات کیا ہیں؟ اور ارد گرد پھیلی ہوئی

Marfat.com

جاہلیت کی خصوصیات کیا ہیں؟ اور اہل جاہلیت کو اسلامی زبان سے کس طرح خطاب کرے اور کن موضوعات پر خطاب کرے؟ اس کے بعد اسے معلوم ہو کہ وہ ان معاملات میں ہدایات کہاں سے اور کیسے حاصل کرے۔

ہمیں چاہیئے کہ یہ نشانات ہم اس نظریۂ حیات کے مصدر اوّل کی روشنی میں متعین کریں .... یعنی قرآن کی روشنی میں .... اور اس کے اساسی تصورات کی روشنی میں، اس تصور کی روشنی میں جو اس نے اس ممتاز اور پاکیزہ گروہ کے ذہنوں میں زندہ و تابندہ کر دیا تھا جس گروہ نے منشاء الٰہی کے مطابق دنیا میں وہ کارنامہ سر انجام دیا جس کا ہم تصور تک نہیں کر سکتے۔ وہ گروہ جس نے کسی تاریخ کے دھارے بدل دیئے تھے اور تاریخ کو اس رُخ پر چلا دیا تھا جس پر اللہ اس کو چلانا چاہتا تھا۔

میں یہ نشانات راہ ایسے ہی ہراول دستے کے لئے اُبھار رہا ہوں جس کا مجھے سخت انتظار ہے اور میں اس کے متعلق پُر امید ہوں .... اس میں سے چار باب معمولی حذف و اضافہ کے ساتھ میں نے اپنی تفسیر فی ظلال القرآن سے لئے ہیں۔ اس مقدمہ کے علاوہ آٹھ باب ایسے ہیں جو مختلف اوقات میں لکھے گئے ہیں، جب کبھی بھی مجھے "ربانی نظام زندگی" پر مسلسل غور و فکر کرنے کا موقع ملا جس کا مفصل نقشہ قرآن کریم میں موجود ہے۔ ان تمام مضامین کا —— اختلاف کے باوجود —— مایہ الاشتراک یہ ہے کہ یہ "نشانات راہ" ہیں جیسا کہ ہر راہ کے کچھ نشانات ہوا کرتے ہیں اپنی موجودہ شکل میں یہ نشانہائے راہ کا پہلا مجموعہ ہے اور مجھے قوی امید ہے کہ اس مجموعہ کے بعد کئی اور مجموعے بھی شائع ہوں گے اگر کبھی اللہ نے ان نشانات پر پہنچنے کی توفیق عطا فرمائی .... و باللہ التوفیق

صحابہ کرام ایک بے مثال قرآنی گروہ

یاد رکھیے !

کہ قرآن عظیم اپنے خزانوں

کو صرف اس شخص کے حوالے کرتا

ہے جو اپنے اندر یہ روح بیدار کرکے قرآن

کی جانب بڑھے یعنی یہ روح کہ حصول علم کا

مقصد عمل ہے۔ قرآن کریم اس لئے نہیں آیا کہ وہ ذہنی

تعیش کا سامان بنے اور نہ وہ بطور فنی اور ادبی کتاب کے

بھیجا گیا ہے۔ نہ وہ تاریخ یا قصہ کہانی کی کوئی کتاب ہے۔ قرآن صرف

اس لئے آیا ہے کہ وہ ایک نظام حیات اور خالص ربانی طریق زندگی بنے۔

Marfat.com

صحابہ کرامؓ —— ایک بے مثال قرآنی گروہ

دیکھئے، ماضی کے پردے پر ایک حقیقت کبریٰ نظر آ رہی ہے، ایک تاریخی حقیقت،

تحریک اسلامی کے کارکن جس دور اور جس جگہ بھی کام کر رہے ہوں، انہیں اس حقیقت کا عمیق مطالعہ کرنا چاہیئے۔ گہرا مطالعہ اور طویل غور و خوض! یہ کیوں؟ اس لئے کہ یہ حقیقت، دعوت اسلامی اور اس کے طریق کار کا رخ متعین کرنے میں فیصلہ کن اثر رکھتی ہے۔

دعوت اسلامی نے ایک دور میں یہاں ایک مثالی گروہ پیدا کیا تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا گروہ —— جو نہ صرف یہ کہ پوری اسلامی تاریخ میں بلکہ پوری انسانی تاریخ میں بھی —— اس کے بعد تاریخ ایسی ممتاز جماعت آج تک پیدا نہ کر سکی، ہاں اس سے ہم انکار نہیں کر سکتے کہ تاریخ میں اس طرز کے اکا دکا انسان کبھی کبھار پیدا ہوتے رہے ہیں لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی ایک جگہ ایسے افراد کی کوئی بڑی تعداد کبھی جمع نہ ہو سکی جیسا کہ تحریک اسلامی کے ابتدائی دور میں جمع ہو گئی تھی۔

یہ ایک واقعی، واضح اور با معنی حقیقت ہے اور ہمیں چاہیئے کہ اس سے بیگانہ وار نہ گذر جائیں، بلکہ رک جائیں اور اس کے سامنے ٹھہر کر نہایت سنجیدگی سے اس پر طویل غور و فکر کریں شاید کہ ہم اس کا راز پا سکیں۔

قرآن جو اس دعوت کا سرچشمہ ہے۔ ہمارے ہاتھوں میں ہے —— رسول

Marfat.com

مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث۔ آپ کی پاکیزہ سیرت اور آپ کی عملی رہنمائی ہمارے سامنے ہے۔ یہ سب کچھ ہمارے پاس ہے جیسا کہ اس پاکیزہ گروہ کے پاس تھا، جسے تاریخ دُہرا نہ سکی ——— رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتؐ گرامی کے سوا، سب کچھ ہمارے پاس موجود ہے، تو پھر کیا یہی وہ راز ہے دکہ آپ درمیان سے اُٹھ گئے اور دورِ اول کی تاریخ دُہرائی نہ جاسکی) نہیں ہرگز نہیں!

دعوت اسلامی کے قیام اور نتیجہ خیزی کے لئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا ہمارے درمیان ہونا شرط لازم نہیں۔ ورنہ تو پھر اللہ تعالیٰ دعوت اسلامی کو پوری انسانی دنیا کے لئے اور ہر زمانے کے لئے دعوت، ہرگز نہ قرار دیتا اور اس دعوت کو آخری پیغام الٰہی نہ ٹھہرایا جاتا اور قیامت تک پوری انسانیت کے معاملات کو اس دین اور اس دعوت کے حوالے نہ کیا جاتا۔

لیکن اللہ تعالیٰ، جس نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود لیا، وہ جانتا تھا کہ یہ دعوت رسول اللہ کے بعد بھی برپا کی جاسکتی ہے، اور یہ نتیجہ خیز بھی ثابت ہوسکتی ہے۔ اس لئے حضورؐ کو رسالت کے تیئس (۲۳) سال کے بعد ہی واپس بلا لیا اور آپ کے بعد اس دین کو قیامت تک کے لئے دین الٰہی کی حیثیت سے باقی رکھا۔

...... تو پھر سوال یہ ہے کہ جماعت صحابہ کی قوت کا راز کیا ہے؟ ....

کیونکہ صرف آپؐ کا اس دنیا میں نہ رہنا، پردۂ تاریخ پر اس منظر کے دوبارہ نہ آنے کی نہ تشریح کرتا ہے اور نہ اس کا کوئی حقیقی سبب قرار پاتا ہے۔

ہمیں چاہیئے کہ ہم اس کا کوئی اور راز اور کوئی دوسرا سبب تلاش کریں اور دیکھیں کہ یہ مبارک جماعت کس سرچشمہ سے سیراب ہوا کرتی تھی؟ ہمیں چاہیئے کہ بغور دیکھیں کہ اس سرچشمہ میں کسی قسم کی تبدیلی تو نہیں آئی؟ ہمیں اس پروگرام اور طریق تربیت کو بھی دیکھ لینا چاہیئے، جو جماعت صحابہ کی تشکیل و تنظیم کی حقیقی بنیاد رہے، کہ اس میں تو کوئی تغیر واقع نہیں ہو گیا؟

Marfat.com

دعوت اسلامی کا ابدی سرچشمہ

جس سرچشمے سے انہوں نے اپنے دل ودماغ کی آبیاری کی وہ قرآن اور صرف قرآن تھا، بایں معنی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث اور آپ کا طریق عمل وتربیت اور اسوۂ حسنہ بھی اسی سرچشمہ کے آثار ومظاہر تھے حضرت عائشہ سے جب پوچھا گیا کہ رسول خدا کے اخلاق کیا تھے تو آپ نے فرمایا، "آپ کا خلق قرآن" تھا۔[1]

معلوم ہوا کہ وہ قرآن کے سرچشمہ ہی سے سیراب ہوئے تھے، وہ قرآنی کیفیات ہی میں ڈوبے رہتے تھے اور وہ اسی منبع سے اپنی علمی پیاس بجھاتے تھے۔ انہوں نے قرآن کو اپنے لئے سرچشمۂ ہدایت ہونے کی حیثیت سے اس لئے اختیار نہیں کیا تھا کہ اس وقت انسانیت کے پاس کوئی تہذیب نہ تھی یا وہ کسی ثقافت سے تہی دامن تھی یا اس کے پاس علم نہ تھا، اور وہ تصنیف وتالیف اور درس و تدریس سے محروم تھی .... ایسا ہرگز نہ تھا بلکہ اس وقت رومی تہذیب، اس کی ثقافت، اس کی علمی تصانیف اور اس کا وہ قانونی نظام موجود تھا، جس کے مطابق آج بھی پورا یورپ زندگی بسر کر رہا ہے۔ یا یوں کہنا چاہیئے کہ یورپ نے دستور اور قانون کے دائرے میں اسے اپنے لئے نمونہ بنائے رکھا...... نیز یونانی تہذیب کے آثار بھی ابھی باقی تھے۔ اس کی منطق، اس کا فلسفہ اور اس کے فنون سب ہی موجود تھے اور آج بھی، یہ فنون اہل یورپ کی فکر ونظر کا سرچشمہ ہیں .... نیز اس زمانے میں عربوں کے پڑوس ہی میں ایرانی تہذیب، اس کی شاعری اس کے عقائد اور اس کی داستانیں موجود تھیں اس کے ساتھ ساتھ ایرانی، ایک مخصوص نظام حکومت بھی رکھتے تھے .... اس طرح کئی اور قریب وبعید کی تہذیبیں موجود تھیں مثلاً ہندوستانی تہذیب، چینی تہذیب وغیرہ رومی اور ایرانی تہذیب

---

[1] نسائی

نے تو جزیرۂ عرب کو شمال اور جنوب سے گھیر رکھا تھا۔ جیسا کہ یہودیت اور عیسائیت جزیرۃ العرب کے عین وسط میں ڈیرے ڈالے ہوئی تھی۔ لہٰذا یہ بات واضح ہے کہ جماعت صحابہ نے اپنے دورِ تشکیل و تنظیم میں صرف اللہ وحدہٗ کی کتاب پر انحصار اس لئے نہیں کیا تھا کہ اس وقت دنیا میں نظام ہائے تمدن و تہذیب موجود نہ تھے بلکہ ابتدائی دور میں غیر اسلامی تہذیبوں سے جان بوجھ کر، ایک خاص حکمت کے تحت قطع تعلق کیا گیا تھا۔ اور بالارادہ تھا۔ اسی دورِ تشکیل جماعت کا واقعہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تورات کا ایک صحیفہ دیکھا تو آپ کا چہرہ مبارک تمتما اُٹھا اور فرمایا: ”خدا کی قسم آج اگر تمہارے درمیان موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں میری اطاعت کرتے ہی بنتی“[۱]۔

پس معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قصداً اور ارادتاً چاہتے تھے کہ یہ جمعیت صرف قرآن ـــــ ہدایت کے واحد سرچشمے قرآن ـــــ ہی سے سیراب ہو۔ جب کہ دور بھی ابتدائی اور تشکیل جماعت کا دور تھا تاکہ ان کے دل قرآن کریم کے رنگ میں رنگ جائیں۔ ان کی تعمیر سیرت سے لے کر تشکیل جماعت تک صرف قرآنی طریقۂ تزکیہ و تربیت پر ہو۔

آپ کے پیش نظر ایک ایسی سوسائٹی کی تعمیر تھی جس کا دل دماغ فکر و احساس، تشکیل و تنظیم الٰہی طریقۂ تربیت و تنظیم کے سوا کسی اور عامل و محرک سے اثر پذیر نہ ہو۔ اس کا دل صاف ہو، نظریہٗ خالص ہو۔ شعور پاکیزہ ہو اور وہ تمام جاہلی اثرات سے پاک ہو۔

جب اس جمعیت نے۔ اس واحد سرچشمے سے اپنے دل و دماغ کی آبیاری کی تو پھر تاریخ انسانیت میں اس نے وہ عروج حاصل کیا جس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ لیکن اس کے بعد کیا ہوا؟ کئی فکری مصادر کی آمیزش ہو گئی، ....

جس سرچشمے سے آنے والی نسلیں سیراب ہوئیں، اسے یونان کے فلسفہ و منطق نے، ایران

---

[۱] حافظ ابو یعلیٰ، بروایت حضرت جابرؓ،

Marfat.com

کے افکار اور افسانوں نے اور یہود کی اسرائیلیات اور نصاریٰ کے لاھوت نے گدلا کر دیا اور آنے والی نسلوں پر بے شمار تہذیبوں اور ثقافتوں کے اثرات پڑ گئے۔ یہ افکار ونظریات ایک طرف تو تفسیر قرآن میں داخل ہو گئے اور علم کلام کا حصہ بن گئے اور دوسری جانب انہوں نے علم فقہ اور اصول فقہ پر بھی اثرات ڈالے اس گدلے اور غیر خالص سرچشمے سے آنے والی نسلوں نے استفادہ کیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرن اول جیسی ہیئت اجتماعی پھر وجود میں نہ آسکی۔

یہ بات شک وشبہ سے بالا ہے کہ اس جمیعت "اور بعد میں آنے والوں کے درمیان ایک بین فرق موجود ہے، یہ کیوں؟ یہ محض اس لئے کہ اسلام کے ابتدائی خالص سرچشمے کے ساتھ غیر اسلامی اثرات مل گئے، یہی اس فرق کا بنیادی سبب ہے۔

خالص اسلامی منبع فکر ونظر میں تبدیلی کے ساتھ ساتھ، ایک دوسرا بنیادی عامل (Factor) بھی کارفرما رہا ہے۔ وہ یہ کہ بعد کے ادوار میں اس سرچشمے سے استفادہ کرنے کے طریقے میں تبدیلی پیدا ہو گئی۔ اب وہ طریقہ نہیں رہا جو اس مقدس گروہ کا طریقہ تھا۔ دور اول کے مسلمان قرآن کو ثقافت کے حصول کی خاطر نہیں پڑھتے تھے یا اس لئے نہیں پڑھتے تھے کہ ان کی معلومات میں اضافہ ہو جائے۔ قرآن کے مطالعے سے ان کا مقصد نہ تسکین ذوق تھا اور نہ کوئی دنیوی متاع، ان میں سے کوئی بھی قرآن کریم کو محض اس لئے نہ پڑھتا تھا، کہ وہ صرف ثقافت کی خاطر، سامان ثقافت میں اضافہ کر سکے یا وہ علمی اور فقہی معلومات حاصل کر کے دنیوی اعزاز ومنصب حاصل کر سکے۔ وہ تو قرآن عظیم کو اس لئے پڑھتے تھے کہ وہ خود اپنے متعلق یا اس معاشرہ کے متعلق جس میں وہ رہتے تھے، ہدایات حاصل کریں۔ وہ اس کتاب عظیم کو اس لئے پڑھتے تھے کہ وہ حکم خداوندی جانیں اور جاننے کے بعد کسی توقف کے بغیر اس پر عمل پیرا ہو جائیں جس طرح ایک فوجی میدان جنگ میں حکم الیوم (order of the day.) پاتا ہے اور حکم سنتے ہی اس کی اطاعت میں لگ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام ایک ہی نشست میں، فرائض واحکام کی ذمہ داری کے پیش نظر، قرآن کریم کی دس آیتوں

Marfat.com

کی تلاوت و تعلیم ہی کافی سمجھتے تھے تاکہ ان پر عمل بھی کر سکیں۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے ایک روایت میں مذکور ہے۔[1]

یہ شعور........ تعمیل کے لئے حکم لینے کا شعور........ امتثال امر کے اس جذبے کی وجہ سے ان کے لئے قرآن میں ایک نئی دنیا کے دروازے کھول دیتا تھا اور اس سے علم و معرفت کی نئی راہیں کھلتی تھیں۔ اگر وہ قرآن مجید کو مجرد حصول علم اور محض تحقیق و تدریس کے لئے پڑھتے تو ان پر یہ راہیں ہرگز نہ کھلتیں...... ان کے لئے عمل آسان کر دیا جاتا تھا، مصائب و تکالیف کا بوجھ اس کتاب سے ہلکا ہو جاتا تھا، قرآن ان کی شخصیت میں گھل مل جاتا تھا، ان کے کردار اور ان کی زندگی میں ڈھل کر وہ ایک واقعی نظام کی شکل میں نمودار ہوتا تھا، وہ ایک متحرک ثقافت بن جاتا تھا.... ..... ایسی ثقافت جو نہ صرف ذہنوں میں بند ہو یا بڑی بڑی[1] کتابوں کے اندر دفن ہو، بلکہ ایسی ثقافت جو نہایت پاکیزہ سیرت و کردار کے قالب میں ڈھل کر زندگی کے پرانے ڈگر کو بدل کر رکھ دے۔ یہ تھا اس جمعیت کا طریق کار۔

یاد رکھیئے کہ قرآن عظیم اپنے خزانوں کو صرف اس شخص کے حوالے کرتا ہے، جو اپنے اندر یہ روح بیدار کر کے قرآن کی جانب بڑھے یعنی یہ روح کہ حصول علم کا مقصد عمل ہے۔ قرآن کریم اس لئے نہیں آیا کہ وہ ذہنی تعیش کا سامان بنے اور نہ وہ بطور فنی اور ادبی کتاب کے بھیجا گیا ہے، نہ وہ تاریخ یا قصہ کہانی کی کوئی کتاب ہے ——— (اگرچہ قرآن میں ادب بھی ہے، علم و فن بھی ہے اور تاریخی سرگذشتیں بھی) بلکہ قرآن صرف اس لئے آیا ہے کہ وہ ایک نظام حیات (Way of life) اور خالص ربانی طریق زندگی بنے...... اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ دور اول کے ان لوگوں کو اس نظام کے مطابق تدریجاً آگے بڑھائے۔ اس لئے قرآن مجید متفرق طور پر مسلسل نازل ہوتا رہا۔ وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَىٰ مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا[1] (اور قرآن جس کو

---

[1] ابن کثیر نے مقدمہ تفسیر میں اس کا ذکر کیا ہے۔

Marfat.com

ہم نے متفرق کیا، تاکہ آپ اسے لوگوں پر وقفے کے بعد پڑھیں اور ہم ہی نے اسے اتارا ہے)

قرآن کریم تمام کا تمام ایک ہی بار نازل نہیں فرمایا گیا، بلکہ مختلف اوقات میں نجماً نجماً (تھوڑا تھوڑا کر کے) نازل ہوتا رہا۔ اس طرح زندگی کی پیش آمدہ ضروریات اور مشکلات کا حل بتایا جاتا رہا! اسلامی تحریک کو جن مشکلات سے سابقہ پڑتا، قرآن کریم میں ان کے لئے معاشرتی زندگی کے ارتقاء کے مطابق رہنما اصول دیئے جاتے رہے۔
بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ صحابہ کرام کے ذہن وفکر میں بعض واقعات و حوادث کے سبب جو باتیں کھٹکتی تھیں۔ ان کو قرآنی آیات کا نزول دور کر دیتا اور وحی الٰہی ان کے ذہن وفکر کو آئینہ دکھا دیتی اور زندگی کے ایسے موڑوں پر ان کی راہنمائی کی جاتی۔ ان کے فکر و عمل اور شعور و احساس کی کوتاہی پر انہیں متنبہ کر دیا جاتا اور ہر معاملہ میں ان کا تعلق اللہ سے جوڑا جاتا، اور انہیں بتا دیا جاتا کہ کائنات میں اللہ تعالیٰ کی کونسی صفات کیا اثر کر رہی ہیں۔ انہیں یہ احساس رہتا کہ ان کی زندگی مرشد اعلیٰ کی رفاقت میں گزر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عین نگرانی میں۔ اس کی وسیع قدرت کے سائے میں۔ چنانچہ ان کی عملی زندگی صبغت اللہ تھی۔

یہ طریقہ کار ایسا تھا کہ اس میں علم، ہدایت اور فضل و کمال اس لئے حاصل کیا جاتا تھا۔ کہ انہیں عملی زندگی میں نافذ کیا جائے۔ یہی طریقۂ کار تھا جس پر پہلی اسلامی جماعت تیار ہوئی۔ دوسری طرف حصول علم برائے علم اور دنیوی ساز و سامان جمع کرنے کے لئے پڑھنے پڑھانے کا ایک ہنج وہ تھا، جس پر چل کر اس جماعت کے بعد آنے والی نسلیں تیار ہوئیں، اس میں ذرہ برابر شک نہیں کہ یہی وہ حقیقی سبب (Factor) ہے، جس کی وجہ سے صحابہ کرام اور بعد میں آنے والی نسلوں کے درمیان ایک عظیم الشان فرق نظر آتا ہے۔

یہاں ایک تیسرا عامل Factor بھی ہے جسے پیش نظر رکھنا اور نوٹ کر لینا نہایت ضروری ہے۔

دورِ اول میں جب ایک آدمی اسلام میں داخل ہوتا تھا، تو اپنی ماضی کی تمام جاہلیتوں کا جوا، اپنی گردن سے یک لخت، اتار پھینکتا تھا۔ جب وہ حلقہ بگوشِ اسلام ہوتا تھا تو اُسے اس بات کا شعور کامل ہوتا تھا کہ وہ بالکل ایک نئی زندگی کا آغاز کر رہا ہے اور اس طرح وہ اپنی جاہلیت کی زندگی سے بالکل کٹ جاتا تھا۔ اس کی حس اتنی تیز ہو جاتی تھی کہ وہ جاہلیت کی تمام عادات اور رسم و رواج سے رک جاتا تھا جس طرح کہ ایک شکی آدمی یا غایت درجہ احتیاط برتنے والا شخص یا بہت ہی ڈرپوک آدمی کام سے رک جایا کرتا ہے" وہ جاہلیت کی ہر چیز کو ایسی ناپاک چیز سمجھتا تھا کہ اس کے اسلام کے ساتھ اُس کا کوئی میل نہیں، اس احساس کے ساتھ وہ جاہلیت کے مقابلہ میں اس نئے مذہب ـــــ اسلام ـــــ کی ہدایات حاصل کرتا اور قبول کرتا چلا جاتا تھا۔ جب کبھی اس کا نفس اس پر غالب آجاتا، جب کہیں اس کی پرانی عادات اسے جاہلیت کی طرف کھینچیں اور جب کبھی وہ اسلامی تکالیف و احکام کے مقابلہ میں کمزوری محسوس کرتا، تو دفعتہً وہ اپنی اس کمزوری، غلطی اور خطاء کو محسوس کر لیتا اور وہ اپنے دل کی گہرائیوں میں یہ احساس پاتا کہ اسے تطہیر کی ضرورت ہے کیونکہ اس کا قلبی عزم و انشراح آلودہ ہو چکا ہے، لہٰذا وہ پھر بلا تاخیر قرآنی راہ پکڑ لیتا اور قرآنی ہدایات کے مطابق زندگی گزارنے لگتا۔

جاہلیت سے کنارہ کش ہو کر جب ایک شخص اسلام میں داخل ہوتا، تو ایک طرف اس کی جاہلانہ زندگی اور اسلامی زندگی کے درمیان ایک شعوری انقطاع ہوتا تھا۔ اور دوسری طرف اس کے ارد گرد کے جاہلی معاشرہ سے اس کے تمام روابط کٹ جاتے تھے اور وہ پورے طور پر جاہلی معاشرہ سے کٹ کر اسلامی معاشرہ سے جڑ جاتا تھا۔ اگرچہ وہ لین دین اور خرید و فروخت جیسے روزمرہ کے معاملات مشرکین سے کرتا، اور ظاہر ہے کہ شعوری انقطاع اور روزمرہ کے لین دین میں بہت بڑا فرق ہے۔

غرض اس دور میں اسلام میں داخل ہونے کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ ایک شخص

Marfat.com

کو جاہلی معاشرہ سے مکمل طور پر کٹ جاتا ہے اس کے تصورات سے اس کے رسوم و رواج سے اور اس کی عادات و اطوار سے اور یہ تبدیلی یوں واقع ہوتی کہ ایک شخص عقیدہ شرک سے نکل کر عقیدہ توحید میں مکمل طور پر داخل ہو جاتا۔ حیاتِ انسانی اور اس کائنات کے متعلق جاہلانہ تصورات چھوڑ کر اسلامی تصورات اپنا تا، ایک جدید معاشرہ میں ضم ہو کر، ایک نئی قیادت کے زیرِ نگیں آجاتا اور اپنی ساری صلاحیتیں، اور ساری توانیاں، اور سرفگندگی اور اطاعتیں، سب کچھ اس ملت اور اس قیادت کے حوالے کر دیتا۔

پھر اس شخص کی زندگی کا راستہ بدل جاتا اور ایک نئے سفر اور ایک نئے باب کا آغاز ہوتا۔ یہ سفر ایک آزادانہ سفر، جاہلیت کے تمام فلادونکے بھاری بوجھ سے آزاد اور جاہلی معاشرہ کے تمام تصورات اور تمام غالب قدروں سے بالکل ہٹ کر تھا....

اس دور میں ایک مسلمان کے راستے میں ایذا رسانیاں اور فتنہ پردازیاں ضرور رکاوٹ بنتی رہتی تھیں، لیکن وہ عزم بھرپور عزم و اثبات کیساتھ آگے ہی بڑھتا رہتا اور اس پر جاہلی تصورات کے دباؤ اور جاہلی معاشرہ کے اوضاع و اطوار کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔

یاد رکھیئے آج ہم بھی ایک جاہلیت میں گھرے ہوئے ہیں، جس طرح کہ ایک جاہلیت سے کبھی اسلام کو اپنے ابتدائی دور میں واسطہ پڑا تھا۔ بلکہ میں کہوں گا کہ یہ جاہلیت اس سے تاریک ترین جاہلیت ہے۔ ہم اپنے ارد گرد دیکھتے ہیں تو جاہلیت ہی جاہلیت نظر آتی ہے، لوگوں کے تصورات اور عقائد ان کے اطوار و عادات، ان کے علوم و فنون ان کا ادب، ان کے ان قوانین و دساتیر اور ان کی ثقافت کے تمام سرچشمے، یہاں تک کہ جسے ہم اسلامی ثقافت گمان کرتے ہیں، جنہیں ہم اسلامی ماخذ کہتے ہیں، جسے ہم اسلامی فلسفہ کہتے ہیں، جسے ہم اسلامی فکر کا نام دیتے ہیں، یہ سب کچھ دورِ حاضر کی جاہلیت کی تباہ کاریاں ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے دلوں میں اسلامی اقدار راسخ نہیں ہوتیں۔ ہمارے ذہنوں میں اسلامی تصورات اجاگر نہیں ہو رہے ہیں اور ہم میں کوئی ایسی جماعت تیار نہیں ہو رہی ہے۔ جو کمیت کے لحاظ سے افراد کی ایک بڑی تعداد پر مشتمل ہو اور کیفیت

Marfat.com

کے لحاظ سے جس میں دورِ اول کی اس مبارک جماعت کی سی خصوصیات پائی جاتی ہوں۔

لہٰذا یہ نہایت ضروری ہے کہ ہم تحریک اسلامی کے طریق کار کے معاملہ میں، اس کی اٹھان اور تشکیل کے مرحلہ ہی میں، اُس جاہلیت کے تمام موثرات سے پاک ہو جائیں، جس میں ہم زندگی گذار رہے ہیں اور جس سے ہم کسی طرح کی مدد اور تعاون حاصل کرتے ہیں۔ اور ہمارے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ اس سرچشمے کی طرف لوٹ جائیں جس سے دورِ اول کے یہ مقدس لوگ سیراب ہوئے تھے، وہ سرچشمہ جو اب تک صافی ہے اور اس میں کسی قسم کی کوئی ملاوٹ نہیں۔ ہم اس کو مضبوطی سے تھام لیں اور اسی کی تعلیمات کی روشنی میں فیصلہ کریں کہ انسانی وجود اور اس پوری کائنات کے وجود کی حقیقت کیا ہے؟ انسانی وجود کا اس کائنات کے وجود سے کیا تعلق ہے اور پھر ان دونوں کا ایک "وجود کامل" یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات سے کیا تعلق ہے؟ اسی سرچشمے سے ہم اپنے لئے تصور حیات لیں، اپنے اخلاق اور اپنی اخلاقی اقدار متعین کریں، اپنی حکومت و سیاست، معیشت و اقتصاد اور زندگی کے تمام شعبوں کے طور طریقے سیکھیں۔

جب بھی ہم اس سرچشمے کی طرف رجوع کریں، اس شعور اور احساس سے رجوع کریں کہ ہم اس سے ہدایت صرف اس لئے لے رہے ہیں کہ اسے نافذ کریں اور اس پر عمل پیرا ہوں۔ اس لئے نہیں کہ اسے پڑھ پڑھ کر جھومیں یا دنیوی متاع حاصل کریں، ہم قرآن مجید کی طرف مراجعت محض اس لئے کریں کہ وہ ہمیں کیا بنانا چاہتا ہے تاکہ ہم ایسے ہی بنیں۔ یہی ہے نزول قرآن کا اصل مقصد۔ اگرچہ مطالعہ قرآن کے ضمن میں ہمیں قرآن میں علوم و فنون کی بہاریں بھی نظر آئیں گی، بہترین قصے بھی ملیں گے، قیامت کے خوفناک مناظر بھی سامنے آئیں گے۔ لسانی فصاحت اور وجدانی فکر بھی موجود ملیں گی، غرض وہ ساری چیزیں ہم اس میں پائیں گے، جو علم برائے علم کے قائل اور ذوق کی خاطر پڑھنے والے کو مطلوب ہوتی ہیں۔ لیکن ہمیں چاہیئے کہ ان سب پہلوؤں پر غور کرتے وقت انہی کو اپنا مطلوب و مقصود نہ قرار دیں۔ ہمارا نصب العین اور ہدف ہمیشہ یہ رہے کہ قرآن ہم سے کیا عمل چاہتا ہے؟ وہ کیا مجموعی تصور رہے۔

جس کی بابت قرآن چاہتا ہے کہ ہم اسے اپنے ذہن میں راسخ کریں، قرآن ہم میں خدا کی الوھیت کا کیسا شعور پیدا کرنا چاہتا ہے۔ وہ اخلاق و عادات اور زندگی کے خارجی مظاہر کے متعلق کون سا نظام ہمارے لئے متعین کرتا ہے۔

ان مثبت چیزوں کے بعد ہمارے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم جاہلی معاشرہ، جاہلی تصورات، جاہلی عادات و اطوار، اور جاہلی قیادت سے اپنے آپ کو آزاد کر لیں ...... خصوصاً ذہنی طور پر...... ہمارا کام یہ نہیں ہے کہ ہم اس جاہلی معاشرہ کے ساتھ کسی قسم کی مصالحت کریں یا ہم اس کے ساتھ کسی قسم کی دوستی رکھیں۔ کیوں کہ یہ معاشرہ اپنی اس صفت ...... صفت جاہلیت کے ساتھ ...... اس قابل ہی نہیں ہیں کہ ہم اس کے ساتھ مصالحت کریں۔ ہمارے سامنے سب سے بڑا کام یہ ہے کہ پہلے ہم خود اپنے آپ کو بدلیں تاکہ بالآخر اس معاشرہ کو بدل سکیں۔

پس ہمارا معاشرہ ایک جاہلی معاشرہ ہے جو اسلامی نظام حیات کے ساتھ ہر قدم پر متصادم ہے۔ اس کا تصور حیات اسلامی تصور حیات سے متصادم ہے۔ یہ جاہلی معاشرہ ہم پر غالب ہے اور اپنی قوت قاہرہ کے ساتھ۔ ہماری راہ میں حائل ہے کہ ہم اسلامی نظام حیات کے مطابق زندگی بسر کریں۔ اس لئے ہمارا پہلا کام یہ ہوگا کہ ہم اس معاشرے کو اکھاڑ پھینکیں اور اس جاہلی نظام حیات کو بدل کر رکھ دیں۔

اس راستے پر ہمارا پہلا قدم ہی یہ ہوگا کہ ہم اس جاہلی معاشرہ، اس کے تصورات اور اس کی اقدار پر غالب ہوں اور اس غرض کے لئے خود اپنے تصورات اور اقدار میں کسی قسم کی کمی بیشی نہ کریں، "کچھ لو اور کچھ دو" کی بنیاد پر مصالحت نہ کریں بلکہ ہمیں اپنے اس موقف پر مضبوطی سے جم جانا چاہیئے کیونکہ ہم میں اور اس معاشرہ میں کلی تضاد ہے اور اگر ہم نے اس معاشرہ کے ساتھ چلنے کی کوشش کی، تو ہم پہلے ہی قدم پر اپنا نظام اور خود طریق کار ہی گم کر بیٹھیں گے۔

یقیناً ہمیں اس راستے میں سخت ترین دشواریوں کا سامنا کرنا ہوگا اور اس مقصد کے حصول کے لئے ہمیں بھاری قربانیاں دینا ہوں گی، لیکن ان مشکلات سے بچ نکلنا۔

Marfat.com

ہمارے لئے ممکن نہیں ہے، اگر فی الواقع ہم نے دورِ اول کی اس مبارک جماعت کے رستے پر چلنے کی ٹھانی ہو، جس کے ذریعے اللہ نے اس کرۂ ارض پر اسلامی نظامِ حیات نافذ کرایا اور اس طرح جاہلی نظام کے مقابلے میں اس نظام کی مدد کی اور اسے غالب کیا۔

یہ بات ہمارے لئے بے حد اہم ہے کہ ہم صحابہ کرام کی اس مبارک جماعت کی طرح، اسلامی نظامِ حیات کے مزاج کو پانے کی کوشش کریں، اس کائنات اور انسانی معاشروں کے بارے میں، ہمارا جو موقف ہے اسے سمجھیں اور اس کام اور طریق کار کے لوازم و عواقب کو جانیں، جسے ہم نے جاہلیت سے نکلنے کے لئے اپنایا ہے اور وہی طرزِ عمل اختیار کریں۔ جو صحابہ کرام کی اس محترم جماعت نے جاہلیت سے نکلنے کے لئے اختیار کیا۔

O

Marfat.com

اسلامی نظام حیات اور اسکے احیا کا طریق کار

یہ "انقلاب اس خوش اسلوبی سے محض اس لئے وقوع پذیر ہوا کہ جن لوگوں نے اسلامی نظام حیات کو، ایک ریاست، ایک نظام، ایک قانون اور ایک حکومت کی شکل میں قائم کرنے سے بھی قبل، اُسے خود اپنی زندگیوں میں قائم کر دیا تھا، یہ دین ان کی زندگیوں میں رچ بس گیا تھا۔ یہی ان کا عقیدہ تھا، یہی ان کا اخلاق تھا، یہی ان کی عبادت اور عام طرز عمل تھا۔"

اسلامی نظام حیات اور اُس کے احیاء کا طریق کار

قرآن مجید کا جو حصہ، مکہ مکرّمہ میں نازل ہوا اس کا زمانہ نزول تیرہ سال ہے۔ اس پورے عرصے میں، وحی کا محور اور مرکزی مضمون ایک ہی رہا اور کسی وقت بھی اس میں، تبدیلی نہ ہوئی البتہ اسلوب بیان میں تبدیلی برابر ہوتی رہی، مضامین کو بار بار دہرایا گیا لیکن ہر مرتبہ نئے اسلوب سے بات کی گئی اور سامعین کو یوں محسوس ہوا کہ گویا یہ بات آج ہی، پہلی مرتبہ بیان ہو رہی ہے۔

یہ وہ دور تھا جب قرآن کریم ایک نہایت ہی اہم اور اساسی مسئلے کو حل کر رہا تھا، اس مسئلے پر اس نئے دین کی نیو اٹھنے والی تھی اور اس کا اظہار اُس کے اساسی نظریات میں ہونے والا تھا۔ یعنی "حقیقت الوہیت، حقیقت عبودیت، اور ان کا باہمی تعلق" اس قضیہ کا حل بھی خالص انسانی نقطۂ نظر سے مطلوب تھا، یہ کوئی وقتی حل نہ تھا بلکہ اس وقت کے عرب اور آج کے عرب یا اس وقت کے انسان اور آج کے انسان سب کے سب، اس کی رو سے ایک ہی حقیقت اور حیثیت کے حامل ہیں۔ چونکہ اس بحث کا محور، یہ اساسی سوالات تھے، کہ اس کائنات میں وجود انسانی کی کیا حقیقت ہے۔ اس کائنات کی کیا اصلیت ہے اور انسان اور کائنات اور انسان اور موجودات کے درمیان روابط کی کیا نوعیت ہے۔ اور پھر ان دونوں یعنی انسان اور موجودات اور ان کے خالق کے درمیان کیا تعلق ہے، اس لئے نہ تو یہ مسائل وقتی نوعیت کے حامل تھے اور نہ ہی ان کا یہ حل وقتی نوعیت کا حامل ہو سکتا تھا۔ بلکہ یہ خالص انسانی

Marfat.com

مسائل تھے۔ اور یہ ان کا دائمی حل تھا۔

نزول قرآن کے مکی دور میں، جن سوالات کو چھیڑا گیا ان کا تعلق انسان اور اس کے ارد گرد پھیلی ہوئی پوری کائنات سے تھا۔ یہ تفصیلات کہ وہ کون ہے؟ کہاں سے آیا؟ کیوں آیا ہے؟ آخر کار اُسے کہاں جانا ہے؟ کون ہے جو اُسے ایک نامعلوم عدم سے لایا؟ کون ہے جو اُسے یہاں سے لے چلے گا؟ پھر اُس کا انجام کیا ہوگا؟ اس دور میں قرآن نے انسان کو اس طرف متوجہ کیا کہ وہ اس کائنات کی حقیقت پر غور کرے جسے وہ دیکھ رہا ہے اور محسوس کر رہا ہے۔ اس کے سامنے ایک مستور غیب ہے۔ وہ کائنات کو دیکھ بھی رہا ہے لیکن وہ اس کی کوئی معقول تعبیر نہیں کر سکتا کہ اس پُر اسرار کائنات کا خالق کون ہے؟ کون اس حیرت انگیز نظم کو چلا رہا ہے؟ اس کا مُدبّر کون ہے؟ اور اس میں جو تغیرات رونما ہوتے رہتے ہیں ان کے پیچھے کس طاقت کا ہاتھ کام کر رہا ہے؟ مکہ مکرمہ میں قرآنی تعلیمات نے انسان کو بالتفصیل بتایا کہ اس کا تعلق اپنے رب سے کیا ہے؟ اس کا تعلق اس مخلوقات سے کیا ہے؟ اور یہ کہ انسانوں کے باہمی تعلقات کا مدار کس پہ رکھتا ہے۔ یہ مسئلہ چونکہ نہایت اہم، اساسی اور انسان کی پوری تاریخ اور حیات سے لے کر موت تک پوری زندگی سے تعلق رکھتا تھا، اس لئے، اس کی وضاحت اور بیان و تشریح میں قرآن کریم نے پورے تیرہ سال صرف کئے، کیونکہ یہ ایک ایسا اہم قضیہ تھا کہ جس کے حل ہونے کے بعد، انسانی زندگی میں کوئی ایسا مسئلہ ہی نہیں رہتا جو حل طلب ہو۔

اس تیرہ سالہ دور میں قرآن نے کبھی بھی ان بنیادی مسائل کو چھوڑ کر اسلامی نظام حیات کی تفصیلات بیان نہیں کیں، جب یہ بالکل واضح ہو گیا کہ تحریک اسلامی کے کارکنوں کے دل دماغ میں اسلامی نظام کے اساسی تصورات اچھی طرح جا گزیں ہو گئے ہیں، تو اس کے بعد تفصیلی تعلیمات شروع ہوئیں اور اس سے قبل، اس پورے عرصے میں صرف اس ممتاز گروہ یعنی صحابہ کرامؓ کی تربیت ہوتی رہی جس نے آگے جا کر اقامت دین کا کام سنبھالنا تھا۔

Marfat.com

اقامت دین کا طریق کار

ہمارے اس دور میں، جو لوگ اسلامی نظام حیات کے قیام اور احیار کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں، ہیں ان کی توجہ قرآن کریم کے اس خاص اسلوب کی طرف مبذول کراؤں گا۔ انہیں غور کرنا چاہیئے کہ قرآن کریم نے پورے تیرہ سال تک کیوں صرف عقائد و نظریات اور دین کے صرف اساسی مسائل سے بحث کی اور اس پورے عرصے میں کبھی بھی اسلامی نظام حیات کی تفصیلات کو نہ چھیڑا گیا نہ ہی وہ احکام اور قوانین بیان کئے گئے جنہیں آگے جاکر اسلامی معاشرہ میں نافذ ہونا تھا۔ اس طریق کار کی تہ میں یہ حکمت کار فرما تھی کہ اللہ تعالیٰ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم، اور آپ کے مخالفین کے درمیان سب سے پہلے نظریاتی جنگ کا فیصلہ کرانا چاہتے تھے۔ چنانچہ آپ نے اپنی دعوت کا آغاز لاالٰہ الا اللہ سے کیا جس کے مفہوم کو عرب اچھی طرح جانتے تھے اور اس کا اعلان ہوتے ہی ایک نظریاتی جنگ چھڑ گئی اور حضورؐ نے لوگوں کے سامنے یہ دعوت پیش کرنا شروع کر دیا کہ وہ تمام الٰہوں، ارباب اور دیوتاؤں کو چھوڑ کر صرف ایک ہی رب کی عبادت کریں۔

عرب اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ ان کی زبان میں "اللہ" کے کیا معنی ہوتے ہیں؟ اور لاالٰہ الا اللہ کے کیا معنی ہوتے ہیں، وہ بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ اِلٰہ تو وہ ہوتا ہے جو انسان کی تکوینی زندگی پر بھی حاکم ہو اور تشریعی زندگی بھی اسی کے زیر نگیں ہو اور اگر ہم اس کا اقرار کر لیتے ہیں تو اس کا اولین اثر یہ ہو گا۔ کہ ہمارے ہاتھ سے امارتیں اور سیادتیں سب چلی جائیں گی اور اس کے بعد قلب وضمیر، دل دماغ، احساس وشعور، عدالت و امارت، تجارت و معیشت غرض روح وبدن سب پر صرف ایک خدا اور حاکم مطلق کی فرمان روائی ہو گی۔ چنانچہ کلمہ طیبہ کو سنتے ہی وہ تاڑ گئے کہ یہ کلمہ نہ صرف یہ کہ ان کے اختیارات حاکمیت کے خلاف اعلان جنگ ہے بلکہ وہ مستقبل قریب میں ان کی عادات واطوار اور رسم و رواج کو بھی یکسر بدل کر رکھدے گا۔ بہر حال وہ عرب تھے اور اہل لسان ہونے

Marfat.com

کی حیثیت سے یہ اچھی طرح محسوس کر رہے تھے کہ لا الہ اللہ ان کے لئے کیا کیا مشکلات پیدا کرنے والا ہے۔ انہوں نے اس کلمہ کو سنتے ہی اس کا سخت ترین نوٹس لیا، جس سے تاریخ کا ہر طالب العلم خوب واقف ہے۔ اس لئے یہاں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ کفر اسلام کی اس جنگ کا آغاز اس قدر پیچیدہ نظریاتی جنگ سے کیوں کیا گیا جب کہ بظاہر یہ بات ذہن میں نہیں آتی تھی کہ یہ نظریات عربوں کو اپیل کریں گے۔

قومی تحریک کا راستہ

یہ سوال اور بھی قابل توجہ ہو جاتا ہے، جب ہم غور کریں کہ دعوت اسلامی کے آغاز کے وقت جزیرۂ عرب کے مخصوص سیاسی حالات کیا تھے؟ جس وقت حضور نے دعوت اسلامی کا آغاز کیا تو سرزمین عرب کے سب سے آباد اور شاداب علاقے، عربوں کے بجائے دوسری اقوام کے قبضے میں تھے، شمال میں شام سے متصل علاقوں پر رومیوں کا قبضہ تھا، اور ان کی جانب سے ان پر عرب حکمران حکومت کر رہے تھے، جنوب میں یمن پر ایرانیوں کی حکومت تھی اور عربوں کے پاس صرف حجاز تہامہ اور نجد کے علاقے تھے، ان کے علاوہ ان کے پاس فقط صحرائے عرب کی چند متفرق سرسبز پٹیاں تھیں۔

ان حالات کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسے مقبول اور قابل اعتماد شخص کے لئے مناسب یہ تھا کہ وہ ان حالات میں عربی قومیت کا نعرہ بلند کرتے، عرب کے منتشر قبائل کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرتے ان کی خانہ جنگیاں ختم کرتے، جنہوں نے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیا تھا، اس طرح آپ کے لئے بسہولت یہ ممکن تھا کہ آپ شمال کی جانب رومی اور جنوب کی طرف سے ایرانی استعمار کے خلاف صف آراء ہو جاتے، عرب کے خونی رشتوں سے اپیل کرتے اور پورے جزیرۃ العرب کو ایک قومی وحدت میں جمع کر دیتے، یہ کام حضور کے لئے، اس وجہ سے بھی آسان تھا کہ آپ قریش جیسے معزز

Marfat.com

قبیلے کے چشم و چراغ تھے، آپکے پورے قبیلے نے حجر اسود کے جھگڑے میں آپ کو فیصل بھی مقرر کر دیا تھا اور پندرہ سال تک آپ کو ثالث بھی مان چکے تھے۔

اگر آپ اپنی تحریک کا آغاز اس طرح کرتے تو تمام عرب فی الفور آپ کی دعوت پر لبیک کہہ دیتے، اور اس طرح آپ کو پورے تیرہ سال تک خود غرض حکمرانوں اور شیوخ و امراء کا جانگسل مقابلہ نہ کرنا پڑتا۔ اور جس وقت پورا جزیرۃ العرب آپ کے زیر نگیں جمع ہو جاتا اور اقتدار اعلیٰ آپ کے ہاتھوں میں آجاتا تو آپ اپنی پوری طاقت سے لوگوں کو وہ تعلیم دینا شروع کر دیتے، جس کے ساتھ باری تعالیٰ نے آپ کو ہدایت بشریت لئے بھیجا تھا، اور آپ بسہولت لوگوں کو بتا سکتے کہ لوگو! انسانوں کی اطاعت اور بندگی کے بجائے صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو اور شرک سے باز آجاؤ۔

لیکن اللہ تعالیٰ علیم و خبیر تھا، اس کا منصوبہ کچھ اور ہی تھا، اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ "لا الہ الا اللہ" کا اعلان کر دیں، اسلامی تاریخ ہمارے سامنے ہے کہ حضور اور آپ کے ساتھیوں نے کس طرح باطل کے خلاف واضح نظریاتی جنگ کا اعلان کیا اور اس کے نتیجے میں، بے حد و حساب مصائب برداشت کئے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ مطلوب نہ تھا کہ خواہ مخواہ، حضور اور آپ کے مٹھی بھر ساتھیوں کو مصیبت میں مبتلا کریں بلکہ یہی ایک صحیح مستقیم اور متین طریق کار تھا جسے اپنانا ضروری تھا نیز اللہ تعالیٰ کو یہ مطلوب نہ تھا کہ انسانیت کو رومی طاغوت یا فارسی طاغوت سے چھڑا کر عربی طاغوت کے زیر نگیں کر دیا جائے، طاغوت خواہ جس ضمیر، دل دماغ روح و بدن سب پر حضرت تعلق رکھتا ہو وہ بہر حال طاغوت ہے بلکہ مقصود یہ تھا کہ کائنات کلمہ طیبہ کو سنتے ہی وہ تاڑ گئے کہ اس پر اسی کی حکمرانی ہونا چاہیئے اور اس میں اس کا کوئی
کے خلاف اعلان جنگ ہے بلکہ وہ ام صرف اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب اس
رسم و رواج کو بھی یکسر بدل کر رکھدے بلند کیا جائے اور خداوند کریم کی بادشاہت کے
م ایرانی، رومی اور عربی بادشاہتوں کو ختم کر دیا جائے۔

Marfat.com

اس کلمہ کی بنیادی پر جو اجتماعیت اور جو قومیت وجود میں آتی ہے وہ ایک نظریاتی قومیت ہوتی ہے اور اُسے عربی، رومی اور ایرانی سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا، یہ تھا وہ راز جس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قومیت کا نعرہ بلند کرنے کے بجائے نظریاتی کشمکش کے طریق کار کو اختیار کرنے کا حکم ہوا... یاد رکھیئے! آج بھی ہمارے لئے بہترین طریق کار یہی ہے۔

معاشی مساوات کا راستہ

جس دور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے، اس وقت معاشی لحاظ سے دنیا کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ دولت کی مساوی تقسیم اور عدل و انصاف کا نام و نشان تک نہ تھا۔ دولت اور تجارت پر ایک چھوٹی سی اقلیت نے قبضہ کر رکھا تھا اور یہ اقلیت اپنا پورا کاروبار بھی سودی نظام کے مطابق چلا رہی تھی، اس لئے اس کی دولت میں بڑی تیز رفتاری سے اضافہ ہو رہا تھا اور ایک عظیم اکثریت تھی جو فقر و فاقہ اور غربت و افلاس کا شکار تھی۔ جو لوگ دولت و ثروت پر قبضہ جمائے ہوئے تھے، وہی سوسائٹی میں اونچے مناصب پر بھی براجمان تھے۔ اور عام لوگوں کی حالت یہ تھی کہ نہ مایہ اور نہ سرمایہ۔

ان حالات کے پیش نظر یہ ممکن تھا کہ حضور معاشی مساوات کا نعرہ بلند فرماتے مزدور اور سرمایہ دار کے درمیان طبقاتی کشمکش قائم ہو جاتی اور ایک عوامی تحریک برپا ہو جاتی، سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا جاتا اور لوگ موجودہ معاشی ناہمواریوں کو حل کرنے کے لئے، آپ کے ساتھ ہو جاتے تاکہ امراء کی دولت فقراء میں بانٹ دی جائے۔ اور یہ راستہ دوسرے راستوں سے نسبتاً سہل بھی ہوتا کیونکہ اس نعرے سے پورا معاشرہ فی الفور دو گروہوں میں بٹ جاتا۔ ایک طرف دولت، شرف اور اقتدار کی دست درازیوں سے نالاں ایک عظیم اکثریت ہوتی اور دوسری جانب ان برائیوں کی حامل ایک حقیر سی اقلیت اور وہ صورت حال پیش نہ آتی جو نظریاتی اعلان جنگ کی صورت میں پیش آئی کہ لا الہ

کا اقرار کرنے والی ایک کمتر اقلیت کے مقابلے میں پورا معاشرہ صف آرا ہو گیا۔ نیز یہ معاشی انقلاب برپا کرنے کے بعد جب اقتدار اعلیٰ آپؐ کے ہاتھ آجاتا اور آپ اکثریت کے بل بوتے پر حکمران ہو جاتے تو آپؐ اقتدار اور اکثریت کے زور سے پوری آبادی سے اپنے وہ عقائد منوا لیتے، جو بحیثیت رسول خدا آپ لیکر آئے تھے اور اس طرح لوگ انسانوں کی غلامی سے نکل کر ایک خدا کی بندگی میں داخل ہو جاتے۔

لیکن آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انقلاب کے لئے یہ راہ اختیار کرنے کی ہدایت نہیں کی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تحریک اسلامی کے انقلابی کام کا طریق کار یہ نہ تھا اور اللہ تعالیٰ کو اس بات کا خوب علم تھا کہ صحیح معاشی نظام وہی ہوتا ہے جس کی کونپلیں صحیح نظریات سے پھوٹتی ہیں اور صحیح نظریہ حیات صرف یہی ہے کہ ہر قسم کی حاکمیت کو صرف اللہ کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔ اس نظریہ کے مطابق ایک معاشرہ وجود میں آئے اور اس کا ہر رکن رضا کارانہ اور مطیعانہ طور پر اللہ جل شانہ کے ان احکام کی پابندی کرے جو اس نے اجتماعی انصاف، معاشی کفالت اور دولت کی منصفانہ تقسیم کے بارے میں دیئے ہیں، اور اس معاشرے میں کاروبار کرنے والے دونوں فریق یہ خیال کرتے ہوں کہ اس لین دین میں اللہ کے احکامات نافذ کر رہے ہیں اور پھر یہ کہ ان احکامات کی اطاعت کر کے وہ دنیا و آخرت کی سرخروئی حاصل کر رہے ہیں۔ یہی ایک ایسی صورت ہے جس میں سے کوئی بھی حرص و آز کا شکار نہ ہوگا، نہ کسی کے دل میں کسی کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات پیدا ہوں گے، ایسے معاشرے میں ہر کام کے لئے قوت اور طاقت استعمال کرنے کی ضرورت نہ ہوگی اور لوگ اس معاشرے میں وہ گھٹن محسوس نہ کریں گے جو ہر اس معاشرے میں پائی جاتی ہے جس کی اساس لا الہ الا اللہ پر نہ رکھی گئی ہو۔

اخلاقی اصلاح کا راستہ جب حضور اکرم تشریف لائے، تو عرب سوسائٹی، اخلاقی لحاظ سے قعر مذلت میں گری

ہوتی تھی، چند بدویانہ فضائل اخلاق کو چھوڑ کر، وہ کسی ضابطے کے پابند نہ تھے، زہیر بن ابی سلمی اخلاقی صورت حال کی عکاسی یوں کرتے ہیں۔

ومن لم یذد عن حوضہ بسلاحہ

یہدم ومن لا یظلم الناس یظلم

(اور جو اپنے حوض کی حفاظت، اپنے اسلحہ کے ذریعے نہیں کریں گے، ان کے حوض کو منہدم کر دیا جائے گا اور جو لوگوں پر ظلم نہیں کرے گا، مظلوم بنے گا)

جاہلیت کا یہ متعارف قول تھا کہ "اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم ہو[1]" اور یہ اس معاشرے کی اخلاقی صورت حال کی صحیح تعبیر تھا۔ شراب نوشی اور قمار بازی ان کی زندگی کا لازمہ تھیں اور یہ لوگ ان پر فخر کیا کرتے تھے، جاہلیت کی پوری شاعری عربوں کے ان اخلاق کی عکاسی کرتی ہے۔ بطور مثال طرفہ بن العبد کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

فلولا ثلاث ھن من عیشۃ الفتی

وجدك لم أحفل متی قام عودی

اگر تین چیزیں نہ ہوتیں جو ایک نوجوان کے لئے سامان عیش ہیں۔
تو تیرے سر کی قسم میں اپنی پوری زندگی میں کسی محفل میں شریک نہ ہوتا۔

---

[1] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے، عربوں کی زندگی میں جو انقلاب برپا کیا۔ وہ اخلاق و عادات اور قواعد و قوانین تک ہی محدود نہ تھا بلکہ آپ نے عربوں کے ادب کی اصلاح بھی فرمائی۔ اس جملے کا مفہوم آپ نے یوں بدل دیا کہ مظلوم کی حمایت کرنا تو واضح ہے، لیکن ظالم بھائی کی مدد یوں ہو سکتی کہ اُسے ظلم سے باز رکھا جائے۔ چنانچہ اس قول کو اس معنوی ترمیم کے ساتھ حضور نے ادا فرمایا اور ذخیرہ احادیث کا جزو بن گیا۔

Marfat.com

فمنهن سبقی العاذلات بشربة ... كميت متى ماتعل بالماء تزبد

ان میں سے ایک یہ ہے کہ میں شرمسار کنندہ عورتوں سے بھی آگے بڑھ کر کلیجی رنگ کی شراب کا جام اٹھالیتا ہوں، جس میں اگر پانی ڈالا جائے تو کف آجائے۔

فمازال تشرابي الخمور ولذتي ... وبذلي وانفاقي طريفي وتالدي

میں ہمیشہ شراب نوشی اور لذت کوشی کا عادی ہوں اور مسلسل اپنی جدی دولت اور تازہ جمع کردہ دولت کو خرچ کرتا رہتا ہوں:

الاان تحامتني العشيرة كلها ... وأفردت إفراد البعير المعبد

یہاں تک کہ میرا قبیلہ میری دشمنی پر اتر آیا اور میں اس طرح اکیلا ہو گیا جس طرح خارش زدہ اونٹ علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔

فسق و فجور، اپنی مختلف شکلوں کے ساتھ اس معاشرے میں وبا کی طرح پھیلا ہوا تھا۔ عرب کیا بلکہ ہر قدیم و جدید جاہلی معاشرے کی یہ امتیازی خصوصیت رہی ہے کہ اخلاقی لحاظ سے وہ ایک فاجر اور فاسد معاشرہ ہوتا ہے، اس کا اندازہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے اچھی طرح ہوتا جس میں آپ جاہلیت کی عائلی زندگی کی تفصیلات بتاتی ہیں۔

"جاہلیت میں نکاح چار قسم ہوا کرتا تھا (۱) ایک تو وہ نکاح جو آج ہمارے اندر رائج ہے۔ ایک آدمی کسی کی بیٹی یا اس کی زیردست کا پیغام دیتا تھا۔ اس کا مہر دے کر وہ اس سے نکاح کر لیتا تھا۔

(۲) دوسرا یہ کہ مرد اپنی بیوی سے کہتا تھا، جب وہ ایام ماہواری سے پاک ہو جاتی، کہ تو فلاں کے پاس چلی جا اور اس سے ہم بستری کر۔ مرد عورت سے علیحدہ رہتا تھا اور اسے چھوتا بھی نہ تھا یہاں تک کہ اس مرد سے اس کا حمل ٹھہر جاتا جب حمل واضح ہو جاتا تو پھر یہ اس کے پاس جاتا جب چاہتا۔ اور یہ حرکت اس لئے کی جاتی تھی کہ نجیب النسب

Marfat.com

اولاد حاصل کی جائے اس نکاح کو "نکاح استبضاع" کہتے تھے (۳) اس کے علاوہ ایک تیسرا نکاح بھی ہوتا تھا۔ دس آدمیوں سے کم آدمی جمع ہو جاتے تھے اور وہ سب ایک ہی عورت کے پاس جاتے۔ سب کے سب اس سے جماع کرتے جب اس کا حمل ٹھہرتا اور وہ بچہ جن دیتی تو چند دن گزرنے کے بعد وہ سب کو بلا لیتی۔ قانون کے مطابق ہر ایک کو حاضر ہونا پڑتا جب سب آجاتے تو وہ انہیں کہتی "تم جانتے ہی ہو میرے ساتھ جو تمہارا معاملہ تھا اب چونکہ میں نے بچہ جن دیا ہے تو اے فلاں! یہ تیرا بیٹا ہے" تو یہ جسے چاہتی اس کا نام لے لیتی اور بچہ اس کی نسل سے ملحق ہو جاتا۔ کسی شخص کو اختیار نہ ہوتا تھا کہ وہ انکار کر سکے (۴) اور چوتھا نکاح اس طرح ہوتا کہ بے شمار لوگ جمع ہوتے وہ سب ایک ہی عورت کے پاس جاتے۔۔۔۔۔ یہ کسی کو نہ روکتیں۔ یہ فاحشہ عورتیں ہوا کرتی تھیں اپنے دروازوں پر خاص قسم کے جھنڈے نصب کر دیتی تھیں جو ان کی خاص علامت ہوتے تھے، جو چاہتا وہاں جاتا۔ جب ان میں سے کوئی حاملہ ہو جاتی تو سب لوگ وہاں جمع ہوتے اور قیافہ دان کو بلایا جاتا۔ قیافہ دان بچے کو جس سے ملا دیتے وہ اُسے اُٹھا لیتا اور اُسے اپنا بیٹا پکارتا" [۱]

عربوں کی اِس اخلاقی صورت حال کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر اپنی دعوت کا آغاز اصلاح معاشرہ اور تزکیۂ نفس کے پروگرام سے کرتے تو زیادہ مناسب تھا۔ اس صورت میں لوگوں کی ایک بڑی تعداد بسہولت آپ کی تحریک میں شامل ہو جاتی، ہر معاشرہ میں ایسے لوگوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہوتی ہے جو اپنے ارد گرد پھیلی ہوئی برائیوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور جو بھی اُن کے خلاف آواز اُٹھاتا ہے اُسے اپنی تائید دیں، ایسے لوگوں کی ایک کثیر تعداد مل جاتی ہے۔ اس طریق کار کا اثر یہ ہوتا کہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد حضور کے ساتھ ہو جاتی، ان کے اخلاق درست ہو جاتے، ان کی روحیں پاکیزہ ہو جاتیں اور وہ اس قابل

---

[۱] بخاری کتاب النکاح۔

Marfat.com

ہو جانے کہ بسہولت صحیح عقیدہ اپنالیں اور یہ صورت حال پیش نہ آئی جو ابتدا ہی سے لا الہ الا اللہ کی نظریاتی جنگ چھیڑ دینے کی صورت میں پیش آئی کہ تمام عالم عرب کلمۂ حق کے سامنے سینہ سپر ہو گیا۔

لیکن میں یہی کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جاننے والا تھا کہ انقلابی عمل کا صحیح راستہ کون سا ہے، یہ بات اللہ تعالیٰ کے علم میں تھی کہ صحیح اخلاق اور ٹھوس کردار کی تعمیر صرف عقیدہ اور نظریہ ہی کی اساس پر ہو سکتی ہے۔ یہ نظریہ ہی ہوتا ہے جو انسانوں کے لئے اخلاقی پیمانے وضع کرتا ہے، عقیدہ ہی انسان کو اس ذات سے متعارف کراتا ہے جو اخلاقی قدروں اور اخلاقی اصول کا ماخذ و مصدر ہوتی ہے اور اسکی طرف سے جزا و سزا کا تعین بھی ہوتا ہے جو ان اصولوں کی نافرمانی کی صورت میں دی جائے گی۔ اگر اس عقیدے کا تعین نہ ہو اور نظریات واضح نہ ہوں تو اس صورت میں جو اصلاحی کام بھی ہو گا، جو اخلاق بھی تعمیر ہوں گے وہ خام ہوں گے، ان کا کوئی ضابطہ نہ ہو گا، کوئی قوت نافذہ نہ ہوگی اور نہ ہی خلاف ورزی کی صورت میں جزا و سزا کا کوئی معقول انتظام ہو گا۔

لیکن اس کے برعکس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طریق کار اختیار کیا وہ کس قدر کامیاب ثابت ہوا؟ اس کا اندازہ تحریک اسلامی کی تاریخ سے بخوبی ہو سکتا ہے آپ نے نظریات کا اعلان فرمایا، ان کے لئے ان تھک جدوجہد کی، لوگوں کے دل و دماغ میں اسلامی نظریات بیٹھ گئے، ان نظریات کے خطوط پر ایک ریاست تشکیل پا گئی اور اس کا اقتدار مضبوط ہو گیا، لوگوں نے اپنے رب کو پہچان لیا اور صرف اسی کی بندگی کرنے لگے، انسان انسان کی بندگی سے آزاد ہو گیا اور ہر طرف لا الہ الا اللہ کی حکمرانی شروع ہو گئی اور اس نظریہ کے قائلین کی وہ پوری تربیت ہو گئی جو اللہ کو مطلوب تھی تو اس طریق کار کے عظیم الشان نتائج سامنے آ گئے، اس زمین کو رومیوں اور فارسیوں کے ناپاک نظاموں سے پاک کر دیا گیا اور یہ کام اس لئے نہ کیا گیا تھا کہ وہاں رومیوں اور فارسیوں کی جگہ عربوں کی سلطنت قائم ہو جائے بلکہ صرف

اس لئے کہ پورے کرۂ ارض پر صرف اللہ تعالیٰ کی حکمرانی ہو اور اُسے ان تمام طاقتوں سے، علی السواء، پاک کر دیا جائے خواہ یہ رومی ہوں، فارسی ہوں یا عربی ہوں۔

اس طریق کار کے مطابق جو انقلاب رونما ہوا اس کے اثرات یہ ہوئے کہ معاشرے کو ہر قسم کے ظلم و ستم سے پاک کر دیا گیا، ایک خالص اسلامی نظام زندگی قائم ہوا، جس کی اساس عدل و انصاف اور کلی مساوات پر تھی، اس میں تمام انسانوں کے ساتھ یکساں سلوک ہونے لگا، اجتماعی انصاف کا جھنڈا صرف خدائے واحد و برتر کے نام کا بلند ہوا اور اس میں اس کے ساتھ کوئی دوسرا نعرہ شریک نہ تھا۔ اسلامی نظام کے عَلَم پر صرف لا الٰہ الا اللہ لکھا ہوا ہوتا تھا۔

لوگوں کے اخلاق درست ہو گئے، نفوس پاک ہو گئے، ان کے دل اور روح آئینہ بن گئے، وہ یوں پاک ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود و تعزیرات کے نفاذ کی ضرورت بھی پیش نہ آئی۔ کیونکہ خود ہر فرد کے دل دماغ میں کچھ چوکیدار بیٹھ گئے تھے یعنی اللہ کی رحمت کی امیدواری، اس کی رضاجوئی اور عذاب آخرت کا ڈر، یہ تھے وہ محافظ جو ہر وقت اس گروہ کے ہر فرد کے ساتھ لگے رہتے تھے۔

اسلامی نظام کا اثر صرف عرب اور مسلم معاشرے تک ہی محدود نہ رہا بلکہ اس سے پوری انسانیت کو فائدہ پہنچا اس کی تنظیم اور اجتماعی نظم و نسق کو ترقی نصیب ہوئی اور اس نے وہ کمال حاصل کیا جو اس سے پہلے اس نے کبھی حاصل نہ کیا تھا۔

یہ انقلاب، اس خوش اسلوبی سے محض اس لئے وقوع پذیر ہوا کہ جن لوگوں نے اسلامی نظام حیات کو ایک ریاست، ایک نظام، ایک قانون اور ایک حکومت کی شکل میں قائم کرنے سے بھی قبل اُسے خود اپنی زندگیوں میں نافذ کر دیا تھا، یہ دین ان کی زندگیوں میں رچ بس گیا تھا، یہی ان کا عقیدہ تھا، یہی ان کا اخلاق تھا یہی ان کی عبادت اور عام طرز عمل تھا۔

پھر ان لوگوں نے یہ کام کسی دنیاوی غرض کے لئے نہ کیا تھا بلکہ ان کے پیش نظر صرف فلاح اُخروی اور جنت الماوی تھی، یہ تک مطلوب نہ تھا کہ انہیں یہاں

Marfat.com

غلبہ نصیب ہو یا انہی کے ہاتھوں سے نظام اسلامی کا قیام عمل میں آجائے بلکہ ان تمام کوششوں، ان تمام ناقابل برداشت ابتلاؤں اور حق و باطل اور اسلام و جاہلیت کی اس طویل کشمکش کے صلے میں ان کے لئے صرف ایک تمنا تھی۔ . . . یعنی رضائے الٰہی اور فلاح اخروی، اور ان سب حقائق کے بالمقابل انہوں نے یہ کام اس عنوان سے کیا جو تاریخ انسانی کا معروف عنوان تھا یعنی لاالٰہ الااللہ ہمیشہ اس نعرہ کو خطرناک قرار دیا گیا خصوصاً ان لوگوں کی طرف سے جو مناصب حکومت پر براجمان ہوتے تھے۔

اقتدار کب ملتا ہے

قرن اول کے ان لوگوں کو جب اللہ نے آزمایا اور وہ اس میں پورے اترے۔ اُن کے نفوس ہر قسم کی نفسیاتی آلائشوں سے پاک ہو گئے اور جب اللہ نے دیکھ لیا کہ وہ اس دنیائے دنی کے کسی ذلیل و حقیر مقصد کے لئے نہیں لڑ رہے۔ یہاں تک کہ وہ یہ بھی نہیں چاہتے کہ صرف انہی کے ہاتھوں اس دعوت کو کامیابی حاصل ہو اور اسلامی نظام حیات کا قیام عمل میں آجائے، نیز ان کے دل قومیت اور وطنیت اور نسل پرستی، قبیلہ پروری اور قبائلیت جیسے فروتر جذبات سے پاک ہو گئے اور انہیں ان روابط سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہ رہا اور ان میں وہ تمام مطلوب خوبیاں اور کمالات پیدا ہو گئے جو اللہ کو مطلوب تھے تو پھر خود اللہ نے فیصلہ کر لیا کہ یہ لوگ اب اس امانت کے سنبھالنے کے قابل ہو گئے ہیں اور یہ اس عقیدے اور نظریۂ حیات کے امین ہو سکتے ہیں جس میں حاکمیت اور اقتدار اعلیٰ صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کا ہو کیونکہ یہ عقیدہ ان کے دل و جاں میں جاگزیں ہو چکا ہے، ان کے شعور و عمل کا جزو ہو چکا ہے اور ان کے جان و مال پر حاکم ہے ــــــ اس لئے وہ اس قابل ہیں کہ اقتدار اعلیٰ ان کے سپرد کر دیا جائے، جس کے ذریعے وہ اللہ کی شریعت کو اس دنیا میں چلائیں اور خالص خدائی عدل و انصاف جاری کریں، جو کچھ کریں وہ رضائے الٰہی کے لئے کریں کیونکہ اُسی نے یہ امانت ان کے سپرد کی ہے اور اُن کے پیش نظر اپنی ذات، اپنا خاندان اور اپنی قوم یا اپنا قبیلہ ہرگز نہ ہو۔

Marfat.com

غرض اسلامی نظام حیات کا قیام اور اس کی سربلندی صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ ہم اس کے قیام کے لئے وہی طریق کار اختیار کریں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے، اللہ تعالیٰ کی راہنمائی میں اختیار فرمایا یعنی لا الہ الا اللہ کا علم بلند کرنا اور اس کلمے کے ساتھ کسی اور کلمے، نعرے اور نظریئے کو شریک نہ کرنا۔ اگرچہ بظاہر یہ طریق کار نہایت مشکل اور پر خطر تھا، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہی حقیقت پسندانہ اور مناسب تھا اس لئے اسی کو اختیار کیا گیا۔

اگر دعوت اسلامی کو ایک قومی تحریک، وطنی تحریک یا کسی اجتماعی تحریک یا اخلاقی اور اصلاح معاشرہ کی تحریک کی شکل میں اٹھایا جاتا تو اس کے نتیجے میں بپا ہونے والا نظام حیات خالص خدائی نظام حیات نہ ہوتا اور اس تحریک کا علم وہ نہ ہوتا جو تحریک اسلامی کا تھا یعنی لا الہ الا اللہ۔

یہ طریق کار کیوں

پورے مکی دور میں قرآن کریم نے اسلام کی نظریاتی اساس، لا الہ الا اللہ، کو دل دماغ میں بٹھانے کی کوشش کی اور اس کے لئے وہ پر آشوب طریق کار اختیار کیا گیا۔ جس کا ذکر اوپر ہوا اور کسی وقت بھی اُسے چھوڑ کر کوئی دوسرا طریق کار اختیار نہ کیا گیا بلکہ ہمیشہ اسی پر اصرار کیا گیا۔ نیز قرآن مجید نے دعوت کے آغاز اور مکی دور میں صرف عقائد و نظریات ہی پر زور دیا اور نظام اسلامی کی فقہی اور شرعی تفصیلات کو نہ چھیڑا، یہ طریق کار محض اتفاقی طور پر نہیں اختیار کیا گیا بلکہ اس میں گہری حکمت کارفرما تھی اور دعوت اسلامی کے ہر کارکن کا یہ فرض ہے کہ وہ گہری سوچ بچار کر کے معلوم کرے کہ وہ حکمت کیا تھی؟

حقیقت یہ ہے کہ اس نظام حیات کے مزاج کا تقاضا ہی یہی تھا۔ کیونکہ پورے نظام کی تشکیل اور تمام تر فقہی اور تشریعی ضوابط کی تعمیر و تدوین صرف اسی ایک اساس پر ہونی تھی یعنی عقیدہ توحید یعنی اسلامی نظام حیات کا اساسی نظریہ۔ یوں سمجھیئے کہ یہ دین گویا ایک تناور درخت ہے جو دور تک پھیلا ہوا ہے جس کی شاخیں

Marfat.com

لمبی اور گھنی ہیں، اس کے بے شمار سایہ دار پتے ہیں اور وہ دور تک فضا میں بلند ہو گیا ہے، لیکن اس کے باوجود اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس تناوری اور طول و عرض اور بلندی و ضخامت کے لحاظ سے، زمین کے اندر دور تک اس کی جڑیں گہری ہوں اور دور تک پھیلی ہوئی ہوں۔ یہی مثال اسلامی نظام حیات کی بھی ہے۔ وہ زندگی کا جو نظم پیش کرتا ہے وہ جامع و شامل ہے، زندگی کے ہر پہلو پر حاوی ہے، ہر چھوٹے اور بڑے امر کے بارے میں فیصلے کرتا ہے، یہ زندگی کے صرف دنیاوی دائرے تک محدود نہیں ہے بلکہ فلاح اُخروی کا بھی ضامن ہے، صرف دنیائے بین و گوش ہی سے سروکار نہیں رکھتا بلکہ پردہ ہائے غیب کے اندر مستور ایک "بڑے جہاں" سے بھی گہری دلچسپی رکھتا ہے، پھر اُسے انسان کے صرف ظاہری اور مادی معاملات ہی سے دلچسپی نہیں بلکہ وہ اس کا تعلق انسانی ضمیر کی گہرائیوں سے بھی ہے اور وہ انسان کے "راز ہائے سینہ" اور "دنیائے نیّات" سے بھی گہرا ربط رکھتا ہے، ہاں تو جب وہ ایک عظیم درخت ہے جس کی شاخیں حیاتِ انسانی کے ایک وسیع تر خطے میں پھیلی ہوئی ہیں تو یہ امر نہایت ضروری ہو جاتا ہے کہ اس وسعت، اس ضخامت، اور اس عمق اور پھیلاؤ کے مطابق، اس کی جڑیں بھی کشت زار دل و دماغ میں نہایت ہی گہری ہوں۔ أَصْلُهَا ثَابِتٌ فِي الْأَرْضِ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ۔

اسلامی نظام حیات کے مزاج اور اس کی تعمیری باریکیوں کا یہ ایک خاص پہلو ہے کہ وہ اپنی تعمیر اور پھیلاؤ میں ایک خاص طریق کار اختیار کرتا ہے اور وہ اس بات کو حد درجہ اہمیت دیتا ہے کہ اس کی نشوونما اور تعمیر جن عقائد و نظریات پر ہو رہی ہے وہ دل دماغ میں غایت درجہ متمکن ہو جائیں، نفس انسانی اور انسانی فکر و عمل کو پورے طور پر اپنے رنگ میں رنگ دیں، اس کی جڑوں اور تنو اور شاخوں کے درمیان ایک خاص تناسب ہو اور جڑیں اس قدر مضبوط اور طاقتور ہوں کہ فضا میں پھیلی ہوئی بلند شاخوں اور بھاری تنوں کا بوجھ بسہولت سہار سکیں۔

Marfat.com

اس طریق کار کے مطابق جب کسی فرد اور گروہ کے دل و دماغ کی گہرائیوں تک لا الٰہ الا اللہ اُتر جاتا ہے، تو اس کی زندگی میں اس نظام حیات کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔ جسے اس کلمہ پر تعمیر ہونا ہوتا ہے اور اس کی جھلک اس میں نظر آتی ہے، جوں جوں اس نظام کی تفصیلات سامنے آتی ہیں لوگ برضا و رغبت انہیں اپناتے جاتے ہیں کیونکہ ان کی جڑیں پہلے سے ان کے دل میں ہوتی ہیں۔ یہی معاملہ صحابہ کرام کا تھا کہ مکی دور کی اس فکری تطہیر اور صالح عقائد کی وجہ سے ان کے ذہن نہ صرف یہ کہ اسلامی احکام کے لئے آمادہ تھے بلکہ طالب تھے۔ حالانکہ احکام کی تفصیلات ابھی تک پردۂ اخفا میں تھیں۔

دور اول میں ہمیں جو معجزانہ تسلیم و انقیاد نظر آتا ہے وہ فقط ایمان راسخ اور صالح نظریات کی تشکیل کا رہین منت ہے۔ اس ایمان کے بعد حالت یہ تھی کہ شرعی احکامات آرہے ہیں، نظم و نسق کے بارے میں ہدایات آرہی ہیں اور ان پر بے چون و چرا اور کامل تسلیم و رضا کے ساتھ عمل ہو رہا ہے۔ بلکہ وہ موجودہ احکامات کے منتظر ہو جاتے ہیں۔ اور جو حکم آجاتا ہے اس کی تعمیل میں پل بھر کی دیر نہیں کرتے، یہی وجوہات تھیں جس کی وجہ سے شراب نوشی ختم ہوئی، سودی کاروبار کا نام و نشان تک نہ رہا۔ قمار بازی کا وجود ناپید ہو گیا اور تمام جاہلی عادات اور اوضاع و اطوار یوں مٹے کہ گویا کبھی تھے ہی نہیں، اور سب سے حیران کن بات یہ ہے کہ یہ تمام کام چند احکام خداوندی نازل ہونے ہی سرانجام پا گئے، بس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے احکامات سننے کی دیر تھی۔

اس کے برعکس ان نظاموں کا حال دیکھ لیجیئے جن کی تعمیر اس طریق کار کے برعکس متعارف دنیاوی طریقوں کے مطابق ہوئی ہوتی ہے۔ آج کل اگر کوئی حکومت ان منکرات کو بند کرنا چاہتی ہے تو وہ قانون سازی اور مقننہ، انتظامیہ کے تمام محکمہ جات، پولیس اور فوج اور نشر و اشاعت کے تمام ذرائع، اور پوری جد و جہد کے ساتھ کام میں لاتی ہے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ پھر بھی اُسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور وہ چند ظاہری اور خلاف قانون چیزوں پر ہی کنٹرول کر سکتی ہیں جب کہ معاشرہ کی اندرونی حالت

یہ ہوتی ہے کہ وہ منہیات اور منکرات سے اٹا پڑا ہوتا ہے[1]۔

نظریہ اور تحریک ساتھ ساتھ

اس مضبوط طریق کار کو سمجھ لینے سے اس دین کے مزاج اور خصوصیات کا ایک اور پہلو بھی روشن ہو کر سامنے آجاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہ دین درحقیقت ایک بہترین علمی اور متحرک پروگرام ہے اور یہ آیا ہی اس لئے ہے کہ زندگی کے تمام واقعات وحقائق پر حکمران ہو، یہ زندگی کے حقائق کا سامنا اس حیثیت سے کرتا ہے کہ ان پر اپنے اوامر نافذ کرے...... انہیں برقرار رکھے، یا بدل دے، یا سرے سے منسوخ کردے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دین میں قانون سازی صرف انہی امور کے متعلق ہوتی ہے جو عملاً واقع ہو چکے ہوں، اور یہ بھی ایک ایسے معاشرے میں جس نے ابتدائی طور پر صرف اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا اقرار کرلیا ہو۔

یہ دین کوئی ایسا "نظریہ" نہیں ہے جو محض مفروضات سے دلچسپی رکھتا ہو بلکہ یہ ایک ایسا نصب العین اور پروگرام ہے جس کا معاملہ تمام تر واقعات حیات سے ہے لہٰذا اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ پہلے ایک ایسا معاشرہ موجود ہو جو لاالٰہ الا اللہ کا اقرار کرے یعنی کہ حاکمیت اللہ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے اور اس کے ساتھ اللہ کے سوا تمام دوسرے لوگوں کی حاکمیت کا انکار کرے اور ایسے تمام طور طریقوں کو ترک کردے جو اس قاعدے کے خلاف ہوں اور نہ ہی انہیں جائز سمجھے۔

جب ایسے معاشرے کا قیام فعلاً ہو جائے تو اس وقت محض ایک خیالی معاشرہ کے بجائے وہ ایک حقیقی اور زندہ معاشرہ ہوگا جسے تنظیم اور قانون سازی کی ضرورت پڑے گی ایسے حالات میں پھر یہ دین اس معاشرہ کی اجتماعی زندگی کی تنظیم شروع کردیتا

---

[1] تحریم شراب کے سلسلے میں ملاحظہ ہو میری تفسیر فی ظلال القرآن جلد ۵ از ص ۸۰ تا ص ۹۰ منقح ایڈیشن۔ نیز ملاحظہ ہو الاستاذ المودودی کی کتاب "تنقیحات" بحوالہ ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین۔ از ابوالحسن علی الندوی۔

Marfat.com

ہے اور قانون سازی کا کام شروع ہو جاتا ہے اور یہ قانون سازی اس قوم کے لئے ہوتی ہے جو دل و جان سے نظم و قانون کی مطیع ہو چکی ہے اور جس نے تمام غیر دینی نظاموں اور قوانین کو سرے سے ترک کر دیا ہوتا ہے۔

اس صورت حال کے پیش نظر ضروری ہو جاتا ہے کہ جو لوگ ایسے نظریات و عقائد کے حامل ہوں، انہیں خود اپنے آپ اور اپنے معاشرے پر خود مختاری حاصل ہو، جو اس معاشرے میں اس نظام حیات کے نافذ کرنے کی ضامن ہو تاکہ لوگوں کے دل میں اس نظام کا احترام ہو۔ لوگوں کو معلوم ہو کہ یہ شریعت ایک حقیقت ہے ...... اس کے ساتھ ساتھ معاشرہ میں ایسے حالات بھی موجود ہوں جو فوری نظم و نسق اور قانون سازی کے متقاضی ہیں۔

اقامت دین کیلئے حکومت کی ضرورت :-

جب مسلمان مکے میں تھے تو انہیں اپنے امور میں خود مختاری حاصل نہ تھی۔ نہ ہی معاشرہ پر انہیں کوئی اختیار حاصل تھا اور نہ ہی ان کی زندگی اس طرح مستقل اور آزاد تھی کہ وہ خود ہی اسے اللہ کی شریعت کے مطابق چلا سکتے ہوں ...... اس لئے زندگی کے اس دور میں اللہ تعالیٰ نے نظم و نسق اور قانون سازی کے متعلق احکامات نازل نہیں فرمائے۔ اس دور میں عقائد نازل ہوئے۔ عقائد کے مضبوطی اور پختگی کے بعد ایسے اخلاقی احکامات آتے جو ان عقائد پر مبنی ہوتے تھے، لیکن جس وقت مدینہ طیبہ میں انہوں نے اپنی ایک مستقل حکومت قائم کر لی جس میں وہ بالکل خود مختار تھے، تو اس وقت اسلامی قوانین کا نزول شروع ہوا، مسلم معاشرہ کے لئے ایک ایسا نظام متعین ہوا جو اس کی تمام حقیقی ضروریات کا متکفل تھا۔ یہ ایسا نظام تھا۔ جس کی پشت پر ایک حکومت اور ایک قوت نافذہ بھی تھی۔

اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ نہ تھی کہ وہ مکہ مکرمہ ہی میں قوانین اتار دیں تاکہ وہ خزانہ قوانین میں تیار رکھے ہوں اور مدینہ طیبہ میں حکومت بنتے ہی نافذ کر دیئے جائیں

..... یہ طریق کار اس دین کے مزاج کے خلاف ہے۔ یہ دین ایک نہایت ہی حقیقت پسندانہ اور واقعیت جویانہ دین ہے..... وہ از خود مشکلات فرض کر کے ان کے لئے حل تلاش کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ وہ صرف ان امور کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو حقائق ہوں ــــ ایسے حقیقی مسلم معاشرے کی طرف متوجہ ہوتا ہے جس نے اللہ کی شریعت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا ہو اور اس کے سوا تمام دینوں سے منہ پھیر لیا ہو ــــ اس کا سلوک بعینہٖ اس معاشرے کی وسعت، اس کی نوعیت اور اس کے ظروف واحوال کے مطابق ہوتا ہے تاکہ قوانین، معاشرہ کی نوعیت وسعت اور حالات وضروریات کے مطابق ہوں۔

جو لوگ اس وقت اسلام سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ نظریات وضع کرے، مجوزہ نظام حیات کے طور طریقے اور شکلیں متعین کرے اور زندگی کے لئے مفصل قوانین وضع کرے، جب کہ صورت حال یہ ہے کہ اس وقت کرۂ ارض پر کوئی ایسا معاشرہ موجود نہیں ہے جس نے عملاً اس بات کا اقرار کر لیا ہو کہ اہیں صرف خدا کی شریعت کی حکمرانی ہوگی اور اس نے تمام غیر اسلامی شرائع وقوانین کو ترک کر دیا ہو اور اس کے پاس اسلامی قوانین کے نفاذ کے لئے قوت نافذہ بھی ہو ــــ جو لوگ اسلام سے ایسی توقعات رکھتے ہیں انھوں نے درحقیقت اس دین کے مزاج ہی کو نہیں پایا، بدقسمتی سے وہ نہیں جانتے کہ یہ دین اللہ کے پسندیدہ طریق کار کے مطابق کس طرح عملی شکل اختیار کیا کرتا ہے۔

اس طرز پر سوچنے والے لوگوں کا اصل منشاء درحقیقت یہ ہوتا ہے کہ وہ اس دین کے مزاج، اس کے طریق کار اور اس کی تاریخ کو بدل دیں تاکہ وہ انسانی نظریات اور انسانی طریق ہائے حیات کے مطابق ہو جائے۔ وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ یہ دین، اپنے طریق کار اور اقدامات کو چھوڑ کر اُن کی وقتی خواہشات اور نفسانی تقاضوں کو پورا کرے اور یہ ایسی خواہشات ہیں جو انسان کے وضع کردہ چھوٹے بڑے نظامہائے حیات کے مقابلے میں، اُن کی روحانی اور اندرونی شکست خوردگی کی آئینہ دار ہیں۔ یہ

Marfat.com

لوگ چاہتے ہیں کہ یہ دین اپنے آپ کو نظریات اور مفروضات کی شکل میں ڈھالے۔ اور ایسے مستقبل کی طرف متوجہ ہو جو سرے سے موجود ہی نہیں ہے ——— لیکن اللہ نے اس دین کے لئے وہی طریق کار پسند فرمایا ہے جو اُسے پسند ہے یعنی یہ کہ وہ ایک عقیدہ ہو جو دل دماغ پر چھا جائے۔ انسانی ضمیر پر اس کی حکومت ہو، اس عقیدے کا لازمی تقاضا یہ ہو کہ اس کا ماننے والا اللہ کے سوا کسی کے آگے نہ جھکے۔ اور یہی عقیدہ قانون و شریعت کا ماخذ بھی ہو اور اس کے سوا کوئی دوسرا ماخذ نہ ہو جب اس عقیدے کے حاملین موجود ہوں اور انہیں اپنے معاشرے پر اقتدار بھی حاصل ہو تو پھر ان کی واقعی ضروریات کے لئے قانون سازی کا کام شروع ہو اور ان کی واقعی زندگی کی تنظیم و تشکیل شروع ہو۔

یہ ہے وہ طریق کار جسے اللہ نے اس دین کی اقامت کے لئے منتخب فرمایا ہے آپ یقین کریں کہ وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے، رہیں لوگوں کی نفسانی خواہشات سو جو ہوتی رہیں ہوا کریں۔

دعوت اسلامی کے حاملین کو معلوم ہونا چاہیئے، کہ اسی طریق کار کے مطابق، جب بھی وہ لوگوں کو دین کی طرف بلائیں، انہیں سب سے پہلے اسلامی نظریۂ حیات سے روشناس کرائیں۔

یہ بات صرف غیر مسلموں تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ جو لوگ اپنے آپ کو مسلم کہلاتے ہیں اور مردم شماری کا ریکارڈ بھی گواہ ہے کہ وہ مسلمان ہیں، ان کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ لا الہ الا اللہ کا، نئے سرے سے اقرار کریں، اس کے مفہوم اور مراد کو سمجھیں، حاکمیت کو خاصہ خدا سمجھیں اور اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، اور یہ بھی زندگی کے ایک محدود دائرے میں نہیں بلکہ پوری زندگی میں، اس کے ساتھ ساتھ وہ ان لوگوں کی حاکمیت کا بھی صاف صاف انکار کر دیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس حق حاکمیت کو اپنے لئے مخصوص کر لیا ہے اور یہ اقرار بھی دل کی گہرائیوں سے، پورے شعور کے ساتھ ہو اور اس کا اظہار انسانی زندگی کے عملی طور طریقوں اور حقائق میں بھی ہو رہا ہو۔

Marfat.com

پہلے فکری اصلاح اور پھر قانونی اصلاح

لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینے کی اساس

یہی نظریاتی اقرار ہونا چاہیئے۔ یہی اقرار اول روز سے دعوت اسلامی کی بنیاد رہا ہے، مکہ مکرمہ میں پورے تیرہ سال تک قرآن مجید اسی کی طرف بلاتا رہا، جب لاالہ الااللہ کا یہ مفہوم سامنے رکھتے ہوئے ایک اچھی خاصی جمعیت دین اسلام میں داخل ہوگئی، تو اس گروہ پر اسلامی معاشرہ کا اطلاق ہونے لگا، یعنی وہ معاشرہ جس میں اسلامی نظام حیات انسانوں کی اجتماعی زندگی میں قائم ہوسکتا ہو کیونکہ اپنے عقیدے اور اقرار کی رو سے اس معاشرے نے فیصلہ کرلیا ہوتا ہے کہ آئندہ اس کی پوری زندگی کا ارتقاء اس عقیدے کی بنیاد پر ہوگا اور یہ کہ وہ اپنی پوری زندگی میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کو حکمران تسلیم کرے گا۔

جب اسلامی نظام حیات کی اساس مستحکم ہوجاتی ہے تو اس کے بعد اسلامی نظام کے تفصیلی منصوبے کا نفاذ شروع ہوجاتا ہے۔ معاشرہ کی فعال طاقتیں خود بخود ایسے اسلامی قوانین کا اجراء شروع کردیتی ہیں، جن کا تعلق معاشرتی زندگی کی حقیقی ضروریات سے ہوتا ہے۔ نظریاتی اساس کی پختگی کے بعد جو تفصیلی قوانین وضع ہوتے ہیں وہ اسلامی نظام کے نظریاتی اصولوں کی روشنی میں ہوتے ہیں، غرض اسلامی نظام کے نفاذ اور قیام کا یہی صحیح اور متوازن طریق کار ہے، اس کے علاوہ کسی دوسرے طریق کار کے ذریعہ ان زریں، عملی اور واقعیت پسندانہ اصولوں کا نفاذ ممکن نہیں ہے۔

تحریک اسلامی کے بعض مخلص لیکن جلد باز کارکنوں کا خیال یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے نظام اسلامی کے بنیادی تصورات ہی نہیں بلکہ تفصیلی تشریعات تک کو پیش کردینا نہایت ضروری ہے۔ اس سے ایک طرف تو لوگ دین اسلام میں دلچسپی لیں گے اور دوسری جانب یہ فائدہ بھی ہوگا کہ دعوتِ دین کا کام بہت آسان ہوجائے گا۔ اس طرز پر سوچنے والے لوگوں نے دراصل اس دین کی حقیقت اور مزاج پر غور نہیں کیا اور نہ ہی رب العلمین کے مضبوط "منہاج کار" کو سامنے رکھا ہے، جو اس ذات علیم وحکیم کی حکمت خاص پر مبنی ہے، ظاہر ہے کہ وہی انسانی طبائع اور زندگی کی حقیقی ضروریات

Marfat.com

کو صحیح معنوں میں جاننا ہے۔

یہ خیال دراصل جلد بازی سے پیدا ہوتا ہے اور اس کی مثال اس طرح ہے جیسا کہ کوئی یہ کہے کہ سہولت کار کی خاطر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعوت کو ایک قومی نصب العین کے عنوان سے یا کسی اجتماعی نصب العین کے رنگ میں یا کسی اخلاقی اصلاح کے نام سے شروع کرتے۔ اس صورت میں آپ کو وہ مشکلات پیش نہ آتیں جو آئیں۔ لیکن یہ اندازِ فکر درست نہیں ہے۔ سب سے پہلے ہمیں چاہیئے کہ ہم اللہ کی طرف یکسو ہو جائیں، اس کی مکمل اطاعت کا اعلان کر دیں، اس کی شریعت کو غیر مشروط طور پر تسلیم کر لیں اور اس کے علاوہ تمام دوسرے شرائع کا انکار کر دیں، یہ وہ کام ہے جو سب سے پہلے ہونا ضروری ہے اور اسے نظام اسلامی کی تفصیلات پیش کرنے سے پہلے سرانجام پا جانا چاہیئے، اور اس کے بعد اسلامی نظام کی تفصیلات پیش کی جائیں جو انسانوں کے لئے افادیت رکھتی ہیں اور مرغوب ہیں، تاکہ شریعت کی جانب میلان اور رغبت کی اساس خالص اطاعت الٰہی ہو۔ اور شریعت پر عمل کرنے والوں کے پیش نظر یہ ہو کہ وہ غیر اللہ کی غلامی سے آزاد ہو کر صرف اللہ کی غلامی چاہتے ہیں، ان کے پیش نظر صرف یہ جذبہ نہ ہونا چاہیئے کہ اسلامی نظام حیات کو وہ اسلیئے قبول کر رہے ہیں کہ وہ اپنی تفصیلات کے لحاظ سے دوسرے نظاموں سے بہتر ہے۔ اس میں شک نہیں کہ نظام اسلامی اپنی جگہ ایک بہترین اور افضل ترین نظام ہے کیونکہ وہ اللہ کے تجویز کردہ قانون کی شکل میں آیا ہے اور ظاہر ہے کہ کوئی انسانی قانون کبھی الٰہی قانون کا ہمسر نہیں ہو سکتا لیکن یہ چیز اصول دعوت میں سے نہیں ہے۔ دعوتِ دین کا اصل الاصول یہ ہے کہ اللہ کی تشریع کو قبول کیا جائے خواہ وہ جیسی معلوم ہو اور غیر اللہ کی شریعت کو رد کیا جائے خواہ وہ خوشنما کیوں نہ ہو ــــــ یہی ہے حقیقت اسلام۔ اس کے سوا اسلام کا کوئی اور مفہوم نہیں ہے۔ جو شخص ابتدائی طور پر اسلام کی طرف مائل ہو گیا اس نے گویا معاملے کا فیصلہ کر دیا۔ اب اُسے اس نظام کی خوبصورتی اور افضلیت سمجھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت جسے ایمان کی بدیہات میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

نظریاتی اصلاح کا انداز اس موقع ہمارے سامنے قدرتی طور پر یہ سوال اُٹھتا ہے۔ کہ قرآن مجید نے پورے تیرہ سالہ مکی دور میں عقائد کے مسئلہ کو کس طرح حل کیا؟ دراصل قرآن مجید نے عقائد کو نہ تو محض نظریہ کے طور پر پیش کیا ہے اور نہ ہی مسائل "لاھوت" کی شکل میں بیان کیا ہے۔ نیز اس نے علم کلام کی متداول اصطلاحات کا وہ انداز بھی اختیار نہ کیا، جو "علم التوحید" کے عنوان سے کلامی کتابوں میں موجود ہیں۔

لے مصنف یہاں تسلیم و رضا کے اعلیٰ مدارج بیان کر رہا ہے۔ جس کے بعد کسی کو شریعت محمدیہ کی فضیلت بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن ظروف واحوال کی تبدیلی سے دعوت دین کے طریق کار میں تبدیلی ضروری ہوتی ہے۔

ایک وہ وقت تھا کہ پوری انسانیت نظام اسلامی اور اسلامی تہذیب کو افضل ترین تہذیب کی حیثیت سے مانتی تھی۔ مسلمان دنیا میں مہذب ترین مخلوق تھے۔ لیکن اس وقت صورت حال یہ ہے کہ نہ صرف غیر مسلم بلکہ اکثر مسلمان بھی اسلام کی افضلیت کے قائل نہیں بلکہ وہ اُسے قابل عمل ہی نہیں سمجھتے۔ اس لئے ان حالات میں ہمیں نہ صرف یہ کہ اسلام کی افضلیت کو اُجاگر کرنا ہے بلکہ دنیا پر یہ ثابت کرنا ہے کہ اسلام قابل عمل بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمت اللہ علیہ نے اس میدان میں گراں قدر تصنیف پیش کی آپ سے پہلے امام غزالی نے بھی اس موضوع پر قلم اٹھایا خود قرآن اور حدیث سے یہ ثابت ہے کہ خدا و رسول نے اسلام کی افضلیت اور افادیت کو بطور ترغیب پیش فرمایا ایک موقع پر حضور نے قریش کے رؤسا کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں تمہیں ایسے کلمے کی طرف دعوت دیتا ہوں کہ اگر تم اُسے تسلیم کر لو تو عرب و عجم تمہارے زیرنگیں ہو جائیں۔

(مترجم)

بلکہ قرآن مجید نے براہ راست فطرت انسانی سے خطاب کیا، جو اس کے وجود کے اندر ودیعت تھی۔ نیز اس نے استدلال کا سادہ طریقہ اختیار کرتے ہوئے انہی فطری دلائل و شواہد سے استدلال کیا۔ جنہیں ہر انسان اپنے اردگرد پھیلی ہوئی کائنات میں دیکھ رہا تھا۔ اسلام کا انسانیت پر یہ عظیم احسان ہے کہ اس نے فطرۃ انسانی کو جاہلیت کی دبیز تہوں کے نیچے سے نکالا اور اس کے دل دماغ کو اوہام و اساطیر کے زنگ سے صاف کیا، جس نے اُسے سوچنے سمجھنے اور قبولیت حق کی استعداد سے محروم کر دیا تھا۔ قرآن نے ان کے دل دماغ کے دروازے قبولیت حق کے لئے کھول دیئے اور انسان اس قابل ہو گئے کہ صالح افکار و خیالات کو اخذ کر سکیں۔

یہ کام قرآن کریم نے عمومی انداز میں کیا، لیکن اس کے لئے قرآن کریم کے حاملین کو ایک زبردست نظریاتی جنگ بھی لڑنا پڑی، کیونکہ لوگوں کی فطرت سلیمہ تعطل کا شکار تھی اور غیر صالح افکار کے تہہ بتہہ پردوں میں مستور تھی، اُسے اس حالت سے نکالنے کے لئے، اسلام کو زبردست جدوجہد کرنی پڑی، جب ہم قرن اول کے اسلامی نظریاتی انقلاب اور زمانہ حال کے نظریات کا مقابلہ کرتے ہیں تو ان میں زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے، اسلام محض نظریہ ہی نہ تھا بلکہ ایک تحریک بھی تھی اور اس تحریک کو، اپنے راستے سے رکاوٹوں، بندشوں اور حوائج و مشکلات کو دور کرنے کے لئے، خونریز معرکوں سے دوچار ہونا پڑا، یہ نظریاتی انقلاب محض ذہنی اور جدلی معرکہ نہ تھا جس کی بنیاد منطق پر ہو اور جس کے نتیجے میں کوئی علم الکلام مدون ہو جائے (اگرچہ یہ چیزیں بھی اپنی جگہ ایک اہمیت رکھتی ہیں) بلکہ اس نظریاتی اقدام کا مقابلہ ایک زندہ معاشرے سے تھا، جو اپنے طور پر ہر قسم کے ہتھیاروں سے مسلح تھا چنانچہ قرآن نے اس صورت حال سے نمٹنے اور اس معاشرے کو توڑنے کے لئے پوری انسانیت سے اپیل کی۔ اسلام کے نظریات کے لئے لاھوتی (Divinity) شکل بھی مناسب نہ تھی۔ کیونکہ اسلامی نظریہ حیات اگرچہ درحقیقت ایک عقیدہ ہی ہے لیکن عقیدے کے ساتھ ساتھ وہ ایک مکمل نظام حیات بھی پیش کرتا ہے اور اُسے عملاً نافذ کرنے کا بھی مطالبہ

Marfat.com

کرتا ہے، اس لئے وہ اپنے آپ کو لاہوتی ابحاث کی طرح ایک محدود دائرے کے اندر محدود نہیں کرتا۔

اندرونی اور بیرونی کشمکش

قرآن نے جماعت مسلمہ کے دل دماغ میں پاک اور صالح عقائد و نظریات بٹھانے کے ساتھ ساتھ یہ کام بھی کیا کہ اس جماعت کو لے کر، اپنے ارد گرد پھیلی ہوئی جاہلیت کے ساتھ چومکھی لڑائی کا اعلان کر دیا، اور یہ جنگ اس قدر ہمہ گیر و ہمہ پہلو ہو گئی کہ اس بیرونی جنگ کے ساتھ ساتھ جماعت مسلمہ کو اپنے ضمیر، اپنے اخلاق اور اپنے معاشرے کے اندر جمے ہوئے جاہلی اثرات کے خلاف بھی لڑنا پڑتا تھا۔ یہ تھے وہ خاص حالات جن کی وجہ سے اسلامی نظریہ حیات کی نشوونما، ایک خالص نظریہ (Theory) کی شکل میں یا لاہوت (Divinity) کی شکل میں یا علم کلام کے لاحاصل جدلیات کی شکل میں نہیں ہوئی۔ بلکہ یہ نشوونما ایک مجسم اور زندہ اجتماعیت کی شکل میں ہوئی، ایک ایسی تنظیم کی شکل میں ہوئی، جس کا عملی زندگی سے گہرا تعلق تھا، یہ اجتماعیت اور یہ تنظیم، جماعت مسلمہ کی اجتماعی زندگی میں عملاً موجود تھی اور کام کر رہی تھی۔ اس تصور حیات کے مطابق امت مسلمہ کے اعتقادی تصورات اور ان عقائد و تصورات کے مطابق ان کی زندگی کی تعمیر ہوتی رہی اور جاہلیت کے ساتھ عملی ٹکراؤ کی وجہ سے، ایک منظم محارب قوت کی حیثیت سے، اس کی عملی تربیت بھی ہوتی رہی۔ جماعت کی یہ خارجی نشوونما ہی درحقیقت اس کی نظریاتی تعمیر و ترقی کا آئینہ دار تھی اور یہ عملی جدوجہد جماعت کے عقائد کی زندہ ترجمانی تھی۔

تحریک اسلامی کے ہر داعی کا یہ فرض ہے کہ وہ اس دین کے مزاج اور تحریک اسلامی میں اس کے پروگرام کو انہی خطوط پر سمجھنے کی کوشش کرے جن پر ہم نے سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ تاکہ انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ اس پروگرام کے مطابق تعمیر کا انکار کا یہ طویل ترین مکی دور عملی تعمیر سے خالی نہ تھا۔ بلکہ اس میں مسلسل تحریک اسلامی کی عملی تشکیل و تعمیر بھی ہوتی رہی اور کارکنوں کی ایک ٹھوس جماعت وجود میں آگئی۔

یہ مرحلہ محض علمی اور نظریاتی درس و تدریس کا نہ تھا۔ بلکہ اس مرحلہ میں تحریک اسلامی کی بنیادیں تعمیر ہو رہی تھیں۔ یہ بنیادیں افکار و عقائد اور تحریک جماعت کے عملی وجود پر مشتمل تھیں اور سب کی تعمیر ساتھ ساتھ ہو رہی تھیں...... اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے جہاں اور جب بھی کام شروع کیا جائے اُسے انہی خطوط پر لے جانا چاہیئے[1]۔

---

[1] مصنف نے بڑی خوبی سے اسلام کی تحریکیت کو واضح کیا ہے اگر اُسے غور سے پڑھا جائے اور حضور اکرم کی سیرت طیبہ سامنے ہو تو اس کے بعد وہ تمام اختلاف از خود ختم ہو جائے جو احیائے اسلام کی مختلف تحاریک کے پروگراموں میں موجود ہیں بعض لوگ اس وقت اس کوشش میں ہیں کہ مسلمانوں کے دل میں ایمان بٹھا دیا جائے عملی خرابیاں خود بخود ختم ہو جائیں گی۔ جاہلیت کے ساتھ الجھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے جاہلیت چونکہ حکومت و اقتدار کی شکل میں ہوتی ہے اس لئے وہ کہتے ہیں کہ اسلام کو حکومت و اقتدار سے کوئی واسطہ نہیں ہے اور یہ کہ حضور نے مکی دور میں محض ایمان و عقائد کی تبلیغ کی ہے۔ سید صاحب کا مقصد یہ ہے کہ مکی دور میں عقائد کی تعبیر اس طرز پر ہوئی تھی کہ اصلاح حکومت اور جاہلیت سے عملی ٹکراؤ اس کا لازمی نتیجہ تھا۔ ان عقائد کی ذہن نشینی کا لازمی تقاضا اور پہلا نتیجہ عملی تحریک کی شکل میں ظاہر ہوتا تھا اور جس حد تک ممکن تھا اندرونی اور بیرونی جاہلیت سے تصادم کا سلسلہ اول روز سے جاری تھا۔ اگر ایسا نہ تھا تو بیت ارقم میں خفیہ کام کی ضرورت کیا تھی۔ مخالفین کے ساتھ ٹکراؤ اور نام لے لیکر ان کے بتوں کی مذمت کی ضرورت کیا تھی۔

غیر محرک اور جامد ایمان کی تبلیغ درحقیقت جاہلیت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے سے گریز ہے۔ حضور لوگوں کو صرف یہ تبلیغ نہ کرتے تھے کہ لوگو بتوں کی پوجا چھوڑ دو۔ بلکہ وہ بتوں کی تذلیل بھی کرتے تھے اور جاہلیت کو مٹانے کا اعلان بھی کرتے تھے۔ لہٰذا صرف یہ دعوت اور مطالبہ کافی نہیں ہے کہ اسلامی قانون جاری کیجیئے بلکہ اس کے ساتھ یہ اعلان بھی ضروری ہے کہ ہم غیر اسلامی قوانین کو ختم کر کے دم لیں گے۔ (مترجم)

Marfat.com

تعمیر افکار کا طویل دور اسی طریق کار کے مطابق ہونا چاہیئے، اور یہ تعمیر تدریج، عمیق اور مضبوط بنیادوں پر ہونا چاہیئے نیز یہ تعمیر محض عقائد کی فلسفیانہ تدریس تک ہی محدود نہ ہو بلکہ اس فکری تعمیر کے مرحلے کو ان عقائد کا زندہ ترجمان بھی ہونا چاہیئے اور حالت یہ ہو کہ عقیدہ زندہ شکل میں چلتا پھرتا نظر آئے، اس کا کیف و سرور انسانوں کے دلوں میں جاگزیں ہو اور وہ ایک اجتماعی اور متحرک معاشرہ میں متشکل نظر آئے، جس معاشرہ کی تعمیر و ترقی کی اندرونی طور پر بھی اور بیرونی لحاظ سے بھی اسی عقیدے کی تعمیر و ترقی کی زندہ تعبیر ہو نیز اس کے ساتھ وہ معاشرہ نظریات کے میدان میں بھی اور خارجی زندگی کے عملی میدان میں بھی جاہلیت سے برسرپیکار ہو، وہ ایک زندہ عقیدے کا مظہر ہو، اور معرکۂ حق و باطل کے طوفانوں میں اس کی نشوونما ہو رہی ہو۔

اسلامی نقطۂ نظر سے یہ خیال حد درجہ غلط ہے، کہ عقیدے کو محض نظریہ Theory یا محض علمی درس و تدریس یا محض ادب و ثقافت کے طور پر پڑھا پڑھایا جائے —— یہ طریق فکر نہایت خطرناک ہے۔

قرآن مجید نے عقائد و نظریات کی تعمیر و تطہیر میں تیرہ سال اس طرح نہیں گزار دیئے کہ اس نے کچھ عقائد بیان کر دیئے اور لوگوں کو بیان عقائد کے بعد اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا ہو۔ تاریخ اس کے خلاف شاہد ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ پورے قرآن مجید ہی کو ایک دفعہ نازل فرما کر چھوڑ دیتے اور مسلمان تیرہ سال تک اُسے پڑھتے پڑھاتے رہتے یہاں تک کہ وہ پورے نظریہ اسلامی کے واقف ہو جاتے۔

لیکن، اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ تحریک اسلامی کے لئے ایک خاص اور منفرد طریق کار مطلوب تھا، عقیدہ، تحریک اور جماعت کی تعمیر و تشکیل بیک وقت مطلوب تھی۔ یوں کہ عقیدہ ایک فعال و متحرک جماعت کا اوڑھنا بچھونا بن جائے اور اس کی تعمیر جماعت اور تحریک کی شکل میں ہو، ایک فعال جماعت اور ایک منظم تحریک اس عقیدے کا ظاہری قالب ہو، اور اس ذات علیم و خبیر کو خوب معلوم تھا کہ کسی نفس کی اصلاح اور کسی جماعت کی تشکیل دنوں اور ہفتوں کا کام نہیں

Marfat.com

ہے ۔ تربیت اخلاق اور تنظیم جماعت کے لئے جس قدر وقت درکار ہوتا ہے اتنا ہی وقت تطہیر افکار اور عقائد کی پختگی کے لئے بھی ضرور ہوتا ہے ، اس طریق کے مطابق جب عقائد راسخ اور کردار پختہ ہو گیا تو پوری امت مسلمہ اسلام کا مظہر بن گئی۔

یہ اس دین کی اہم خصوصیت ہے اور یہی اس کا مزاج ہے۔ مکی دور کی روشنی میں ، اس خصوصیت کو سمجھنا نہایت ضروری ہے ، ہمارے لئے سخت مضر ہے کہ ہم زمانہ حاضرہ کے نظریات سے متاثر ہو کر یا اپنی مخصوص خواہشات کی خاطر اس دین کو بدلنے کی کوشش کریں ، اس دین نے اپنی انہی خصوصیات اور اسی مزاج کی وجہ سے تاریخ انسانی میں ، امت مسلمہ جیسی عظیم امت کو جنم دیا تھا اور آئندہ بھی احیاء امت کی کوئی کوشش اگر کامیاب ہو سکتی ہے تو وہ اسی طریق کار کے مطابق ہو سکتی ہے جس کے مطابق پہلی بار اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو برپا کیا تھا۔

اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ مختلف حلقوں کی طرف سے اسلام کی اس زندہ ، متحرک اور واقعیت پسندانہ افکار و نظریات کو ، محض ایک ثقافتی اور تدریسی نظریہ (Theory) بنانے کی جو کوششیں ہو رہی ہیں انہیں سمجھیں اور کامیاب نہ ہونے دیں کیونکہ اسلام دراصل ایک فعال اور زندہ معاشرے میں منعکس ہونا چاہتا ہے اور اس تصور کے مطابق اگر کام کیا گیا تو وہ اپنی اس خصوصیت اور اس مزاج کو کھو دے گا اور ہم اسلامی نظریہ حیات کو لے کر دوسرے نظریات کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔

تحریک احیائے اسلام میں اس بات کو بے حد اہمیت حاصل ہے کہ اسلامی نظریہ حیات کا ظہور انسان کی عملی زندگی میں ہو ، ایک حقیقی تنظیم .... کی شکل میں ، ایک زندہ و فعال معاشرہ کی صورت میں اور ایک ایسی تحریک کے کردار میں جو ہر جانب سے جاہلیت کے ساتھ نبرد آزما ہو ، یہ تحریک مسلسل یہ کوشش کر رہی ہو کہ خود اس کے اندر سے بھی جاہلی افکار و خیالات اور اطوار و عادات ختم ہو جائیں کیونکہ تحریک میں جو لوگ آتے ہیں بہر حال وہ جاہلیت کے صفوف میں سے چھٹ کر آتے ہیں اور اسلامی نظریہ حیات کو اختیار کرنے سے پہلے وہ جاہلی افکار

Marfat.com

کے حامل ہوا کرتے ہیں، جب اسلامی نظریۂ حیات، انہیں جاہلی طبقات میں سے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے تو وہ جاہلی افکار سے چشم زدن میں پاک وصاف نہیں ہو جاتے کیونکہ جاہلیت انسان کے دل دماغ، اس کی ذہنیت، بلکہ اس کی عملی زندگی کے اتنے وسیع حصے پر چھائی ہوئی ہوتی ہے جو محض "نظریہ" کے محدود دائرہ اثر تک محدود نہیں ہوتا بلکہ اس سے باہر بھی ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جاہلیت نظریات اور نظریات کے عناصر ترکیبی پر بھی اثر انداز ہوتی ہے تاہم اس کا دائرہ اثر، نظریۂ محض (Theory) سے کہیں وسیع تر ہوتا ہے۔

کائنات کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر

الوہیت، کائنات کے وجود، زندگی اور انسان کے بارے میں اسلامی نظریہ ایک کامل اور وسیع نظریہ ہے۔ لیکن ایک نظریہ ہونے کے ساتھ وہ واقعیت پسند اور مثبت فکر بھی ہے۔

اسلامی نظریہ حیات، اپنے مزاج کے اعتبار سے اس بات کا ابا کرتا ہے کہ وہ محض ایک تصور یا ذہنی فلسفہ یا تدریسی نظریہ ہو کیونکہ یہ اس کے طبعی مزاج اور اس کی اصل غرض و غایت ہی کے خلاف ہے۔ اس کا مزاج یہ ہے کہ وہ کچھ لوگوں کی زندگیوں میں، ایک زندہ تنظیم کی شکل میں اور ایک ٹھوس تحریک کی شکل میں ظاہر ہو اور اس کا طریق کار یہ ہے کہ وہ کچھ لوگوں کی زندگیوں میں سے پھوٹ کر نکلے، اسے ایک تنظیم ملے اور اس کے پیچھے ایک ٹھوس تحریک ہو اور اس کی تعبیر نظریاتی طور پر —— اور عملی —— پہلو سے بیک وقت مکمل ہو۔ یہاں نظریت اور عملیت میں دوئی اور فرق نہیں ہے بلکہ اسلامی نظریہ حیات ایک چلتا پھرتا —— نظریہ ہوتا ہے اور ایک فعال تحریک ہوتا ہے۔ رہی اسلام کی ایسی نظریاتی تعبیر جس کے پیچھے کوئی تحریک نہ ہو اور اس کے ساتھ ساتھ کسی قسم کی عملی حرکت نہ ہو، تو یہ ایک نہایت ہی خطرناک تعبیر ہے اور ایک غلط رجحان ہے اور یہ اسلامی نظریہ حیات کی فطرت، اس کی غرض و غایت اور ایک فرد کے تزکیہ نفس کے بلند تر مقصد کے سراسر خلاف ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو متفرق طور پر نازل فرمایا۔
اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَىٰ مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا۔
"اور قرآن جسے ہم نے متفرق اور ٹکڑے ٹکڑے بنایا تاکہ آپ اُسے لوگوں تک وقفہ وقفہ کے بعد پہنچائیں اور ہم نے اُسے تبدریج نازل کیا ہے۔" (اسراء: ۱۰۶)
یعنی قرآن کریم کو نجماً نجماً اور وقفوں کے بعد نازل کیا گیا اور مطلوب یہ تھا کہ اسلامی نظریہ حیات کی بنا اور تعمیر ایک زندہ تنظیم کی شکل میں ہو محض "نظریہ" (Theory) کی صورت میں نہیں۔

نیز ہمیں اس بات کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ جس طرح یہ دین اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ رسول نازل کیا گیا اسی طرح اس کا طریق کار بھی اللہ تعالیٰ نے سنت رسول کے ذریعہ متقرر فرما دیا اور یہی مسنون طریق کار ہی اس دین کے مزاج کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے اور اس دین اور اس کے فطری طریق کار کو علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہمارے پیش نظر رہے کہ جس طرح اسلام نظریاتی اصلاح کے ذریعہ انسان کے کردار میں اصلاح اور تبدیلی چاہتا ہے، بعینہٖ اسی طرح وہ اس طریق کار کو بھی بدل دینا چاہتا ہے جس کے مطابق فکری اور نظریاتی اصلاح درکار ہے۔ مثلاً یہ کہ وہ محض فکری تعمیر، فلسفیانہ طور پر نہیں چاہتا بلکہ وہ فکری اصلاح اور راہنمائی کے ساتھ ساتھ ایک تحریک بھی بپا کرنا چاہتا ہے تاکہ ایک ایسی امت (Great Nation) کی تعمیر ہو جس کے طرز فکر میں اعتقادی تصورات اور ایک زندہ و فعال معاشرے کا وجود ساتھ ساتھ موجود ہوں۔ غرض اسلامی نظریہ حیات کی رُو سے اس کے طرز فکر، اور اس فکر کے مطابق اساسی تصورات اور ان تصورات کے مطابق وجود میں آنے والے معاشرے کے درمیان ایسی کوئی حد فاصل نہیں ہے کہ جب ایک پر کام ہو رہا ہو تو دوسرے کو ہاتھ نہ لگایا جائے احیائے دین کے اسلامی طریق کار کے مطابق سب پر بیک وقت کام ہوگا۔

Marfat.com

اس طریق کار کی اہمیت

احیائے دین کے اس طریق کار کو سمجھ لینے کے بعد ہمیں اس بات کو اپنے ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ یہ طریق نہایت اہم اور نہایت بنیادی ہے۔ یہ کسی خاص مرحلے، کسی خاص خاندان اور کسی خاص معاشرے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اور نہ ہی یہ طریق پہلی تحریک اسلامی کے ظروف و احوال کے ساتھ مخصوص تھا، یہ ایسا طریق کار ہے جس کے سوا احیائے دین کا کام کسی جگہ اور کسی زمانے میں بھی نہیں ہو سکتا۔ اسلام کے پیش نظر صرف یہ نہ تھا کہ لوگوں کے کچھ عقائد میں تبدیلی کر کے اور معاشرتی حالات میں کچھ اصلاحات کر کے بیٹھ جائے بلکہ وہ لوگوں کے فکر و نظر میں ہمہ گیر تبدیلی چاہتا تھا اور یہی وہ مہم تھی جس کا بیڑا اس نے اٹھایا اس نے انہیں نظریہ بھی دیا اور واقعیت بھی دی اور اس کے لئے ایک خاص طریق کار بھی دیا اور چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ طریق کار ہے اس لئے وہ اپنے مزاج کے اعتبار ہی سے انسانوں کے وضع کردہ ناقص طریق ہائے کار سے، سراسر، مختلف ہے۔

اسلامی تصور حیات اور اسلامی نظام زندگی کا حصول اس وقت تک ناممکن ہے۔ جب تک ہم اپنے اندر اسلامی طرز فکر (Islamic way of Thinking) پیدا نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اسی طرز فکر پر لوگوں کے افکار و تصورات کی تعمیر کی اور ان کے تمام عقائد درست ہو گئے اور ان کی عملی زندگی کی تشکیل اور تعمیر بھی صحیح خطوط پر ہوئی۔ جدید افکار سے متاثر ہو کر جب ہم اسلامی نظریہ حیات کو محض تعلیمی اور تدریسی نظریہ بنا دیں گے تو وہ اپنا مخصوص مزاج کھو دے گا اور ہم اس ذہنی شکست کا شکار ہوں گے کہ گویا اسلامی طریق کار اور الٰہی نقطۂ نظر انسانی نظریوں اور نظاموں سے فروتر ہے یا یہ کہ وہ ان سے ناقص ہے اور ہم یہ تبدیلی کر کے اس کے نقص کو دور کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ انسانی طریق کار اور معیار کے مطابق ہو جائے ——— یہ ایک عظیم شکست ہوگی اور تباہ کن بھی۔

اسلامی نظام حیات کی خصوصیت یہ ہو کہ وہ تحریک اسلامی کے کارکنوں کو ایک خاص

Marfat.com

طرز فکر عطا کرے، اور انہیں جاہلی طرز فکر کے بندھنوں سے آزاد کرے، جو اس وقت ہر طرف چھائے ہوئے ہیں اور جن سے ہماری تنظیمیں اور ہماری پوری ثقافت متاثر ہے، لیکن اگر ہم اسلامی نظام حیات کو اسی نقطۂ نظر سے دیکھیں، جو کسی دنیاوی جاہلی نظام کے بارے میں رکھا جاتا ہے تو یہ اسلامی نظام حیات کے مزاج کے سراسر خلاف ہوگا اور اس دین کا وہ اصلی مقصد ہی فوت ہو جائے جو مقصد وہ فلاح انسانیت کے سلسلے میں پیش نظر رکھتا ہے اور اس نقطۂ نظر کو اختیار کرنے کے بعد ہمارے لئے یہ بے حد مشکل ہوگا کہ ہم جاہلی نظام حیات سے نجات پاسکیں جب کہ یہ نظام اس وقت ہر طرف سے غلبہ پا رہا ہے۔ اس طرح ہم ایک زریں موقع کھو دیں گے اور ہماری اجتماعی زندگی جاہلی نظریات اور غیر اسلامی افکار کے نیچے دب جائے گی اور اس کے نتائج دور رس اور تباہ کن ہوں گے

نقطۂ نظر کا توازن

تحریک احیائے اسلام میں طرز فکر اور طریق کار، تصور حیات اور نظام حیات کے درمیان اہمیت کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے۔ طرز فکر اور طریق کار کسی وقت بھی مفصل نظام حیات اور تصور حیات سے منفصل نہیں ہو سکتے اور اس تصور حیات اور نظام حیات کو اگر محض تعبیری شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کے نتیجے میں قطعاً کوئی تحریک وجود میں نہ آئے گی اور اسلامی نظریہ حیات محض ذہنی نظریہ بن کر رہ جائے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اگر ہم اسلام کے تصور حیات کو پیش کرنے کے لئے محض تعبیری طریق کار کو اختیار بھی کرلیں تو پھر بھی اس سے وہی لوگ مستفید ہو سکیں گے جو عملاً اس تحریک کو اپنائے ہوئے ہوں اور یہ بھی اس صورت میں کہ جس منزل پر یہ کارکن ہوں اس میں وہ اسلامی نظام حیات کے احکامات پر پوری طرح عمل پیرا ہوں۔ یعنی اس نظریۂ حیات سے استفادہ مقدار عمل کے مطابق اٹھایا جا سکتا ہے مقدار علم کے مطابق نہیں۔ غرض میری ان معروضات کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی تصور حیات فی الفور

ایک تحریک کی شکل میں ظاہر ہونا چاہیئے اور یہ تحریک اس تصورِ حیات کی صحیح تمثیل اور ترجمہ ہو۔ یہی اسلامی نظامِ حیات کے قیام کا فطری طریق کار ہے اور تمام دوسرے طریقوں سے اعلیٰ، ارفع اور ٹھوس بھی ہے۔ انسانی فطرت کے ساتھ زیادہ مطابق ہے اور اس میں زیادہ تحریکیت اور فعالیت پائی جاتی ہے۔ محض جامد شکل میں ایک مستقل اور مکمل نظریہ حیات پیش کردینے سے یہ طریق کار زیادہ مفید ہے کیونکہ اس میں فعال اور متحرک لوگوں کے سامنے لائحۂ عمل پیش ہوتا ہے اور غیر متحرک لوگوں سے واسطہ نہیں پڑتا۔ بلکہ لوگ ذہنی تصورات اور نظریہ حیات کی جیتی جاگتی تصویر ہوتے ہیں۔

تحریک اسلامی اور علمی تحقیقات

اگر میری یہ رائے اصل اسلامی نظریہ حیات کے بارے میں درست ہے تو اُسے اسلامی نظریہ حیات کے اساسی تصورات کے بارے میں بھی درست ہونا چاہیئے۔ نیز اسلامی نظامِ حیات کے مفصل قوانین پیش کرنے کے مسئلے میں بھی یہی طریق کار، یعنی تدوین و نفاذ کا اتحاد، ہی درست ہونا چاہیئے۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ہمارے اردگرد جاہلیت کا گھٹا ٹوپ اندھیرا ہے۔ وہ تحریکِ اسلامی کے کارکنوں پر اثر انداز ہو رہی ہے، جوں جوں وہ احیاءِ دین کے لئے، اسلامی نظامِ حیات کے مقررہ طریق کار کے مطابق قدم آگے بڑھاتے ہیں وہ ان سے بڑے معصوم لہجے میں سوال کرتی ہے کہ جس نظامِ حیات کی طرف تم لوگوں کو بلا رہے ہو اس کی تفصیلات کیا ہیں، اس کے نفاذ کے لئے تم نے کیا کیا علمی تحقیقات کی ہیں، اس کی علمی اور نظری بنیادیں کہاں تک تیار ہو چکی ہیں اور جدید خطوط پر اسلامی فقہ کی تدوین کہاں تک ہو گئی ہے؟ ان معصومانہ سوالات کو سن کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ گویا اسلامی نظامِ حیات کے نفاذ کی راہ میں، اب صرف یہی رکاوٹیں حائل ہیں کہ صرف فقہی احکامات کی تدوین اور بعض فقہی موضوعات پر تحقیق کی ضرورت پوری ہو جائے، رہی جاہلیت تو وہ تو اللہ کی حاکمیت کے سامنے

سر تسلیم خم کئے ہوئے ہے اور تمام لوگ اس کیلئے آمادہ ہو چکے ہیں کہ اسلامی قوانین کو نافذ کیا جائے، مشکل صرف یہ درپیش ہے کہ کوئی ایسا فقیہ، مجتہد اور مقنن نہیں مل رہا جو جدید قانونی خطوط پر اسلامی شریعت کو مدون کر سکے۔ یہ دراصل ایک گہری سازش اور ایک کھلا مزاح ہے جو شریعت اسلامیہ کے ساتھ کیا جا رہا ہے اور ہر حساس دل کو اس کی طرف خاطر خواہ توجہ دینا چاہیئے۔

جاہلیت کے پیروکار ایسے سوالات اٹھا کر، دراصل شریعت اسلامی کے نفاذ سے پہلو تہی کرنا چاہتے ہیں اور ان کا ایک مقصد تو یہ ہے کہ مسلمانوں کو بدستور غیر اسلامی اور انسانی قوانین کے تابع رکھا جائے، دوسرا مقصد یہ ہے کہ تحریک اسلامی کو اقامت دین کے اسلامی طریق کار سے ہٹا دیا جائے اور تعمیر افکار کے اور احیائے تحریک کے ضروری مرحلے کو نظر انداز کر دیا جائے اور اس سے پہلے ہی قانون کی تدوین شروع کر دی جائے حالانکہ اقامت دین کا صحیح طریق کار یہ ہے کہ سب سے پہلے اسلامی نظریہ حیات تحریک اسلامی کے فعال شکل میں ظہور پذیر ہو اور اقامت دین کا جو مرحلہ درپیش ہو، اس کی حقیقی ضرورت کے مطابق ہی تفصیلی قوانین کو سامنے لایا جائے اور تدوین قانون اس وقت ہو جب اس کی ضرورت درپیش ہو۔

تحریک اسلامی کے کارکنوں کا یہ فرض اولین ہے۔ کہ وہ اسی طریق کار کو پیش نظر رکھیں، سازشوں اور فوجی انقلابات کے طریق کار سے باز رہیں اور اس اسلامی طریق کار کے مقابلے میں، اپنی طرف سے کوئی طریق کار املاء نہ کرائیں اور جو لوگ سرے سے خدا اور رسول پر یقین ہی نہیں رکھتے ان کی باتوں پر توجہ نہ دیں۔ یہ لوگ دراصل ہمارے تحریک اسلامی کے کارکنوں کو گمراہ کر کے جلد باز بنانا چاہتے ہیں ان کے مقابلے میں ہمیں بے حد سنجیدہ ہونا چاہیئے۔

اسلام پسند عناصر میں مختلف طریقوں سے جو تنگ دلی پھیلائی جا رہی اس کا مقابلہ بے حد ضروری ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اس سازش کو بھی ناکام بنائیں اور اس پست ذہنیت کو نظر انداز کر دیں جو "فقہ اسلامی کے ارتقاء" کے نام سے ایک ایسے ملک میں پھیلائی

Marfat.com

جا رہی ہے جو سرے سے شریعت کی اطاعت اور نفاذ کا قائل ہی نہیں ہے۔ ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم اس بے فائدہ مزاح کو نظر انداز کرتے ہوئے، صحیح اسلامی طریق کار کے مطابق اپنے حقیقی نصب العین کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ خالی ہوا میں تخم ریزی کا فائدہ کچھ نہ ہوگا، اسلامی تحقیقات اور فقہی ارتقاء کا یہ خوش آئند کھیل دراصل ایک گہری سازش ہے اور ہمارا فرض یہ ہے کہ اس کے مقابلے میں، احیاء دین کے صحیح اور فطری کارہی پر ڈٹ جائیں۔ اس میں اس دین کی قوت کا راز مضمر ہے اور وہی ہمارے کارکنوں کی معنوی قوت کا مصدر رہے[1]۔

---

[1] اس وقت مصر میں بھی پاکستان کے ادارۂ ثقافت اسلامیہ، اور مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی کی طرز پر کئی ادارے اسلام پر تحقیقات کر رہے ہیں۔ یہ تحقیقات ایسی ہی ہیں جیسے کوئی مشتاق فن ریگستانوں میں اثری اکتشافات میں مصروف ہوتا ہے۔ سید قطب کا مقصد یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو اسلام کے احیاء سے کوئی سروکار ہے۔ نہ وہ لوگ جو ان اداروں میں کام کرتے ہیں اسلام تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور نہ ان حکومتوں کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ ان تحقیقات کو نافذ کیا جائے بلکہ محض علمی اور فنی عیاشی کے طور پر یہ کام کیا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسی کوئی تدبیر اسلام کو مطلوب نہیں ہے۔

البتہ یہ بات اپنی جگہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اسلام کے ہر موضوع پر، جدید اٹھائے ہوئے سوالات اور جدید حالات کی روشنی میں تحقیقات کی اشد ضرورت ہے۔ خصوصًا دفاعی تحقیقات، نیز یہ بھی پیش نظر رہے کہ عربوں کے سامنے اسلامی نظام پہلی مرتبہ پیش ہوا اور ساتھ ساتھ بتدریج اس پر عمل بھی ہوتا رہا ہے لہٰذا قدرتی طور پر تعمیر افکار، ان کے طریق کار در تحریک اسلامی اور تشکیل نظام حیات کے کام ساتھ ساتھ ہی ہوتے رہے۔ لیکن اب ہم جس صورت حال سے دوچار ہیں اس کے دو پہلو ہیں ایک طرف عوام الناس ہیں جو اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے آمادہ ہیں

Marfat.com

ے یا کم از کم اس کے مخالف نہیں ہیں کہ اُن پر یہ نظام نافذ کیا جائے اور دوسری طرف ایک محدود اقلیت ہے جو اسلام نظام کے نفاذ کی امکانیت کی قائل نہیں۔ اور یہ اقلیت محض طاقت اور اقتدار کے بل بوتے پر اسلامی نظام حیات کے راستے میں رکاوٹ بنی ہوئی ہے، لہٰذا اس صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے بعینہ وہ طریق کار جس میں تمام لوگوں کو غیر مسلم فرض کر کے اختیار کیا جاتا ہے، نہیں اپنایا جا سکتا۔

ایک دوسرا فرق یہ بھی ہے کہ دور اول میں اسلامی قوانین کی تفصیلات پردہ غیب میں مستور تھیں اور جاہلیت کے حامل صرف انہی قوانین اور احکامات پر اعتراض کر سکتے تھے جو نازل ہو جاتے تھے۔ لیکن اس وقت صورت حال یہ ہے کہ اسلامی نظام حیات مفصل طور پر قرآن و سنت میں موجود ہے اور اسلامی تاریخ مدون ہے اور جاہلیت کو یہ موقع مل رہا ہے کہ وہ اسلامی ثقافت کے بارے میں قسم قسم کے اعتراضات اٹھائے۔ لہٰذا اسلامی نظام حیات کے احیاء کے ابتدائی طریق کار کے ہر مرحلے میں یہ ضروری ہوگا کہ جاہلیت کے اعتراضات کا دفعیہ کیا جائے اور اسلامی قوانین کے مختلف گوشوں کی وضاحت کی جائے۔

نیز اس وقت ساری دنیا کو زندگی کے اساس مسائل کا سامنا ہے اور مختلف نظام ہائے حیات کی باہمی آویزش میں صرف وہی نظام حیات کامیاب ہو سکتا ہے جو عالمی مسائل کا بہترین حل پیش کرتا ہو لہٰذا یہ ضروری ہے کہ تحریک اسلامی اس میدان میں بھی اسلامی نظام حیات کی برتری کو ذہن نشین کرائے۔ اس طرح صحیح خطوط پر اسلامی تحقیقات کا کام بھی اشد ضروری ہو جاتا ہے ان حقائق کے پیش نظر سید قطب کا یہ فرمان کہ اسلامی قانون کی تفصیلات کو بالکل نہ چھیڑا جائے خالی از مبالغہ نہیں ہے۔

کے درمیان کوئی فرق اور جدائی نہیں ہے، اس طریق کار کے سوا کوئی دوسرا طریق کار اسلامی نظام حیات کو جنم نہیں دے سکتا، اس کے نتیجے میں کوئی انسانی اور جاہلی نظام حیات ہی جنم لے سکتا ہے۔ اور اسلامی نظام حیات کا احیاء اس کے مطابق ہرگز نہیں ہو سکتا غرض اس پوری بحث کا نچوڑ یہ ہے کہ احیائے دین کی ہر تحریک اور ہر کوشش میں، احیائے دین کے اسلامی طریق کار کا التزام اس قدر ضروری ہے جس طرح اسلامی نظریۂ حیات اور خود اسلامی نظام حیات کا التزام ضروری ہے۔

Marfat.com

اسلامی معاشرہ
کا
ارتقاء اور اسکی اہم خصوصیات

جاہلیت جس کی بنیاد انسانی حاکمیت پر رکھی گئی ہے، جو جمہور یہ یا ڈکٹیٹر کو یہ حق دیتی ہے کہ وہ لوگوں کے لئے قانون بنائے ـــــ ظاہر ہے کہ جاہلیت کی یہ شکل ایک طرف کائنات کی فطرت سے باہر نکلی جا رہی ہے دوسری طرف انسانی زندگی کے اختیاری اور غیر اختیاری دائروں میں تصادم برپا کر دیتی ہے۔

Marfat.com

اسلامی مُعاشرہ کا ارتقاء

اور اس کی اہم خصوصیات

دعوتِ اسلامی جسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر اٹھے تھے دراصل اس عالمگیر دعوتِ اسلامی کے طویل سلسلے کی آخری کڑی ہے جسے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمدؐ تک تمام انبیاء کرام پیش کرتے رہے۔ انسانیت کی اس طویل تاریخ میں دعوتِ اسلامی کا مطمع نظر اور نصب العین ایک ہی رہا ہے، یعنی لوگوں کو شرک و بت پرستی سے ہٹا کر صرف ایک رب ذوالجلال کی ذات سے متعارف کرانا اسی کا بندہ و غلام بنانا اور اس کے سوا تمام الٰہوں اور بندگیوں سے نجات دینا۔ انسانی تاریخ شاہد ہے کہ معدودے چند افراد کو چھوڑ کر اور چند مختصر وقفوں کے سوا، پوری انسانیت نے کبھی بھی الوہیت کا اصل سرچشمے، اللہ کی ذات کا انکار نہیں کیا۔ تمام اقوام و ملل میں یہ عقیدہ کسی نہ کسی شکل میں ضرور پایا جاتا رہا ہے۔ البتہ یہ ضرور ہوا ہے کہ لوگ کبھی تو اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل کرنے میں ٹھوکریں کھاتے رہے ہیں اور یا اس کی الوہیت اور ربوبیت میں کسی نہ کسی کو شریک کرتے رہے ہیں۔ یہ شرک یا تو پرستش اور عقیدے میں ہوا ہے اور یا یہ حاکمیت اور اطاعت کے دائرہ میں ہوا ہے اور اپنی نوعیت اور نتائج کے لحاظ سے دونوں قسم کے شرک ایک ہی جیسے ہیں۔ لوگ اس کا ارتکاب کر کے اللہ کے دین سے نکل جاتے رہے۔

تاریخ کے ہر دور میں رسولوں کے ذریعہ لوگوں تک دین پہنچتا رہا۔ پھر رفتہ رفتہ یوں ہوا کہ لوگ دین حق سے خارج، ہو ہو کر اس جاہلیت کی طرف پلٹتے جس سے دین حق نے انہیں نکالا تھا۔ اگرچہ یہ لوگ مکمل طور پر خدا کا انکار نہ کرتے بلکہ اس کی ذات میں شرک کرتے یا عقائد و نظریات میں اور یا پھر اطاعت و حاکمیت میں یا اُن سب میں۔

یہ ایک مقصد ہی دعوت اسلامی کا نصب العین رہا ہے اور پوری تاریخ انسانی میں تمام انبیاء کرام کی دعوت کا مقصد بھی ایک ہی رہا ہے یعنی اسلام۔ دوسرے لفظوں میں ایک اللہ اور رب کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا، لوگوں کو تمام الٰہوں کی بندگی اور غلامی سے نکال کر صرف اللہ کی بندگی اور اطاعت میں داخل کرنا یعنی لوگوں کو حاکمیت، شریعت، حکومت اور زندگی کی تمام عادات و اطوار میں صرف اللہ وحدہٗ کی اطاعت میں داخل کرنا ہی وہ مقصد تھا جسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر تشریف لائے اور آپ سے قبل تمام انبیاء کا نصب العین بھی یہی رہا ہے۔

اس کا نام ہے اسلام، جو لوگوں کو دوبارہ صرف اللہ کی حاکمیت کے دائرہ میں لانا چاہتا ہے یوں سمجھیئے کہ اس پوری کائنات میں تکوینی طور پر اللہ کی حاکمیت جاری ہے۔ ایک پتہ بھی حکم الٰہی کے بغیر اپنی جگہ سے نہیں ہلتا۔ سورج چاند اس کے حکم سے گردش کر رہے ہیں۔ بعینہٖ اسی طرح تشریعی امور بھی سب کے سب اسی ذاتِ برتر کے حکم کے مطابق چلیں اور لوگ اپنے لئے کوئی نظامِ زندگی کوئی حکومت اور ایسی تدبیر اختیار نہ کریں جو اللہ کے تجویز کردہ نظام حیات، طرز حکومت اور تدبیر سے مختلف ہو یا ان کے متضاد ہو۔ کیونکہ اللہ ہی اس پوری کائنات پر متصرف ہے بلکہ وہ خود انسانی زندگی کے طبعی حصے پر بھی متصرف ہے۔ جو انسان کے دائرہ اختیار اور ارادے سے باہر ہے۔ مثلاً پیدائش نشو و نما صحت و مرض حیات و ممات اور دوسرے وہ امور جو براہ راست اللہ کے تجویز کردہ طبعی قوانین کے تابع ہیں اور انسان اپنی طبیعی اور اجتماعی زندگی میں ان فطری اصولوں کا طوعاً و کرھاً پابند ہے۔

Marfat.com

اور کسی صورت میں بھی ان فطری اور طبیعی قوانین کو نہیں بدل سکتا اور نہ آج تک کوئی طاقت ان قوانین کو بدل سکی ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ بعینہٖ اسی طرح زندگی کے اختیاری حصے میں بھی انسان الٰہی قوانین کا پابند ہو اور اپنی پوری زندگی میں صرف اللہ تعالیٰ کو اپنا حاکم اور مطاع بنا لے اور اس کی زندگی کا یہ اختیاری حصہ بھی زندگی کے تکوینی حصے اور کائنات سے ہم آہنگ ہو جائے اور اس طرح ان تینوں میں ہم آہنگی پائی جائے ؎

جاہلیت جس کی بنیاد انسانی حاکمیت پر رکھی گئی ہے ـــــ جو جمہوریہ یا ڈکٹیٹر کو یہ حق دیتی ہے کہ وہ لوگوں کے لئے قانون بنائے ـــــ ظاہر ہے کہ جاہلیت کی یہ شکل ایک طرف کائنات کی فطرت سے باہر نکلی جا رہی ہے، اور دوسری طرف انسانی زندگی کے اختیاری اور غیر اختیاری دائروں میں تصادم برپا کر دیتی ہے۔

اس جاہلیت کا ہر ایک پیغمبر نے مقابلہ کیا ہے اور انسانی تاریخ کے ہر دور میں لوگوں کو صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی اطاعت کی دعوت دی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس جاہلیت کا مقابلہ کیا ہے۔

جاہلیت کی یہ شکل صرف نظریہ کی شکل میں موجود نہیں تھی بلکہ بسا اوقات اس کے لئے کوئی مرتب دستوری ہیئت بھی نہیں رہی ہے۔

یہ جاہلیت "اجتماعی تحریک" کی شکل میں موجود رہی ہے۔ ایک منظم سوسائٹی میں اس کا مظاہرہ ہوتا رہا ہے۔ یہ اجتماعی تحریک اس سوسائٹی کی فراہم کردہ قیادت کے تابع فرمان رہی ہے۔ یہ تحریک جاہلی سوسائٹی کے افکار، اقدار، مطلوبات، حیات، رسوم اور عادات پوری طرح اپنا لیتی ہے، پھر یہ جاہلی سوسائٹی شیرازہ بند سوسائٹی رہی ہے۔ اس کے افراد میں عملی اشتراک، مل کر پروگرام کی تکمیل کرنا،

؎ مزید تشریح کے لئے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی کتاب مبادئ اسلام غالباً رسالہ دینیات مراد ہے

نظم، باہمی تقرب کا احساس اور آپس کا ایسا تعاون رہا ہے، جو کسی پارٹی کے ارکان میں ہوا کرتا ہے۔

افراد کی یہ شیرازہ بندی اس جاہلی سوسائٹی کو شعوری یا غیر شعوری طور پر متحرک رکھتی رہی ہے تاکہ سوسائٹی اپنا تحفظ کر سکے اور اپنی ذات کے دفاع کا انتظام کر سکے اور اپنے وجود کے خلاف خطرات کی ان تمام بنیادوں کو ملیا میٹ کر سکے جو اسے کسی بھی صورت میں چیلنج کر رہی ہیں۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ جاہلیت محض ایک عقیدے اور نظریہ کی شکل میں ظاہر نہیں ہوتی بلکہ وہ ایک معاشرے اور اجتماعی تحریک کی شکل میں آتی ہے، تو اس سے یہ بات از خود واضح ہو جاتی ہے کہ اس جاہلیت سے لوگوں کو دوبارہ اسلامی نظام حیات اور اللہ کی بندگی میں داخل کرنے کا کام محض نظریہ کی شکل میں ہرگز نہ ہو سکے گا، اور نہ اس صورت میں کسی درجے میں یہ مفید ہو سکتا ہے کیونکہ اس شکل میں دعوت اسلامی کا نظریہ محض جاہلیت کے قائم شدہ نظام حیات کی برابری بھی نہ کر سکے گا۔ جس کے پیچھے ایک فعال معاشرہ ہوگا چہ جائیکہ اسلامی نظریۂ حیات جاہلیت پر غالب آجائے اور اپنے آپ کو اس سے برتر ثابت کرے کیونکہ ایک قائم اور پرشوکت وجود کو گرانے اور اس کی جگہ ایک نئے وجود کو کھڑا کرنے کے لئے یہ بے حد ضروری ہے کہ دوسرا وجود غالب ہو اور یہ نیا نظام حیات اپنے مزاج اپنے طریق کار اپنی ہستی اور اس کی جزئیات تک میں اس جاہلیت قائمہ سے بنیادی اختلاف رکھتا ہو نیز یہ قائم ہونے والا نظام حیات ایک جاندار متحرک اور پرشوکت معاشرے کی شکل میں قائم ہو اور اس کے اساسی نظریات اور تفصیلی نظم کی بنیاد نہایت ہی ٹھوس اصولوں پر ہو اور اس کے ساتھ ساتھ یہ نظام اپنے روابط تعلقات اور ربط و ضبط اور تنظیم میں بھی اس جاہلی نظام حیات سے زیادہ مضبوط ہو۔

یہاں آکر یہ سوال سامنے آجاتا ہے کہ وہ فکری اور نظریاتی اساس کیا ہے۔

جس پر تمام ادوار میں اسلامی نظام حیات کی عمارت تعمیر ہوتی رہی ہے ؟ یہ ہے لاالہٰ الا اللہ یعنی اس بات کی گواہی کہ اللہ تعالیٰ اپنی الوہیت، قیومیت، بادشاہی اور حاکمیت میں وحدہٗ لاشریک ہے انسان اپنے عقیدے اور ضمیر میں اُسے ایک سمجھے۔

صرف اسی کی عبادت بجا لائے اور عملی زندگی میں صرف اسی کے قانون کی اطاعت کرے۔ یہ شہادت جب تک اس مفہوم میں نہ ہو شرعًا وہ غیر موجود تصور ہوگی۔ اس کا شرعی وجود اس بات پر موقوف ہے کہ اس کا عملی میدان میں بھی ایک خارجی وجود ہو جس کی بنا پر فیصلہ کیا جا سکتا ہو کہ شہادت دینے والا مسلم ہے یا غیر مسلم ہے۔

اور اس نظریہ کے وجود میں آنے کے معنی یہ ہیں کہ لوگ اپنی پوری زندگی میں اللہ کی جانب لوٹ جائیں زندگی کے ہر معاملے اور ہر شعبے میں صرف خدا کے فیصلے کو تسلیم کریں اور از خود فیصلہ نہ کریں بلکہ ہر معاملہ میں خدا کے حکم کی طرف رجوع کریں، اس کی اطاعت کریں اور یہ ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو معلوم کرنے کے لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کریں۔ آپ ہی نے اللہ تعالیٰ کا حکم ہم تک پہنچایا اور آپ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ہیں۔ اسلام کے رکن اوّل کے دو اجزاء میں سے یہ دوسرا جزو ہے۔ جو اس اقرار سے وجود پذیر ہو جاتا ہے۔ یہ اسلام کا وہ بنیادی نظام عقیدہ ہے جس سے اسلامی نظام حیات تشکیل پاتا ہے۔ اس بنیادی عقیدہ کو جب پوری زندگی پر منطبق کیا جاتا ہے تو اس سے ایک مفصل نظام حیات جنم لیتا ہے۔ جسے اپنا کر ایک مسلمان آدمی زندگی کے انفرادی اور اجتماعی مسائل کو حل کر لیتا ہے۔ ملک کے داخلی مسائل بھی اس سے حل ہو جاتے ہیں اور خارجی مسائل بھی اسے معلوم ہو جاتے ہیں کہ اسے مسلم سوسائٹی سے کس قسم کا تعلق رکھنا ہے اور غیر مسلم سوسائٹیوں سے اس کے روابط کی نوعیت کیا ہونی چاہیئے۔

جیسا کہ ہم اوپر کہہ آئے ہیں اسلامی نظام حیات کو یہ مطلوب نہ تھا کہ وہ اپنے آپ کو نظریہ محض کی شکل میں پیش کرے اور صورت یہ ہو کہ لوگوں میں سے جس کی

Marfat.com

مرضی ہو اس کو قبول کرے چند مراسم عبادت بجا لانے اور اس کے بعد اپنے ارد گرد پھیلے ہوئے جاہلی اور غالب معاشرے میں ضم ہو کر جاہلیت کے زیر سایہ زندگی بسر کرے۔ اس لئے کہ ایسے حالات میں مسلمان اگر ایک عظیم تعداد میں بھی ہوں تو بھی وہ اسلامی نظام حیات کو بالفعل اور عملاً قائم نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ایسے افراد جو اسلامی نظام حیات پر ایمان بھی لا چکے ہوں اور اس کے بعد ایک جاہلی معاشرے کا جز بھی بن رہے ہیں وہ شعوری طور پر یا لاشعوری طور پر طوعاً یا کرہاً اپنے آپ کو اس جاہلی معاشرے کے مقاصد بروئے کار لانے میں مجبور پائیں گے اور ان کی زندگی کی ہر تگ و دو دراصل اس جاہلی معاشرے کے اساسی تقاضے پورے کر رہی ہوگی، جو اس کے وجود کے لئے ضروری ہوں۔ بلکہ اس سے بڑھ کر ایسے لوگ اس جاہلی معاشرے کے وجود کے لئے خطرناک ہوں گے۔ کیونکہ ایک اجتماع نظام اپنے تمام اجزا کو ہمیشہ اپنے دفاع میں لگائے رکھتا ہے۔ خواہ وہ چاہیں یا نہ چاہیں دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ ایسے افراد اسلامی نظریہ حیات پر ایمان رکھنے اور جاہلی نظام حیات کا دشمن ہونے کے باوجود اس جاہلی معاشرے کی تعمیر اور خدمت میں مصروف ہوں گے اور ہر وقت اسے تقویت پہنچاتے رہیں گے۔ چلتی پھرتی زندہ لاشوں کی طرح یہ جاہلی معاشرے کی بقا اور دوام کے لئے اپنے وسائل صرف کریں گے۔ ان کی قابلیتیں ان کے تجربات اور ان کی حیثی اس جاہلی معاشرے کے زندہ اور مضبوط بنانے صرف ہوگی حالانکہ ان کی ساری تگ و دو اسی امر کے لئے ہونی چاہیئے تھی کہ جاہلی معاشرہ کو توڑ کر اسلامی سوسائٹی کو برپا کیا جائے۔

اس لئے یہ نہایت ہی ضروری ہے کہ اسلام کا بنیادی عقیدہ پہلے ہی مرحلہ میں ایک ایسی اجتماعی تحریک کی شکل میں نمودار ہونا چاہیئے جو اس جاہلی تحریک سے الگ اور مستقل بالذات ہو۔ جسے اسلام مٹانے کے لئے آیا ہے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اس اجتماعی تحریک کا محور ایسی قیادت ہو جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین کے

Marfat.com

رنگ میں رنگی ہوئی ہو، جس کا نصب العین یہ ہو کہ وہ لوگوں کو اللہ وحدہٗ لاشریک کی الوہیت، ربوبیت، قوامیت حاکمیت اور اسکے غلبہ و اقتدار اور شریعت کی طرف دعوت دے۔

اور جو شخص بھی پورے شعور کے ساتھ کلمہ شہادت ادا کر کے اس تحریک میں شامل ہو وہ اس جاہلی سوسائٹی سے ربط و تعلق کو کاٹ کر الگ ہو جائے ـــــــ یہ وہی جاہلی سوسائٹی ہے جس سے کٹ کر وہ یہاں آیا ہے ـــــــ اسی طرح اسے جاہلی سوسائٹی کی قیادت سے بھی الگ ہونا پڑے گا ـــــــ یہ جاہلی قیادت مذہبی شکل میں بھی ہوتی ہے، یہ کاہن ہیں، پجاری اور مجاور ہیں۔ جادوگر اور قیافہ شناس ہیں اور یہ جاہلی قیادت سیاسی، قبائلی اور معاشی رنگ میں بھی ہوتی ہے۔ اسلام کے عہد اول میں دونوں طرح کی یہ قیادت قریش کی جاہلی سوسائٹی میں موجود تھی، ـــــــ اسے اس جاہلی قیادت سے الگ ہونا پڑے گا اور اسے اپنی وفاداری اسلامی تحریک اور اس کے قائدین تک محدود رکھنی پڑے گی۔

بنیادی عقیدہ اجتماعی تحریک کی شکل میں پہلے ہی مرحلہ میں نمودار ہو جانا چاہیئے۔ جب کہ ایک مسلمان آدمی شعور کے ساتھ از سر نو اپنے ایمان کو تازہ کرتے ہوئے "شہادتین" ادا کرے کیونکہ مسلم سوسائٹی کا وجود خارجی اس کے بغیر متحقق ہی نہیں ہو سکتا، اس بنیادی عقیدہ کا محض دلوں میں راسخ ہو جانے ہی سے مسلم سوسائٹی وجود میں نہیں آجاتی۔ چاہے اس کے افراد کی تعداد کتنی زیادہ ہی کیوں نہ ہو جب تک کہ یہ افراد اجتماعی تحریک کی شکل میں منظم ہو کر باہمی تعاون کے ساتھ کام نہ کریں۔ یہ اجتماعی تحریک اپنے ذاتی وجود کے ساتھ مستقل طور پر قائم نہ ہو۔ اس کے ممبر تحریک کے ارکان کی حیثیت سے اپنا اجتماعی فریضہ انجام نہ دیں، جس طرح کہ ایک زندہ جسم کے اعضاء اپنا تکوینی وظیفۂ عمل ادا کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہ ارکان مسلم سوسائٹی اپنے وجود کو برقرار رکھنے اس کی جڑوں کو اور گہرا کرنے اور اسے مزید وسعت دینے کا کام کریں۔ نیز انہیں ان عوامل کے مقابلہ میں اپنا دفاع بھی کرنا ہو گا۔ جو اس سوسائٹی

Marfat.com

کو ملیا میٹ کرنے کے درپے ہیں اور یہ سارا کارنامہ انہیں جاہلی قیادت کے مقابلہ میں اپنی مستقل قیادت کی رہنمائی میں انجام دینا ہوگا جو انہیں منظم اور متحرک رکھے گی اور انہیں اپنے وجود کو برقرار رکھنے تحریک کی جڑوں کو اور گہرا کرنے اسے اور وسیع کرنے کی طرف متوجہ کرے گی اور اس طرح انہیں جاہلی تحریکات کے مقابلہ میں..... کھڑا کرے گی۔

اسلام اسی طرح وجود میں آیا کہ لوگوں کے سامنے پہلے ایک مجمل مگر جامع اصول اور نظریہ حیات رکھا گیا اور پھر ایک تحریک اٹھی اور ایک نئے معاشرے کی بنیاد پڑ گئی اور یہ نیا معاشرہ نہ صرف یہ کہ اس جاہلی معاشرے سے مختلف تھا بلکہ اس کے وجود کے لئے چیلنج بن گیا اور اس کے بالمقابل آ کھڑا ہوا۔ کسی دور میں بھی اسلام ایک مجرد نظریہ کی شکل میں نہیں آیا۔ وہ ہمیشہ ایک فعال تحریک کی شکل میں آیا اور آئندہ بھی اس کا احیاء ہو سکتا ہے تو وہ صرف اس صورت ہی میں ہو سکتا ہے کہ اس کی پشت پر ایک فعال تحریک ہو اور یہ ہرگز ممکن نہیں ہے کہ ایک غالب جاہلی معاشرہ کے زیر سایہ اسلامی معاشرہ کا از سر نو احیاء ہو سکے۔ محض نظریاتی بنیاد پر اسلام کا احیاء کسی وقت اور کسی جگہ بھی ممکن نہیں جب تک کہ اس کی پشت پر عملاً تحریک موجود نہ ہو ——

اسلامی معاشرہ کا مقصد

اسلام، امت مسلمہ کو، بنیادی عقیدہ دے کر اپنے مخصوص طریق کار کے تحت، اجتماعی تحریک کے ذریعہ اسے خارجی وجود بخش کر اور اس اجتماعی تحریک کے لئے بنیادی عقیدہ کو اساس بنا کر اس لئے برپا کرتا ہے کہ اس کے ذریعہ وہ انسان کی انسانیت کو نمودار کر دے۔ اسلام اپنے مخصوص طریق کار کے تحت اپنے بنیادی نظریات اپنی تعلیمات اور اپنے شرائع اور احکام میں انسانیت کی اسی نشوونما کو اصل ہدف بنائے ہوئے ہیں۔

چونکہ انسان تمام حیوانات بلکہ جمادات کے ساتھ بھی وجود میں اشتراک رکھتا

Marfat.com

ہے۔اس لئے سائنٹیفک جہالت کے علم بردار کبھی کہتے ہیں کہ انسان ایک حیوان ہی تو ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ اس کا وجود محض ایک مادی وجود ہے لیکن یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ حیوانات اور مادہ کے ساتھ وجود میں اشتراک کے باوجود انسان ایسی خصوصیات کا حامل ہے جو اسے عام مادیات اور حیوانات سے ممتاز کرتی ہیں اور اسے ایک منفرد وجود بخشتی ہیں۔ اب آکر کہیں اس سائنٹیفک جہالت کے علمبرداروں کو اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑا ہے اور واقعاتی حقائق اور مشاہدوں اور تجربوں نے ان کی گردنِ غرور کو توڑ دیا ہے اور اب وہ بے بس ہو کر اس بات پر مجبور ہو گئے ہیں کہ اخلاص اور تصریح کے بغیر اشاروں اشاروں میں اس حقیقت کا اعتراف کریں۔

جن لوگوں نے اسلامی تاریخ کا مطالعہ غیر جانبداری سے کیا ہے اور پھر پوری تاریخ انسانی پر بھی ان کی نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ اسلامی نظام حیات اور اس کے قیام کے طریق کار کے نتائج کس قدر شاندار رہے ہیں۔ اسلام نے جدید معاشرے کی تعمیر، رنگ وطن، قومیت، ملکی مصالح اور علاقائی تعلقات جیسے کمزور رشتوں کے بجائے صرف ایمان و نظریات اور عقائد و تصورات پر کی ہے اور اس نقطۂ نظر سے اس نے انسانی وجود کے حیوانی اور مادی پہلو کو نظر انداز کیا اور انسان کی انسانیت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی۔ اس کا پہلا فائدہ تو یہ ہوا کہ اسلامی سوسائٹی میں داخل ہونے کے دروازے ہر جنس اور ہر طبقہ کے انسانوں کے لئے کھل گئے اور اس طرح محمود و ایاز ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے اور حیوانی بندشوں اور باہمی امتیازات میں سے کوئی بندش اور امتیاز درمیان میں نہ رہا۔ اس طرح اسلامی معاشرے کی کٹھالی میں بشریت کے مختلف اجناس کی خصوصیات اور قابلیتیں انڈھیل دی گئیں اور اس کٹھالی میں ان تمام خصائص نے ایک حسین امتزاج کی شکل اختیار کی اور اس خام مواد سے ایک نیا وجود سامنے آیا۔ یہ سب کام ایک نہایت مختصر عرصہ میں ہوا اور اس سے انسانوں کا ایک عجیب یک رنگ و ہم آہنگ گروہ تیار ہو گیا جس نے ایک تابندہ اور عظیم الشان تہذیب کو جنم دیا۔ وہ تہذیب جو اپنے دور میں انسانیت

Marfat.com

کے استعدادی جوہر کا خلاصہ تھی، حالانکہ اس زمانہ میں آبادیوں کے درمیان بڑے بڑے فاصلے تھے اور مواصلات کا نظام نہ ہونے کے برابر تھا۔

اس اعلیٰ ترین معاشرے میں بیک وقت عربی، فارسی، شامی، مصری، مغربی، ترکی، چینی، ہندوستانی، رومی، یونانی، انڈونیشی اور افریقی اور بے شمار دوسری قوموں اور نسلوں کے لوگ شامل ہو کر اس میں ضم ہو گئے تھے۔ اسلامی تہذیب اور اسلامی معاشرہ کی نشوونما میں ان تمام لوگوں کی قابلیتیں اور ذہانتیں مل کر باہمی تعاون اور ہم آہنگی کے ساتھ مصروف عمل ہو گئیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ کسی وقت بھی یہ عظیم الشان تہذیب صرف عربی تہذیب نہیں رہی اور نہ ہی کبھی معروف معنوں میں قومی تہذیب رہی ہے بلکہ یہ ہمیشہ سے فکری تہذیب ہی رہی ہے۔

یہ سب لوگ اس تہذیب میں خالص مساوات کے اصولوں پر جمع ہوئے۔ باہمی مروّت اور شفقت نے انہیں جوڑا، منزل مقصود کے اتحاد کی وجہ سے وہ باہم ملے اور اس مقصد اور نصب العین کے لئے انہوں نے اپنی تمام صلاحیتوں کو صرف کر ڈالا جو مساوات پر مبنی ان سب کا اپنا ہی معاشرہ تھا۔

انہوں نے اپنی تمام صلاحیتوں کو صرف کر ڈالا اور اپنے تمام قومی اور تاریخی خصائص کو ظاہر کیا اور اپنے ذاتی اور موروثی کمالات کو نئے معاشرے کی تعمیر و ترقی میں صرف کر ڈالا جو مساوات پر مبنی ان سب کا اپنا ہی معاشرہ تھا، مساوات و اتحاد کی بنیاد پر ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ان سب کا رب حاکم مالک اور خالق ایک ہی ہے۔ اس عقیدہ کے پس منظر میں بلا روک ٹوک انسانیت ابھر آئی ——— وحدتِ الہیہ کا عقیدہ "وحدتِ انسان" کے لئے بنیاد بنا ——— پوری انسانی تاریخ میں یہ اونچائی کسی اور سوسائٹی کو حاصل نہیں ہوئی کہ وہ انسانی مساوات کی بنیاد پر وحدتِ انسان کا عقیدہ رکھتی ہو۔

اسلامی معاشرے کا دوسرے معاشروں سے تقابل تاریخ میں قدیم انسانی تمدن

Marfat.com

معاشرہ مشہور ترین معاشرہ رہا ہے لیکن اس میں بھی متعدد رنگ بے شمار زبانیں اور کئی قومیتیں نظر آتی ہیں اور ہر ایک کا مزاج اور طرز فکر مختلف ہے۔ اس کے باوجود اس معاشرے کی اساس انسانیت یا بلند تر نظریات پر نہیں رکھی گئی تھی بلکہ یہ ایک قسم کا طبقاتی گٹھ جوڑ تھا۔ جس میں ایک طرف اشراف کا طبقہ تھا اور ایک طرف غلاموں اور کمزوروں کا گروہ تھا۔ دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ رومن امپائر میں فاتح اور مفتوح اقوام علیحدہ علیحدہ نظر آتی ہیں۔ رومن فاتح ہر لحاظ سے بزرگ و برتر ہیں اور مفتوح اقوام غلام اور زیر دست ہیں۔ یہی وہ اسباب تھے جن کی وجہ سے رومی معاشرہ ان بلندیوں تک نہ پہنچ سکا جہاں تک اسلامی معاشرہ پہنچا، اور نہ ہی اس نے انسانی تاریخ میں وہ کارنامے سرانجام دیئے جو صحت مند اسلامی معاشرہ کے شایان شان ہوتے ہیں۔ اس کے بعد بھی کئی معاشرے عالم وجود میں آئے مثلاً انگریزی تہذیب کا قائم کردہ جدید معاشرہ، یہ معاشرہ بھی دراصل رومی معاشرے کا جانشین اور وارث تھا اور عملی میدان میں اگر یہ بھی طبقاتی اور استحصالی معاشرہ ثابت ہوا اور اس کا اصل الاصول یہ رہا کہ انگریز قوم کو قیادت اور برتری کا مقام حاصل رہے۔ اس کا بین ثبوت ان نوآبادیوں کے معاشی اور معاشرتی جائزے سے ملتا ہے جو کسی وقت انگریزوں کے زیر نگیں رہے ہیں اور بعینہ یہی طرز عمل یورپ کی دوسری شہنشاہیتوں اور معاشروں کا رہا ہے۔ انہوں نے بھی اپنی نوآبادیوں کے ساتھ یہی سلوک کیا۔ ہسپانوی پرتگالی اور فرانسیسی معاشروں نے اپنی تمام کالونیوں میں وہاں کے اصل باشندوں کے ساتھ ایک جیسا سلوک کیا اور ان کے طرز عمل نے خود بتا دیا کہ یہ معاشرے کس قدر گھناؤنے مہلک اور گرے ہوئے تھے ——

اس کے بعد ہمارے سامنے اشتراکی معاشرہ نمودار ہوتا ہے اگرچہ اس نے اپنے اساسی اصولوں میں سے رنگ و نسل قوم و جنس اور زبان و وطن کو خارج کر دیا لیکن اس کی اساس بھی خالص انسانی بنیادوں پر نہ اٹھی بلکہ ان کی نئی طبقاتی کشمکش پر اٹھی، یہ معاشرہ بھی رومی طرز کا طبقاتی معاشرہ بن گیا، فرق صرف یہ ہوا کہ رومی معاشرہ اشراف

Marfat.com

(LORDS) کی حمایت پر سامنے آیا اور اشتراکی معاشرہ مساکین (LABOURS) کی حمایت میں نمودار ہوا۔ اس کی ٹکنیک یہ تھی کہ مزدوروں کے دلوں میں تمام دوسرے طبقات کے خلاف نفرت کے بیج بو دیئے جائیں۔ چنانچہ خونی کشمکش کا ایک طویل دور شروع ہو گیا، اور اس میں انسانیت ایسے ایسے مصائب سے دوچار ہوئی جس کی نظیر پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ کیونکہ اس کی بنیاد انسانیت کے بجائے خالص حیوانی زندگی پر تھی۔ اس نے یہ دعویٰ کیا کہ جنسی تعلقات خوراک اور مسکن ہی انسانیت کے بڑے مسائل ہیں اور انہی کے حل میں انسانیت کی فلاح مضمر ہے۔ اسی طرح اشتراکیت نے تاریخ کا جدلی فلسفہ پیش کر کے اسے تاریخ تلاش معاش قرار دے دیا۔

لیکن دنیا پر اسلامی معاشرہ کا یہ احسان عظیم ہے کہ اس نے اپنے نظام حیات میں انسان کی صرف ان خصوصیات کو اجاگر کیا جو خالص انسانی ہیں۔ اس طرح اس نے انسان کو محض ایک مادے اور ایک حیوان کی سطح سے بہت اونچا کر دیا اور پوری تاریخ انسانیت میں اس پہلو سے اسلامی نظام حیات بے مثال ہے۔ اس لئے بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو لوگ اسلامی نظام حیات کو چھوڑ کر دوسرے نظام اختیار کرتے ہیں وہ دراصل انسانیت کے دشمن ہیں اور وہ اعلیٰ انسانی قدروں کی جگہ قوم وطن جنس اور طبقات کی بنیاد پر انسانی زندگی کو منظم کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ان سے زیادہ کمزور اور گھناؤنی ذلیل چیز کوئی اور نہیں ہے۔ یہ لوگ انسانیت کے دشمن ہیں اور فطری اصولوں کے مطابق انسانی معاشرہ کی تعمیر خالص انسانی بنیادوں پر نہیں چاہتے اور نہ ہی یہ انسانی سوسائٹی کو یہ موقعہ دیتے ہیں کہ وہ تمام انسانی تجربوں اور تمام انسانی خصائص و کمالات سے فائدہ اٹھائے اور ایسے لوگوں ہی کے بارے میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

قل ھل ننبّئکم بالأخسرین	اے محمدؐ، ان سے کہو، کیا ہم
اعمالاً ہ الذین ضل سَعیُھم فی	تمہیں بتائیں، کہ اپنے اعمال میں

Marfat.com

الحیاۃ الدنیا وھم یحسبون انھم
یحسنون صنعاط اُولئک الذین
کفروا بآیات ربھم ولقائہ
فحبطت اعمالھم فلا نقیم
لھم یوم القیمۃ وزنا۔ ذالک
جزائھم جھنم بما کفروا و
تخذوا آیاتی ورسلی ھزوا۔

(الکہف ۱۰۳

سب سے زیادہ ناکام نامراد لوگ
کون ہیں؟ وہ کہ دنیا کی زندگی میں جن
کی ساری سعی و جہد راہ راست سے
بھٹکی رہی اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ
سب کچھ ٹھیک کر رہے ہیں یہ وہ لوگ
ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات کو
ماننے سے انکار کیا اور اس کے حضور پیشی
کا یقین نہیں کیا۔ اس لئے ان کے سارے
اعمال ضائع ہو گئے۔ قیامت کے روز
ہم انہیں کوئی وزن نہ دیں گے۔ اُن کی
جزا جہنم ہے کہ اس کفر کے بدلے جو انہوں
نے کیا اور اس مذاق کی پاداش میں جو وہ
میری آیات اور میرے رسولوں کے
ساتھ کرتے ہیں۔

Marfat.com

Marfat.com

اسلام کا نظریہ جہاد

جو لوگ اس دین کو اپنے اس مفہوم کے اعتبار سے اچھی طرح سمجھ لیتے ہیں ان کے لئے پھر اس بات کا سمجھنا مشکل نہیں رہتا کہ اسلامی نظام حیات کے قیام کے لئے صرف وعظ و ارشاد اور بیان و تبلیغ کافی نہیں ہے اس کے لئے عملی جدوجہد اور جہاد بالسیف کی ضرورت ہوتی ہے

Marfat.com

Marfat.com

اسلام کا نظریۂ جہاد

امام ابن قیم جوزی نے اپنی مشہور کتاب "زاد المعاد" میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجاہدانہ زندگی کے بارے میں ایک عنوان قائم کیا ہے۔ "بعثت سے لے کر وفات تک کفار اور منافقین کے ساتھ آپ کا طرز عمل" اس عنوان کے تحت آپ رقم طراز ہیں۔

"اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے آپ کی طرف یہ وحی نازل کی کہ "آپ اپنے رب کے نام سے پڑھیں" یوں ہوا آپ کی نبوت کا آغاز، اس وقت جو حکم دیا گیا تھا وہ یہ تھا کہ آپ اپنے دل میں پڑھیں ابھی آپ کو تبلیغ کا حکم نہ ملا تھا۔ کچھ عرصہ بعد یہ آیت نازل ہوئی یَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنذِرْ یعنی اقرار سے آپ کو نبوت ملی اور یاایھا المدثر سے آپ کو منصب رسالت عطا ہوا اور حکم دیا گیا کہ آپ اپنے رشتہ داروں کو ڈرائیں، رشتہ داروں کے بعد آپ نے اپنی قوم کو انجام بد سے ڈرایا۔ قوم کے بعد مکہ مکرمہ کے ارد گرد پھیلے ہوئے قبائل کو تبلیغ کی۔ اس کے بعد یہ پیغام پوری عرب دنیا تک عام کر دیا گیا اور بالآخر اس دعوت کو بین الاقوامی دعوت بنا دیا گیا۔

دعوت اسلامی کا کام شروع کرنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کئی سال تک صرف وعظ اور تبلیغ کرتے رہے اور طاقت کا استعمال نہ کیا، بلکہ آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ صبر اور درگزر سے کام لیں اور اینٹ کا جواب پتھر سے نہ دیں۔ ایک عرصہ بعد آپ کو ہجرت کی اجازت دی گئی اور ساتھ ہی دشمنوں سے لڑنے کی بھی اجازت

Marfat.com

دی گئی تاہم یہ اجازت اس حد تک تھی کہ صرف ان لوگوں سے جنگ کی جائے جو لڑنے کے لئے میدان میں اتر آئیں اور دوسروں سے نہ لڑا جائے اور سب سے آخر میں یہ حکم دیا گیا کہ کفار اور مشرکین سے اس وقت تک جنگ جاری رکھی جائے جب تک دین اللہ کے لئے خالص نہیں ہو جاتا (لیکون الدین کلہ للہ)

جس وقت آپ کو جہاد کا حکم دیا گیا اس وقت حضور اور کفار کے درمیان تعلقات کی صرف تین شکلیں تھیں، اہل صلح، اہل حرب اور اہل ذمہ اہل صلح یعنی جن کے ساتھ امن کے معاہدات ہوئے تھے ان کے بارے میں حکم ہوا کہ عہد کو آخر تک نبھایا جائے، لیکن صرف اس صورت میں کہ جانب مخالف اپنے معاہدے کا پابند ہو اور اگر وہ عہد شکنی اور غداری کریں تو آپ بھی معاہدہ ان کے منہ پر دے ماریں، البتہ ایسے لوگوں کے ساتھ عملاً جنگ اس وقت تک نہ چھیڑی جائے جب تک انہیں باقاعدہ اطلاع نہ دیدی جائے کہ معاہدہ ختم ہو چکا ہے۔ جب سورۃ براۃ نازل ہوئی تو ان تمام اقسام کے احکام علیحدہ علیحدہ بیان ہوئے، اللہ تعالیٰ نے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) سے اس وقت تک لڑیں کہ یا وہ جزیہ قبول کریں اور یا اسلام میں داخل ہو جائیں اور مشرکین اور منافقین سے بھی جہاد کا حکم دیا گیا نیز منافقین سے مزید سختی برتنے کا حکم دیا گیا۔ کفار کے ساتھ آپ کا جہاد مسلح جنگ کی شکل میں تھا اور منافقین کے ساتھ زبان اور دلیل سے۔

سورہ براۃ میں یہ حکم بھی دیا گیا کہ کفار کے ساتھ کئے ہوئے تمام معاہدات کو ختم کر دیا جائے اور علی الاعلان ان سے برأت کا اظہار کر دیا جائے۔ اس اعلان کے بعد اہل عہد کی تین اقسام قرار پائیں، وہ جن کے ساتھ جنگ کا حکم دیا گیا، یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے عہد شکنی کی تھی اور اپنے عہد پر قائم نہیں رہے تھے، ان لوگوں کے ساتھ حضور نے جنگ کی اور ان پر فتح پائی۔ دوسری قسم ان لوگوں کی تھی جن کے ساتھ عہد تھا اور وہ اسے نبھاتے بھی رہے۔ آپ کو

Marfat.com

حکم دیا گیا کہ ان کے ساتھ جو معاہدہ ہے اسے مقررہ مدت تک برقرار رکھا جائے اور شرائط کی پابندی کی جائے۔ تیسری قسم ایسے لوگوں کی تھی کہ جن کے ساتھ اگرچہ معاہدہ تو نہ تھا لیکن یہ لوگ آپ کے خلاف کسی جنگ میں بھی شریک نہ ہوئے تھے یا ان کے ساتھ تعین مدت کے بغیر معاہدہ طے پا گیا تھا، ایسے لوگوں کے بارے میں حکم ہوا کہ انہیں چار ماہ کی مہلت دی جائے اور ان سے کہدیا جائے کہ اس کے بعد کوئی معاہدہ نہیں کیا جائیگا۔ یا مسلمان ہو جاؤ ورنہ لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ، [1]

چنانچہ انہی ہدایات کے مطابق آپ نے عہد شکنوں کے ساتھ جنگ کی، اور جن کے ساتھ کوئی عہد نہ تھا انہیں چار ماہ کی مہلت دی اور راست باز معاہدین کے ساتھ اپنا عہد پورا کیا اور ایسے تمام لوگ معاہدہ کی مدت پوری ہونے سے پہلے ہی اہل ایمان اور مسلمانوں کا جزو بن گئے اور اہل ذمہ پر جزیہ عائد ہوا۔

جیسا کہ کہا گیا سورۂ برارۃ کے نزول کے بعد کفار کے ساتھ آپ کے تعلقات تین قسم کے رہ گئے تھے یعنی محارب، اہل ذمہ اور اہل عہد اور چونکہ اہل عہد سب کے سب اسلام میں داخل ہو گئے تھے، اس لئے صرف اہل ذمہ اور اہل حرب ہی باقی رہ گئے۔ اہل حرب کی حالت یہ رہتی تھی کہ آپ کے دور میں وہ ہمیشہ آپ سے خائف رہتے تھے۔

---

[1] یہ حکم صرف مشرکین عرب کے لئے ہے انہیں جزیہ دیکر اسلامی ریاست کے زیر سایہ ذمی کی حیثیت سے زندگی گذارنے کی اجازت نہیں دی گئی یہ اس لئے کہ حق کے پورے انکشاف کے بعد ان کے انحراف کے لئے کوئی عذر باقی نہیں رہ گیا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ نبی ہیں اور قرآن ان کی اپنی زبان میں انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ اللہ کا کلام ہے محض ہٹ دھرمی کی بناء پر یہ انکار کئے جا رہے تھے اس لئے یہ کسی رعایت کے مستحق نہیں تھے، عرب اہل کتاب اور غیر عرب مشرکین اور اہل کتاب کے ساتھ یہ رعایت رکھی گئی کہ اگر وہ چاہیں تو حفاظت جان و مال کا معاوضہ (جزیہ) دیکر اسلامی ریاست کے زیر سایہ باعزت شہری کے طور پر رہائش اختیار کر سکتے ہیں۔

Marfat.com

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر کے آخری دور میں حضور اور تمام انسانوں کے تعلقات کی نوعیت صرف یہ رہ گئی تھی کہ ان میں سے بعض مسلم اور مومن تھے، بعض آمن اور مسالم تھے اور بعض آپ سے مخالف اور محارب تھے۔

منافقین کے ساتھ آپ کا طرز عمل یہ تھا کہ آپ کو اللہ تعالےٰ نے حکم دیا تھا کہ آپ ان کے اعلان اسلام کو قبول فرمائیں اور ان کے باطن کو اللہ کے سپرد کر دیں اور ان کے مقابلے میں علم و استدلال کے ہتھیار ہی استعمال کریں اور ان کے ساتھ سرد مہری کا رویہ اختیار کریں اور ان سے سختی برتیں اور ان کی نفسی کیفیات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے ارشادات عالیہ سے ان کی اصلاح کی سعی کریں، اُن کی نماز جنازہ میں شرکت نہ کریں اور نہ حضور ان کی قبر پر کھڑے ہو کر دعا کریں اور یہ کہ اگر آپ ان کے لئے دعائے مغفرت مانگ بھی لیں تو بھی اللہ انہیں ہرگز نہ بخشے گا۔ یہ تھا مختصر بیان حضور کے طرز عمل کا اپنے کفار اور منافق دشمنوں کے ساتھ"

اقامت دین کی جدوجہد اور اسکی خصوصیات

علامہ ابن قیم نے اسلامی جہاد کے مختلف مراحل کی یہ بہترین تلخیص پیش کی ہے، اور اس سے دین حق کے تحریکی پہلو کی مستقل اور گہری بنیادیں واضح ہو جاتی ہیں جو اس لائق ہیں کہ خاصی دیر ٹھہر کر ان پر اچھی طرح غور کر لیا جائے اس مختصر سی بحث میں ہم صرف چند اشارات پر ہی اکتفا کریں گے۔

(۱) ابن قیم کے اس "سیرت پارہ" سے "اسلامی جہاد" کی جو پہلی بنیاد سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ دین حق اپنے طریق کار میں بھرپور واقعیت پسند ہے، یہ طریق کار دراصل اس حرکت کا نام ہے، جو زمین پر موجود کسی انسانی سوسائٹی کا سامنا کرتی ہے، اور ایسے سب ذرائع سے اس کا سامنا کرتی ہے، جو سوسائٹی کے واقعی وجود کے مقابلہ میں کام آسکیں۔

وہ جاہلیت کے اس فکری دائرہ پر یلغار کرتی ہے جس پر عملاً

Marfat.com

زندگی کا چلتا پھرتا ایک نظام قائم ہے جسے وقت کا اقتدار مادی قوت کے ذریعہ سہارا دیئے چلا جاتا ہے۔

اسلامی تحریک عالم واقع میں اس واقعی صورت حال کا مقابلہ کرتی ہے ان تمام ذرائع و وسائل کو کام لا کر جن سے کہ یہ جاہلیت کام لیتی ہے،

وہ اس جاہلیت کا سامنا بیان و تقریر سے بھی کرتی ہے، تاکہ سوسائٹی کے افکار و عقائد کی اصلاح ہو سکے اور وہ بغایت درجہ سعی کے ساتھ طاقت بھی استعمال کرتی ہے، تاکہ جاہلیت کے نظام و اقتدار کو ملیا میٹ کیا جا سکے ——— وہی اقتدار جو عوام اور تعمیر افکار کی اصلاح کے کام میں روک بن کر کھڑا ہے اور جو جبراً ان پر مسلط ہے اور انہیں اندھیرے میں رکھے ہوئے ہے اور جو انہیں رب اکبر کے مقابلہ میں دوسروں کا بندہ بنائے ہوئے ہے ———

یہ ایک ایسی تحریک ہے جو صرف بیان و اظہار پر اکتفا کر کے ختم نہیں ہو جاتی جس طرح کہ اس تحریک میں یہ بھی نہیں ہے کہ مادی غلبہ حاصل کر کے لوگوں سے جبراً اپنی بات منوالے ——— یہ رد و قبول میں جبر کی قائل ہی نہیں لَاۤ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ ——— دین حق کے طریق کار میں یہ دونوں ہی باتیں نہیں ہیں وہ تو ایک تحریک ہے، اس لئے برپا کی گئی ہے کہ لوگوں کو بندوں کی غلامی سے نجات دلا کر اللہ وحدہٗ لاشریک کی بندگی میں داخل کر دے۔

——— تفصیل آگے آتی ہے ———

۲۔ اس دین کی دوسری خصوصیت (علامہ ابن قیم رحؒ کے سیرت پارہ کی روشنی میں) یہ ہے کہ اس کے اصلاحی طریق کار میں واقعیت پسندانہ تحرکیت پائی جاتی ہے۔ وہ ایک ایسی تگ و دو سے عبارت ہے جس کے کئی مراحل ہیں، ہر مرحلے میں اس کے مناسب ذرائع اور وسائل کو کام میں لایا جاتا ہے، جو اس مرحلے کے واقعی تقاضوں اور ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں اور اس مرحلے سے یہ تحریک بتدریج آگے بڑھتی ہے، اس تحریک کا طریق کار یہ ہے کہ یہ واقعی حالات کا مقابلہ مجرد نظریات

Marfat.com

سے نہیں کرتی اور نہ ہی اس کے اختیار کردہ وسائل وذرائع جمود کا شکار ہیں۔
ہمارے دور میں جو لوگ اسلام کے نظریہ جہاد کے بارے میں لکھتے ہیں اور قرآن کی آیات پر بحث کرتے ہیں، ان کے پیش نظر پہلی تحریک اسلامی کے مختلف مراحل نہیں ہوتے، نہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان مراحل میں سے کس مرحلے میں تحریک نے کیا تدابیر اختیار کی تھیں، انہیں یہ معلوم ہی نہیں ہے، کہ ان مراحل سے متعلق آیات کا شان نزول (پس منظر) کیا تھا، یہ لوگ، خلط مبحث کرتے ہیں اور دین کے نظریہ جہاد کے بارے میں گمراہ کن التباس واشتباہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور قرآنی آیات کو ایسے معنی پہناتے ہیں جن کی وہ متحمل نہیں ہوتیں، بعض آیات کا تعلق تحریک کے ابتدائی مراحل سے ہے، یہ لوگ انہیں آخری مراحل کے لئے اصول قرار دیتے ہیں یہ اس کا نتیجہ ہے کہ وہ بے شمار غلط فہمیوں میں مبتلا ہو گئے اور ابتدائی ہدایات کو آخری فیصلے سمجھ بیٹھے حد یہ ہے کہ یہ اس بات کے قائل ہو گئے کہ اسلام میں صرف دفاعی جنگ کا جواز ہے، دراصل یہ لوگ فکری و ذہنی طور پر شکست خوردہ ہو گئے اور یہ رائے انہوں نے اس لئے قائم کی کہ اس مادی دور کے حالات کی سنگینی سے "فرزندانِ اسلام" عہدہ برآ نہیں ہو سکتے ——— جن کے ہاں اسلام کا صرف نام ہی نام رہ گیا ہے ——— اس پر مستزاد یہ کہ دین حق پر ڈھائے ہوئے اپنے ظلم کو اسلام کی خدمت قرار دیتے ہیں، اسلام کا اصل موقف تو یہ ہے کہ اس کرہ ارض پر سے طاغوت کا اقتدار ختم کر دیا جائے اور تمام لوگوں کو غیر اللہ کی غلامی سے نجات دی جائے۔ اس معاملہ میں اسلام کا اصل رول یہ ہے کہ جاہلیت نے دنیا میں دین حق کے پھیلنے کی راہ میں جو جو رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں انہیں ہٹا دیا جائے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ حق کے مقابلہ میں باطل سرنگوں ہو جائے ——— یا مٹ جائے اور یا اتنا مغلوب ہو جائے کہ اسلام کی بالادستی کو تسلیم کر کے اس کے سایۂ عاطفت میں تحفظ جان و مال کا معاوضہ (جزیہ) ادا کر

Marfat.com

کے پرامن شہری کی حیثیت سے رہائش پذیر ہو اور اسلام اور عوام الناس کے درمیان حائل نہ ہو تاکہ لوگ اس بارے میں بالکل آزاد ہوں کہ وہ اسلام کو قبول کرتے ہیں یا نہیں۔

۳۔ (ابن قیم کے "سیرت پارہ" کی روشنی میں) اس دین کی تیسری خصوصیت یہ معلوم ہوتی ہے کہ وسعت پذیر تحریکیت اور نئے نئے وسائل، اسے اپنے بنیادی اصولوں سے منحرف نہیں کر سکتے اور نہ اس نصب العین ہی میں کوئی فرق واقع ہوتا ہے جو شروع سے ایک ہی رہا ہے۔ یہ دین ہمیشہ اپنے اصولوں پر سختی سے جما رہا ہے۔ دعوت رشتہ داروں کو دی جا رہی ہو، قریش کو دی جا رہی ہو، تمام عرب کو بلایا جا رہا ہو، یا تمام کرۂ ارض کو خطاب کیا جا رہا ہو، اس کی دعوت ہر وقت یہی رہی ہے کہ صرف ایک اللہ کی غلامی اختیار کرو اور اللہ کے سوا تمام غلامیوں کا جوا اپنی گردن سے اتار پھینکو، مصلحت کی خاطر اصول کو چھوڑا جا سکتا ہے، نہ نرمی برتی جا سکتی ہے، اور نصب العین کے حصول کے لئے متعین طریق کار ہے، جس کی حدود متعین ہیں پھر اس کے لئے جدوجہد کے مراحل بھی متعین ہیں اور ہر مرحلہ کے لئے وسائل و ذرائع میں سے نو بہ نو ذرائع اختیار کئے جا سکتے ہیں (یہاں بھی حدود اللہ کا لحاظ رکھنا لازم ہے) اس سلسلہ میں اوپر بھی "اشارہ" گذرا ہے،

۴۔ (ابن قیم کے مطابق) دین حق کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ بین الاقوامی علائق کے لئے اس کا اپنا ایک ضابطہ ہے اور اس ضابطہ و قانون کی اساس و بنیاد اس امر پر ہے کہ اسلام کا اپنا ایک موقف (stand) ہے اور وہ یہ ہے کہ:-

"تمام بنی آدم اللہ وحدہٗ لاشریک کی اطاعت کریں
یہ ان پر فرض ہے اور انہیں زندگی میں اللہ کی اطاعت
ہی کی روش اختیار کرنی چاہئیے یہ نہیں تو کم از کم تمام بنی
آدم کو "الٰہی طاعت" کے اس نظام (اسلام) کو برداشت

Marfat.com

کرنا چاہیئے اور مصالحانہ روش اختیار کرنا چاہیئے
اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ بنی آدم میں سے
کوئی بھی اس کی دعوت کی راہ میں حائل ہو ـــــ
کوئی سیاسی نظام ہو یا مادی قوت ـــــ وہ تمام
بنی آدم کے لئے یہ ضروری قرار دیتا ہے کہ دنیا کے
عوام اور اس کے درمیان آڑے نہ آئیں تاکہ لوگ
اپنے آزاد ارادے کے ساتھ اسلام کو اختیار کریں
یا اسے رد کر دیں، اسلام بطور خود بھی رد و قبول
میں جبر و طاقت کے استعمال کو جائز نہیں سمجھتا، اگر
کوئی شخص، کوئی گروہ (ـــــ وہ کوئی بھی ہو کہیں
بھی ہو کیسا ہی ہو ـــــ) اسلام اور عوام کے درمیان
حائل ہوتا ہے، تو اسلام اس کے خلاف اعلان
جنگ کرتا ہے تا آنکہ اسے ملیامیٹ کر دیا جائے
یا وہ اسلام کے آگے گھٹنے ٹیک دے"

کیا جہاد دفاعی جنگ کا نام ہے؟

ذہنی اور فکری شکست خوردگی میں مبتلا حضرات جب اسلامی جہاد پر قلم اٹھاتے ہیں ـــــ اور ان کی اصل غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ "جہاد" کے نام سے اسلام پر لگائی گئی "تہمت" کے سلسلہ میں اپنی صفائی پیش کریں ـــــ تو انہیں بظاہر دین حق کی اشاعت اور قیام کے سلسلہ میں تضاد نظر آتا ہے ایک طرف ارشاد ہے کہ:-

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ	دین میں جبر و اکراہ نہیں ہے

Marfat.com

اور دوسری طرف اسلام کا نظریہ جہاد یہ ہے کہ ان تمام سیاسی اور مادی قوتوں کے مقابلہ ہر طرح کی سعی و جہد فرض ہے جو اسلام اور دنیا کے عوام کے راستہ میں حائل ہیں اور جو لوگوں کو اپنی جیسے دوسرے لوگوں کا بندہ بنائے ہوئے ہیں اور جو انہیں اللہ کی بندگی کے اختیار کرنے سے روکتی ہیں، چنانچہ یہ قلم کار خلط مبحث کا شکار ہو جاتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ ذہنی مرعوبیت میں مبتلا ہیں اور جہاد کو صرف دفاعی جنگ ثابت کرنے کی سعی ناتمام کرتے ہیں حالانکہ اسلام کے ان دونوں احکام میں کوئی تضاد نہیں ہے (لا اکراہ فی الدین) کا الگ موضوع ہے اور جہاد فی سبیل اللہ ایک دوسرا عنوان ہے،

اسلامی جہاد کا کوئی تعلق ان جنگوں سے سرے سے ہے ہی نہیں جو اس دور میں لڑی جاتی ہیں۔ آج کل کی یہ لڑائیاں اور اسلامی جہاد ایک دوسرے سے اغراض و مقاصد میں مختلف ہیں کیفیت اور نوعیت میں مختلف ہیں، جن اغراض و مقاصد کے تحت اسلام جہاد کو فرض قرار دیتا ہے، ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اسلام کے مزاج، طبیعت اور زمین پر اس کی حکمرانی کی روشنی میں تلاش کریں یہ وہی مقاصد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے خود ہی بیان فرمائے ہیں اور اسی نے یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ ان مقاصد کے حصول کے لئے اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجا ہے اور آپ کی ذات پر نبوت ختم فرمادی ہے اور آپ کی رسالت کو اپنا کر آخری پیغام قرار دیا ہے۔

دینِ حق دراصل انسانی آزادی اور حریت کے لئے ایک عمومی چارٹر اور منشور ہے، یہ انسان کو انسان کی غلامی سے آزاد کرانے کا اعلان کرتا ہے ۔۔۔ یہ اُسے اپنے نفس کی بندگی سے بھی آزاد کراتا ہے، یہ بھی بندوں کی غلامی کی ایک صورت ہے ۔۔۔

دینِ حق کا یہ اعلان دراصل اللہ وحدہٗ لاشریک کی الوہیت کا اعلان ہے اور اس امر کا اعلان ہے کہ وہ تمام جہانوں کا رب ہے، آپ جانتے ہیں کہ تمام جہانوں کے رب ہونے کے معنے کیا ہیں؟

یہ انسانی حاکیت کے خلاف ایک انقلابی نعرہ ہے اس انسانی حاکیت کی کوئی ایسی صورت ہو کوئی سی ہیئت ہو اس کا جو بھی نظام ہے اور جو بھی طریقہ ہو، اللہ کی ربوبیت کے معنے ہیں زمین کے ہر ایک گوشہ میں انسانی حاکیت کو چیلنج کر دینے کے جس صورت میں کہ یہ موجود ہو۔ یا یوں کہئے کہ اللہ کی ربوبیت کے معنے ہیں کہ انسان کی خدائی کو چیلنج کیا جائے جس صورت میں کہ یہ موجود ہو، اور اس کا سبب یہ ہے کہ جس حکم کا سرچشمہ انسان کی اپنی رضا ہو اور جس حکم میں اقتدار اعلیٰ انسان ہی کو تسلیم کیا گیا ہو اس کے معنے یہ ہیں کہ اس حکم میں انسان کو الٰہ بنا لیا گیا، بعض نے بعض کو اللہ کے مقابلہ میں رب ٹھیرا لیا،

تو اس صورت اللہ کی ربوبیت کے اعلان کے معنے یہ ہوں گے کہ اللہ تعالےٰ کے غصب کردہ اقتدار اعلیٰ کو ان کے ہاتھوں سے چھین کر اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر دینا اور ان غاصبوں کو اقتدار اعلیٰ کے اس منصب سے اتار دینا، یہ غاصب جو لوگوں کو اپنے بنائے ہوئے قانون کا پابند بناتے ہیں خود ان کے سامنے رب بن کر بیٹھتے ہیں اور انہیں غلاموں کا درجہ دیتے ہیں۔

اس کا مطلب ہے :-

"بشری حاکیت کے مقابلہ میں
حکومت الٰہیہ کا قیام"

Marfat.com

قرآن مجید کے اپنے الفاظ میں اس کی تعبیر یہ ہے۔

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ	اللہ کی حاکمیت جس طرح آسمانوں پر ہے اسی طرح زمین پر بھی ہے۔
ان الحکم الا للہ۔ امر الا تعبدوا الا ایاہ.... ذلك الدين القيم (یوسف ۴۰)	خدا کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے اس نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی غلامی نہ کرو..... یہی ہے دین مستقیم۔
قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرك به شيئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ۔ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون (آل عمران ۶۴)	کہدو اے اہل کتاب جو بات ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے اس کی طرف آؤ وہ یہ کہ خدا کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں اور ہم میں سے کوئی کسی کو، خدا کے سوا اپنا کارساز نہ سمجھے۔ اگر یہ لوگ نہ مانیں تو تم کہدو کہ تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔

زمین پر حکومت الٰہیہ کے قیام کی یہ صورت نہیں ہے کہ اقتدار اعلیٰ کے اونچے مقام پر کسی مذہبی طبقہ کو فائز کر دیا جائے جس طرح کلیسا کے اقتدار کے دور میں ہوا۔ اسی طرح حکومت الٰہیہ کے قیام کی یہ شکل بھی نہیں ہے کہ تھیاکریسی کے نام سے مذہبی طبقہ کو الٰہ بنا لیا جائے اس کی تو ایک ہی صورت ہے کہ اللہ کی شریعت کا نفاذ عمل میں لایا جائے اور حاکمیت کے معاملہ کو اللہ کی طرف لوٹا دیا جائے۔ اور اسی کے حکم کے مطابق فیصلے کئے جائیں جس طرح کہ اس نے اپنی نازل کردہ شریعت میں بیان فرما دیا ہے۔

اسلامی نظام کے قیام کا صحیح طریق کار

اسلامی نظام حکومت کا قیام اور انسانی نظام مملکت کا خاتمہ، انسانی ہاتھوں سے اقتدار اعلیٰ (sovereignty) کا لینا اور اسے دوبارہ اللہ کی ذات کے لئے مخصوص کر دینا، انسانی قوانین کی تنسیخ اور شریعت اسلامی کا قیام اور اس قسم کے تمام دوسرے انقلابی کام، محض وعظ و تقریر اور تبلیغ و بیان سے ہرگز نہیں ہو سکتے، کیونکہ جو لوگ عوام الناس کی گردنوں پر سوار ہیں اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے اقتدار اعلیٰ کو اپنے لئے مخصوص کر رکھا ہے، وہ اس کے لئے ہرگز تیار نہیں ہو سکتے کہ محض وعظ اور نصیحت سے، اپنی اس برتری سے دست بردار ہو جائیں اگر ایسا ممکن ہوتا تو انبیاء علیہم السلام بسہولت لوگوں سے ایک خدا کی الوہیت کا اقرار کرا لیتے۔ انبیاء علیہم السلام کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ یہ کام کس قدر کٹھن تھا، نیز اسلام کی تاریخ دعوت و عزیمت بھی اس پر گواہ ہے کہ اسلامی نظام حیات کے قیام کا کام محض وعظ اور تبلیغ سے ممکن نہیں رہا ہے۔

زمین پر انسان کی آزادی کا یہ اعلان عام ——— (دین حق) ——— کہ کوئی انسان اپنے جیسے دوسرے انسان کا بندہ نہیں، اللہ وحدہٗ لاشریک ہی سب کا الٰہ اور معبود ہے، وہی تمام جہانوں کا رب ہے، نہ یہ فلسفیانہ تخیل تھا اور نہ منفی قسم کے منتشر خیالات تھے بلکہ یہ تحریک کی شکل میں ایک ایجابی نظریہ تھا یہ ایک ایسا اعلان تھا جس کے لئے چاہا گیا تھا کہ اس کی پشت پر ایک نظم حکومت ہونا چاہیئے جو لوگوں سے اللہ تعالیٰ کی شریعت کی تعمیل کرائے اور انہیں اپنے جیسے دوسرے انسانوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں داخل کر دے۔ چنانچہ یہ ضروری تھا کہ بیان اور تبلیغ کے ساتھ ساتھ تحریک کی شکل بھی اختیار کر لی جائے۔ تاکہ انسانی سوسائٹی میں ہر ذہنی تبدیلی کے لئے تمام ممکنہ وسائل سے

Marfat.com

کام لینے میں کوئی کوتاہی نہ ہو۔

دعوت اسلامی کی پوری تاریخ گواہ ہے کہ آج اور کل انسانی سوسائٹی کی واقعی حالت دین حق کے خلاف رہی ہے اور آئندہ بھی ایسی ہی رہے گی جاہلی سوسائٹی نے اپنے پورے وسائل سے کام لے کر بے پناہ روکاوٹیں اسلامی نظام حیات کے قیام کی کوششوں کی راہ میں لاکر کھڑی کردی ہیں، کیونکہ اسلام انسان کو انسان کی غلامی سے نجات دینے کا اعلان عام کرتا ہے۔ اس طرح جن جاہلی معاشروں کے مفاد پر زد پڑتی ہے وہ اپنے تمام اعتقادی، تصوراتی، مادی، سیاسی، معاشرتی، معاشی، قومی اور طبقاتی وسائل کو لے کر میدان میں اتر آتے ہیں۔ یہ تمام وسائل جب مجتمع ہو جاتے ہیں تو دین حق کے مقابلہ میں ان کی شدت میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے اور اس طرح دین حق کو ان شدید رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اس صورت کے پیش نظر ایک طرف تو تحریک اسلامی کو غلط تصورات اور باطل عقائد کو ختم کرنے کے لئے وعظ و تبلیغ سے کام لینا پڑتا ہے اور دوسری طرف ان تمام مادی رکاوٹوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تنظیم اور جتھہ بندی کی ضرورت ہوتی ہے، ان مادی روکاوٹوں میں سرفہرست جاہلی نظام زندگی اور اس میں قائم شدہ جاہلی سیاسی نظام ہوتا ہے اور یہ نظام اس دور کی موجودہ اعتقادی، فکری، قومی اقتصادی اور اجتماعی حالت پر نہایت پیچیدگی اور باہمی گہرے ربط سے قائم ہوتا ہے، اس طرح وعظ و تلقین کی تحریک اور اجتماعی تنظیم دونوں مل کر اس موجود اجتماعی نظام کے خلاف صف آرا ہوتی ہیں اور اپنے پورے وسائل کے ساتھ اس کا مقابلہ کرتی ہیں۔ لہٰذا انسانی آزادی اور پورے کرۂ ارض پر تمام انسانوں کی آزادی کے لئے تبلیغ و بیان اور تنظیم و تحریک دونوں کی اشد ضرورت ہے۔ یہ نکتہ اس قدر اہم

ہے کہ اسے بار بار واضح کرنے کی ضرورت ہے۔[1]

ایک عالمی نظام حیات

یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اسلامی نظام حیات صرف اس لئے نہیں آیا تھا کہ وہ صرف عرب انسانوں کو آزادی کی نعمت سے نوازے بلکہ یہ نظام حیات پوری انسانیت کے لئے ہے، اس کا میدان کار پورا کرۂ ارض ہے۔ پورے کا پورا۔ اس نظام زندگی کی رو سے اللہ تعالیٰ صرف عربوں کا اللہ نہیں ہے، کہ وہی اسلامی نظام زندگی کو قبول کریں بلکہ وہ رب العلمین ہے اور اسلامی نظام زندگی کا مقصد بھی یہی ہے کہ وہ عالمین کو ان کے رب اور خالق تک پہنچائے اور انہیں غیر اللہ کی بندگی سے چھڑا کر صرف ایک خدا کی بندگی میں داخل کر دے۔ اسلامی نظریہ حیات کی رُو سے بندگی اور اطاعت کا اعلیٰ مقام قوانین اسلام اور شریعت کی اطاعت ہے اور یہی وہ اطاعت ہے جسے اللہ جل شانہ صرف اپنی ذات کے لئے خاص کرنا چاہتے ہیں اور اللہ کی شریعت اور قانون کے سوا، کوئی اگر کسی اور کی اطاعت کرتا ہے تو وہ اللہ کی غلامی سے خارج ہو جاتا ہے۔

۱۔ سیّد شہید نے، اپنے مدعا کی وضاحت بڑے بسط سے کر دی ہے، دراصل عرب ممالک کی نسبت ہندوپاک میں اسے سمجھنے کی زیادہ ضرورت ہے۔ یہاں ایک عظیم تحریک کی تمام طاقتیں محض اس مفروضے پر ضائع ہو رہی ہیں کہ ایک ایک شخص کو تبلیغ و بیان کے زور سے درست کر دو تمام جہان درست ہو جائے گا، اور انقلاب خود بخود آجائے گا، یہ ایک ایسا مفروضہ ہے کہ آدم علیہ السلام کے بعد آج تک، تحریک اسلامی کی اس طویل تاریخ میں، عملاً ایسا نہیں ہوا، بلکہ وہی کچھ ہوتا رہا ہے جس کی وضاحت سید قطب صاحب کر رہے ہیں (مترجم)

زبانی طور پر خواہ وہ کچھ بھی دعوی کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی تصریح فرمادی ہے کہ شریعت اور قانون کی اطاعت ہی دراصل بندگی ہے اور غیر اسلامی قانون کی اطاعت ہی کی وجہ سے یہود و نصاری مشرک قرار پائے تھے، اسی وجہ سے قرآن کریم نے انہیں دعوت دی کہ وہ اللہ کے سوا تمام دوسرے ارباب کی غلامی ترک کردیں۔

امام ترمذی نے اپنی سند سے حضرت عدی بن حاتم سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب آپ کو دعوت اسلامی کے آغاز کا علم ہوا تو وہ شام کی طرف نکل کھڑے ہوئے، یہ جاہلیت کے زمانہ میں عیسائی ہوگئے تھے، ایک غزوہ میں آپ کی بہن اور قبیلے کے دوسرے لوگ گرفتار ہوگئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے ساتھ نہایت ہی اچھا سلوک کیا اور ان کی بہن کو گراں قدر عطیہ بھی دیا۔ بہن رہا ہو کر عدی سے ملی اور انہیں ترغیب دی کہ وہ مسلمان ہوجائیں، لوگوں کو معلوم ہوا کہ عدی، حضور کی خدمت میں حاضر ہورہے ہیں، جب یہ مدینہ پہنچے تو ان کی گردن میں چاندی کی صلیب لٹک رہی تھی اور حضور اس آیت کی تلاوت فرما رہے تھے "اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابًا من دون اللہ" (ان لوگوں نے اپنے اللہ کو چھوڑ کر عالموں اور درویشوں کو رب بنا رکھا ہے) حضرت عدی نے یہ عرض کی کہ یہود و نصاری تو احبار و رھبان کی عبادت نہیں کرتے آپ نے فرمایا کہ احبار و رھبان اُن کے لئے حرام کو حلال ٹھہراتے رہے اور حلال کو حرام کرتے رہے اور وہ اُن کی پیروی کرتے رہے یہی تو دراصل احبار اور رھبان کی "عبادت" کرنا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالٰے کے ارشاد کی یہ جو تفسیر بیان فرمائی ہے یہ اس امر میں نص قطعی ہے کہ آئین و قانون میں ما سوی اللہ کی اطاعت وہ عبادت ہے جس کے ارتکاب کے بعد آدمی کا مقام دین کے اندر نہیں رہتا اور یہ اطاعت عبادت ــــ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا رب بنانا ہے، ما سوی اللہ کی

Marfat.com

یہی بندگی ہی تو ہے جس کے بندھنوں سے انسان کو آزاد کرانے کے لئے یہ دین آیا ہے تاکہ وہ یہ اعلان کر دے کہ پورے کرۂ ارض پر انسان ماسوی اللہ کی بندگی سے آزاد ہے،

ماسوی اللہ کی بندگی سے آزادی کے اس اعلان کے سلسلہ میں اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ہے کہ جاہلیت کے مقابلہ میں ایک طرف تقریر و تحریر کے ذریعہ دعوت دی جائے اور دوسری طرف عملاً ایک تحریک برپا کی جائے اور ان سیاسی طاقتوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے جو لوگوں کو اپنا غلام بنائے ہوئے ہیں —— اللہ کے قانون کو چھوڑ کر اپنے بنائے ہوئے قانون و دستور کی ان سے پیروی کراتے ہیں —— اور جو لوگوں کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں اور انہیں آزادارادہ سے عقیدہ و مسلک اختیار کرنے نہیں دیتے اور اپنی قوت اقتدار سے ان کی آزادی رائے کے حق کو سلب کئے ہوئے ہیں، اس تحریک کا برپا رہنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ اس کے نتیجہ میں اسلام کا اجتماعی سیاسی اور اقتصادی نظام قائم ہو گا جو باطل کے غیر نمائندہ اقتدار —— یہ محض سیاسی اقتدار ہو یا قومی اقتدار یا ایک ہی قومیت کے دائرے میں طبقاتی اقتدار ہو کسی نوعیت کا ہو یہ اقتدار —— کے استیصال کے بعد انسانی آزادی کی اس تحریک کو زندہ اور برپا رکھنے کا ضامن ہو گا۔

مذہبی آزادی اور اقتدار اعلیٰ

اس بات میں شک نہیں ہے کہ اسلام کسی ایک فرد کو بھی بجبر دائرہ اسلام میں داخل کرنا نہیں چاہتا، لیکن جیسا کہ اس سے قبل ہم لکھ آئے ہیں، اسلام اس بات کا اعلان عام کرتا ہے کہ اس کرۂ ارض پر کسی انسان کو دوسرے انسان کی غلامی میں رکھے جانے کی اجازت نہ ہو گی اس لئے دین حق سب سے پہلے ہم سے یہ اقدام کراتا ہے کہ ہم زمین پر سے ان تمام تنظیمات اور حکومتوں کے اقتدار

کو ہٹانے کی کوشش کریں جن کی بنیاد انسانی حاکمیت پر ہے اور جن میں ایک انسان اپنے جیسے انسانوں کے بنائے ہوئے قانون کی اطاعت کرتا ہے۔ اس طرح دراصل اسلام بنی آدم کے لئے آزادی اور حریت کی ایسی فضا قائم کرتا ہے۔ جس میں وہ ہر قسم کی سیاسی گرفت سے آزاد ہو کر اپنے آزاد ارادہ سے جو چاہیں عقیدہ اختیار کریں۔ اس سلسلے میں، اسلام صرف یہ کام کرتا ہے کہ وہ تحریر وتقریر کے ذریعہ لوگوں کے سامنے اسلامی نظریہ حیات کی وضاحت کر دیتا ہے (اور وہ جبراً لوگوں پر اپنا نظریہ نہیں ٹھونستا)، لیکن آزادی کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ لوگ اپنی خواہشات ہی کو اپنا الٰہ بنالیں اور اپنے آزاد ارادہ سے یہ فیصلہ کرلیں کہ وہ اپنے جیسے دوسرے بندوں کے غلام بن کر رہیں گے یا اللہ کو چھوڑ کر ان میں سے بعض کو اپنا رب بنا لیں، اسلام ہرگز اس کی اجازت نہیں دیتا، اس کی پالیسی یہ ہے کہ روئے زمین پر اقتدار اعلیٰ بہر حال اللہ کے لئے مخصوص ہونا چاہیئے (دوسرے الفاظ میں اسلام کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ ملکی قانون اور سیاسی نظام بہر حال بندگی رب پر مبنی ہونا چاہیئے اس کے بعد کوئی شخص، جو بھی مذہبی عقیدہ رکھنا چاہے رکھ سکتا ہے، اسلام اپنے دائرہ اقتدار میں زمام کار ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں دینے کا قائل نہیں ہے جو اس پر ایمان نہیں رکھتے، یہ معقول بات ہے اور کوئی بھی نظریاتی ریاست اس کے بغیر دو دن بھی نہیں چل سکتی صرف یہی ایک صورت ہے جس میں دین مکمل طور پر اللہ کے لئے خالص ہو سکتا ہے یعنی اطاعت۔ خود سپردگی اور پیروی اور بندگی صرف اللہ کے لئے ہو۔ اسلامی نظریہ حیات میں دین کا مفہوم مذہب کے مقابلہ میں وسیع تر ہے۔ درحقیقت وہ طریق زندگی کا نام ہے، جو پوری زندگی کو بالفعل کنٹرول کرتا ہے، اسلام میں دین کی بنیاد عقیدہ ہی پر رکھی گئی ہے تاہم دین عقیدہ کے مقابلہ میں عام اور وسیع تر ہے۔ مثلاً اسلامی نظام حیات کے دائرہ اقتدار میں ایسے لوگ بھی رہ سکتے ہیں جو اسلامی عقائد پر سرے سے ایمان ہی نہ لاتے ہوں اور صرف سیاسی لحاظ سے وہ اس کے مطیع ہوں۔ (آخر ذمی،

Marfat.com

اسلامی ریاست کے پرامن شہری ہوتے ہیں اور ملکی قانون ان پر ویسا ہی لاگو ہوتا ہے جیسا مسلمانوں پر)

جو لوگ اس دین کو اپنے اسی مفہوم کے اعتبار سے اچھی طرح سمجھ لیتے ہیں ان کے لئے پھر اس بات کا سمجھنا مشکل نہیں رہتا کہ اسلامی نظام حیات کے قیام کے لئے صرف وعظ وارشاد اور بیان و تبلیغ کافی نہیں، اس کے لئے عملی جدوجہد اور جہاد بالسیف کی ضرورت بھی ہوتی ہے، پھر یہ لوگ بسہولت سمجھ سکتے ہیں کہ اسلام کے نظریۂ جہاد کا بھی وہ محدود مفہوم نہیں ہے جو "دفاعی جنگ" کا ہے، آج کل بعض مسلمان مستشرقین کے پرفریب پروپیگنڈے کے سامنے ہتھیار ڈال کر ذہنی طور پر شکست کھا چکے ہیں، اور اسلامی جہاد کو "دفاعی جنگ" قرار دیتے ہیں، ٹھیک اسے دفاع ہی کے نام سے پکاریں لیکن یہ روئے زمین پر پھیلی ہوئی سسکتی ہوئی انسانیت کا دفاع ہے، اس اعتبار سے یہ انسانی حریت کے لئے ایک اقدامی جدوجہد ہے، تقریر و تحریر کے میدان میں بھی اور سیف و سنان کے ساتھ بھی سوسائٹی کی واقعی صورتِ حال کو سامنے رکھ کر یہ ایک اقدام ہے، مرحلہ بمرحلہ، اور پھر ہر مرحلہ میں نوبہ نو ذرائع اور وسائل کے ساتھ، اس طرح اسلامی جہاد دراصل ایک "اقدامی تحریک" ہے

حریتِ انسانی کا دفاع

اگر یہ ضروری بھی ہو، کہ ہم اسلام کے نظریۂ جہاد کی تعبیر دفاعی جنگ سے کریں، تو پھر ہمیں دفاع کا مفہوم ہی بدل دینا ہوگا، پھر دفاع کا مفہوم یہ ہوگا کہ اسلام پوری انسانیت کی حریت اور آزادی اور دفاع کے لئے، ان تمام عناصر کے مقابلے میں آتا ہے، جو انسانیت کی آزادی اور حریت فکر پر قدغن لگاتے ہیں، یہ عوامل خواہ کسی عقیدے کی شکل میں ہوں، یا کسی سیاسی نظام کی شکل میں ہوں، ان کی بنیاد معاشی امتیاز پر ہو، طبقاتی تقسیم پر ہو یا نسلی امتیاز پر، ہو یہ عوامل کل بھی موجود اور غالب تھے۔ اور آج بھی مختلف شکلوں میں دنیا کے مختلف حصوں میں پائے جاتے ہیں اور ایک غالب نظام کی حیثیت سے موجود ہیں۔

لفظ دفاع کے لئے اس مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے ہی، ہم اس بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ کن اسباب کی بناپر اسلام، اس کرۂ ارض پر جہاد بالسیف کے ذریعہ متحرک رہا اور بڑھتا گیا اس سے ہمیں اسلام کے مزاج کا بھی پتہ چلتا ہے، دراصل اسلام حریت انسانی کا اعلانِ عام ہے اور اس کا مقصد اول ہی یہ ہے کہ ماسوی اللہ کی غلامی کے تمام آثار کو پورے کرۂ ارض پر سے نیست و نابود کر دیا جائے اور اس کی جگہ صرف ایک خدا کی غلامی اور الوہیت قائم کی جائے اور اللہ کی اس زمین پر انسانی خواہشات کے بجائے صرف شریعت الٰہی کی حکمرانی ہو۔

بعض لوگ اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ اسلام کے نظریۂ جہاد[1] کو (آج کے مفہوم میں) دفاعی جنگ تک محدود کر دیں، یہ لوگ اسلامی تاریخ اور ذخیرۂ احادیث سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسی روایات نکال لاتے ہیں، جن سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ اسلام کے دور اول میں جتنی بھی جنگیں ہوئی ہیں وہ اس لئے ہوئیں کہ اسلامی ریاست کو ہمسایہ ممالک سے خطرہ لاحق تھا، اور عجیب تر بات یہ ہے، کہ بعض کے نزدیک اسلامی ریاست صرف عرب تک محدود ہے، دراصل یہ لوگ اس دین کے مزاج اور طبیعت ہی سے بے خبر ہیں نہ ہی یہ اس دور سے کوئی واقفیت رکھتے ہیں جس میں کہ اسلام اس لئے آیا ہے کہ وہ روئے زمین کا نظام بن کر رہے گا جس طرح کہ ان کی اس سعی نا مشکور سے بہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آج کی جاہلی سوسائٹی کی گرفت اور مستشرقین کے پروپیگنڈے کی وجہ سے شکست خوردگی میں مبتلا ہو گئے ہیں،

دفاعی جنگ تبلیغی انقلاب اور تاریخی حقائق

تمہارا کیا خیال ہے؟ اگر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو روم اور فارس سے خطرہ درپیش نہ ہوتا تو کیا وہ زمین کی

---

[1] اسلام کے نظریۂ جہاد کیلئے دیکھئے سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی معرکۃ الآرا کتاب الجہاد فی الاسلام سید مودودی نے پہلی مرتبہ اسلام کے نظریۂ جہاد کو صحیح اور مثبت انداز میں پیش کیا اور انہوں نے اس انداز کا رد کیا جس کی شکایت سید قطب کر رہے ہیں۔ (ترجمہ)

Marfat.com

آخری حدوں تک اسلام کے پہنچانے اور پھیلانے سے رُک جاتے اور ان کے لئے یہ کوئی آسان کام نہیں تھا کہ وہ اس دعوت کو پھیلا سکتے کیونکہ دعوتِ حق کے راستہ میں ہر طرح کی مادی رکاوٹیں کھڑی تھیں، منظم حکومتیں اور سوسائٹی کی نسلی طبقاتی اور معاشی تنظیمات سدِ راہ تھیں اور انہیں مادی تفوق حاصل تھا اور حکومت ان کی پشت پناہی کرتی تھی۔ ان حالات میں یہ ممکن نہ تھا کہ یہ حضرات طاقت استعمال کئے بغیر دعوت اسلامی کو دوسروں تک پہنچا سکتے اور دین حق بغیر کسی روک ٹوک کے پھیلتا چلا جاتا ہے۔

یہ خیال محض بچگانہ خام خیالی ہے کہ کوئی تحریک یہ نصب العین لے کر اُٹھے کہ وہ پورے کرۂ ارض پر تمام انسانوں کو دوسرے انسانوں کی غلامی سے نجات دلا کر رہے گی اور پھر اس کے سامنے بڑے بڑے نظاموں اور حکومتوں کی صورت میں رکاوٹیں بھی موجود ہیں اور ان باطل قوتوں سے اس کا ٹکراؤ نہ ہو اور یہ کام وہ محض وعظ وارشاد ہی سے کرتی چلی جائے، یہ کام اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ تحریک اسلامی اور لوگوں تک اسلامی نظریۂ حیات پہنچانے کے راستے میں کوئی مادی یا سیاسی رکاوٹ نہ ہو اور لوگ اس پوزیشن میں ہوں کہ وہ اس دعوت کے رد و قبول میں آزادانہ فیصلہ کر سکتے ہوں۔ ایسے حالات میں بے شک لا اکراہ فی الدین کا اصول چلتا ہے، لیکن اگر مادی، سیاسی اور معاشی قوتیں سدراہ ہو رہی ہیں تو پہلے طاقت استعمال کر کے ان کا دور کرنا ضروری ہے۔

جس تحریک کا بھی یہ مقصد ہو کہ اسے پورے کرۂ ارض پر سے تمام انسانوں کو انسانی غلامی سے نجات دینا ہے، اس کے لئے جہاد ضروری ہو جاتا ہے کیونکہ ہر معاشرہ ہمیشہ ایسی تحریک کو چیلنج کیا کرتا ہے، بشرطیکہ آزادئ انسانیت کی یہ دعوت محض فلسفیانہ وعظ و تبلیغ ہی نہ ہو، جہاد ہر حال میں ضروری ہے خواہ دارالاسلام کے پڑوسی ملک میں حالات پرامن ہوں یا پرامن نہ ہوں، کیونکہ اسلام ایسے امن کا قائل نہیں جو صرف دارالاسلام تک محدود ہو، بلکہ ایسا امن چاہتا ہے جس میں صرف

Marfat.com

اللہ کا حکم چلتا ہو اور لوگ صرف ایک خدا کی بندگی کر رہے ہوں اور ان میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ ہو، جو خود خدا بن گیا ہو۔ اس معاملے میں ہمارے لئے معیار وہ آخری مرحلہ ہے جس تک اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق تحریک اسلامی پہنچی، اس مرحلہ کی تفصیل امام ابن القیم جوزی کے بیان کے مطابق یہ ہے :۔

سورۂ توبہ کے نزول کے بعد کفار کے ساتھ آپ کا تعلق صرف تین قسم کا رہ گیا تھا، محارب، اہل عہد اور اہل ذمہ۔ اس کے بعد اہل عہد اور اہل صلح اسلام میں داخل ہو گئے۔ لہٰذا اب ان تعلقات کی صرف دو قسمیں رہ گئیں، محارب اور اہل ذمہ محاربین کی حالت یہ تھی کہ وہ ہر وقت آپ سے ڈرتے تھے، اس طرح پوری انسانیت کے ساتھ آپ کے تعلقات صرف تین قسم کے رہ گئے، اہل ایمان، اہل صلح یعنی ذمی اور محارب یعنی برسرپیکار ڈرنے والے"۔

تعلقات کی یہی قسمیں ایسی ہیں جو دین اسلام کے مزاج سے مطابقت رکھتی ہیں۔ رہے وہ لوگ جو زمانہ حاضرہ کے حالات کے سامنے ہتھیار ڈال چکے ہیں اور مستشرقین کے پرفریب پروپیگنڈے کا شکار ہیں اور دور از کار تاویلات کرتے ہیں تو وہ اس دین کے مزاج اور اس کے مقاصد کی خلاف جا رہے ہیں۔

جہاد کے مراحل

اللہ تعالیٰ نے مکہ میں مسلمانوں کو قتال اور مسلح جھڑپوں سے روکا۔ اور مدینہ میں بھی ابتداً یہی حکم رہا۔ فرمایا گیا کفوا ایدیکم واقیموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ (ہاتھ روک لو، نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔

اس کے بعد مسلمانوں کو اجازت دی گئی :۔

اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم

اجازت دیدی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے، کیونکہ وہ مظلوم ہیں

لقدیر الذین اخرجوا
من دیارھم بغیر
حق الا ان یقولوا ربنا
اللہ۔ ولولا دفع اللہ الناس
بعضھم ببعض لھدمت
صوامع وبیع وصلوت
ومساجد یذکر فیھا اسم
اللہ کثیرا، ولینصرن اللہ
من ینصرہ۔ ان اللہ لقوی
عزیز۔ الذین ان مکناھم
فی الارض اقاموا الصلوۃ
وآتوا الزکوۃ وامروا
بالمعروف ونھوا عن
المنکر وللہ عاقبۃ الامور۔
(حج ۳۹ تا ۴۱)

اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیئے گئے، صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے "ہمارا رب اللہ ہے" اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ دفعہ نہ کرتا رہے تو خانقاہیں اور گرجا اور معبد اور مسجدیں جس میں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے، سب مسمار کر ڈالی جائیں۔ اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے، اللہ بڑا طاقت ور اور زبردست ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے زکوۃ دیں گے، معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے منع کریں گے اور تمام معاملات کا انجام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالی نے حکم دیا کہ تم سے جو لوگ لڑتے ہیں صرف انہی سے لڑو، وقاتلوا الذین یقاتلونکم "ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں" اور اس کے بعد تمام مشرکین کے خلاف لڑنے کا حکم دیا گیا۔ وقاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ۔ "اور تمام مشرکین سے لڑو جیسا کہ تمام مشرکین تم سے لڑتے ہیں" ــــ چنانچہ اس سلسلے میں اصولی حکم ان الفاظ میں دیا جاتا ہے۔

قاتلوا الذین لا یؤمنون
باللہ ولا بالیوم الاخر
ولا یحرمون ما حرم اللہ

جو لوگ اہل کتاب میں سے خدا پر ایمان نہیں لاتے اور نہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو خدا اور

Marfat.com

ورسوله ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتی یعطوا الجزیة عن ید وھم صاغرون۔

اور رسول نے حرام کی ہیں اور نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں، ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔

لہٰذا ابن قیم رحمہ اللہ کے قول کے مطابق، جہاد و قتال کے مراحل یہ تھے۔
"حرام، پھر اجازت، پھر ان لوگوں سے لڑنے کا حکم جو لڑنے کا آغاز کریں، یا پھر آخری مرحلے میں تمام مشرکین سے قتال کا حکم"۔

تمام قرآنی آیات جو اس بارے میں وارد ہیں اور وہ تمام احادیث نبوی جن میں جہاد کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے اور وہ تمام واقعات جہاد جو تاریخ اسلامی کے اس طویل عرصے میں وقوع پذیر ہوتے رہے ہیں۔ سب کے سب اس بات کے شاہد ہیں کہ اسلام کے نظریہ جہاد کا وہ محدود مفہوم نہیں لیا جا سکتا، جو شکست خوردہ ذہنیت رکھنے والے یہ حضرات پیش کرتے ہیں۔ درحقیقت یہ حضرات مستشرقین کے زہریلے پروپیگنڈے کا شکار ہو چکے ہیں۔ ورنہ کوئی ذی ہوش ایسا نہ ہوگا جو قرآن کریم کی ان آیتوں اور اقوال رسول کے اس ذخیرے کو پڑھنے اور سمجھنے کے بعد اور جہاد اسلامی کی تاریخ کو سامنے رکھتے ہوئے بھی یہ خیال کر سکتا ہو کہ محض ایک عارضی واقعہ تھا، جو مخصوص حالات میں پیش آیا اور اب تو صرف دفاعی جنگ ہی لڑی جا سکتی ہے۔

جب پہلے پہل مسلمانوں کو جہاد فی سبیل اللہ کی اجازت ملی تو اسی وقت اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر یہ بیان کر دیا کہ اس دنیا کی زندگی کا فطری تقاضا اور تکوینی فلسفہ ہی یہ ہے کہ بعض لوگ بعض دوسروں کے بالمقابل سینہ سپر ہوں اور اس طرح طاقت کا توازن قائم رہ کر دنیا سے فساد ختم ہو چنانچہ آیت اذن قتال کے بعد فرمایا جاتا ہے :۔

Marfat.com

اذن للذین یقاتلون بانھم
ظلموا، وان اللہ علی نصرھم لقدیر
الذین اخرجوا من دیارھم
بغیر حق الاان یقولوا ربنا
اللہ ولولا دفع اللہ الناس
بعضھم ببعض لھدمت
صوامع وبیع وصلوٰۃ
ومساجد یذکر فیھا
اسم اللہ کثیرا۔
(حج ۴۰)

جن مسلمانوں کے خلاف لڑائی ہوئی ہے
ان کو اجازت ہے کہ وہ بھی لڑیں کیونکہ
ان پر ظلم ہو رہا ہے اور خدا ان کی مدد پر
قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اپنے گھروں
سے ناحق نکال دیئے گئے۔ الایہ کہ وہ کہتے
ہیں کہ ہمارا پروردگار خدا ہے اگر خدا لوگوں کو
ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو صومعے
اور گرجے اور عبادت خانے اور مسجدیں
جن میں خدا کا بہت سا ذکر کیا جاتا ہے گرائی
جا چکی ہوتیں۔

اسلامی نظریہ جہاد اور قتال ایک دائمی حالت ہے، محض عارضی حالت نہیں ہے، اس لئے اسلامی نظام زندگی اور باطل نظاموں کے درمیان مصالحت ہرگز نہیں ہو سکتی اور نہ ہی وہ اس زمین پر باہم مل کر اکٹھے رہ سکتے ہیں۔ جب بھی اسلام یہ مقصد لیکر اٹھا کہ زمین پر اللہ کی ربوبیت اور خدائی قائم ہو اور انسان کو انسانی غلامی سے چھڑا کر صرف اللہ وحدہ کی غلامی میں داخل کیا جائے، تو اس پر ان طاقتوں نے فی الفور حملہ کیا ہے، جنہوں نے خداوند قدوس کے حق خدائی کو غصب کر رکھا ہوتا تھا۔ ان طاقتوں نے کبھی بھی اسلام کو برداشت نہیں کیا اور اسلام بھی ہمیشہ ان طاقتوں پر حملہ آور ہوتا رہا ہے اور انہیں ختم کر کے اور ان کے از خود قائم کردہ اقتدار کو ختم کر کے، انسانوں کو اس کی غلامی سے نجات دیتا رہا ہے اور یہ حالت اس وقت تک قائم رہی جب تک اسلام پورے کرۂ ارض پر غالب اور برتر طاقت نہیں بن گیا اور "ویکون الدین کلہ للہ" کا مقصد پورا نہیں ہو گیا۔

مکۂ مکرمہ میں مسلمانوں کو جہاد و قتال سے روکنا درحقیقت ایک طویل منصوبے کا ایک مختصر مرحلہ تھا، اسی طرح، ہجرت کے بعد ابتدائی دور میں جہاد سے رکنا بھی

Marfat.com

ایک خاص مقصد کے لئے تھا، اور جہاد کا آغاز بھی صرف اس لئے نہ تھا کہ مدینہ طیبہ کو کوئی فوری خطرہ درپیش تھا اور اس کا دفیعہ ضروری تھا، اگرچہ یہ بھی ابتدائی اور ضروری مقصد تھا لیکن محض مدینہ کا بچاؤ ہی آخری اور بڑا مقصد نہ تھا بلکہ تحریک جہاد کے آغاز کے لئے ایک وسیلہ تھا کیونکہ تحریک کے مرکز کو مامون اور محفوظ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ جہاں سے تحریک کا غاز کئی دوسرے مقامات پر بھی کیا جا سکتا ہے اور اس کی راہ سے تمام رکاوٹیں دور کی جا سکتی ہیں۔

نیز مکہ مکرمہ میں جہاد و قتال سے اس لئے بھی روکا گیا تھا کہ وہاں مسلمانوں کو دعوت اسلامی اور تبلیغ و تلقین کی آزادی بہرحال حاصل تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنی ہاشم کی قوت کے بل بوتے پر کھلے بندوں اپنی دعوت پیش کرتے تھے، آپ کی دعوت لوگوں کے کانوں تک بڑی آزادی سے پہنچ رہی تھی اور ان کے دل دماغ کو متاثر کر رہی تھی، آپ اس معاشرے کے ایک ایک فرد کو دعوت دیتے تھے اور وہاں کوئی ایسی منظم سیاسی قوت موجود نہ تھی جو آپ کو اپنے افکار کی نشر و اشاعت سے روک سکتی، یا وہ لوگوں کو اس بات سے منع کر سکتی کہ وہ آپ کے ارشادات نہ سنیں۔ اس لئے ایسے حالات میں قوت کے استعمال کی ضرورت بھی نہ تھی، نیز مکی دور میں قتال سے رکنے کے کچھ اور اسباب بھی تھے، جو اس وقت موجود تھے ان کا خلاصہ میں نے، اپنی تفسیر فی ظلال القرآن میں، سورۃ النساء کی آیت کف قتال (۴:۷۷) کے ضمن میں بیان کیا ہے اور ان میں سے بعض اسباب یہ ہیں۔

(۱) "مکی دور میں قتال پر پابندی اس لئے بھی لگائی گئی کہ یہ دور دراصل ٹریننگ کا دور تھا، مخصوص حالات، ایک خاص قوم، ایک منفرد معاشرے کے درمیان یہ حکم دیا گیا، ایسے معاشرہ میں جو اپنے وقت میں بالفصل قائم تھا، ایک عرب النسان کو اس بات پر آمادہ کرنا مطلوب تھا کہ وہ ناموافق اور ناپسندیدہ صورت حال دیکھ کر اس پر صبر کرے، جب کہ عام طور پر صورت حال یہ تھی ایسے عربوں کو یا ان کے متعلقین کو ایسے حالات پیش آتے تو وہ صبر نہ کرتے تھے، یہ اس لئے بھی ضرور تھا کہ ان

Marfat.com

لوگوں کے دل دماغ سے شخصیت اور انفرادیت کے بت کو نکالا جائے اور ان کی زندگی کا محور اور محرک محض ان کی ذات یا شخصیت نہ ہو، نیز وہ اپنے اعصاب پر کنٹرول کرنا سیکھیں، اور پہلی ناخوشگواری ہی انہیں آپے سے باہر نہ کردے اور ان کی طبیعت میں اعتدال پیدا ہو جائے۔ کیونکہ عربوں کی حالت یہ تھی کہ وہ بات بات پر مشتعل ہو جاتے تھے اور اسلام یہ چاہتا تھا کہ ایک مسلم کی ہر حرکت معتدل ہو اس کی ایسی تربیت ہو جائے کہ وہ ایک ایسے منظم معاشرے کے تقاضے پورے کرنے کا عادی ہو جائے، جس کی ایک مستقل قیادت ہو اور زندگی کے تمام امور میں وہی قیادت اس کا مرجع ہو، صرف اسی قیادت کے اوامر کے مطابق وہ عمل پیرا ہو، اور اس کے اندر اطاعت کا جذبہ اس قدر پختہ ہو کہ اگر قیادت کے احکامات اس کی عادات اور طرز زندگی کے خلاف بھی ہوں تو بھی وہ اطاعت کرے، یہ وہ مقصد تھا جو ایک عربی شخصیت کی تربیت کے لئے اشد ضروری تھا، جس سے آئندہ جا کر ایک مسلم معاشرہ کی تعمیر مطلوب تھی اور جسے ایک با اختیار قیادت کے زیر نگیں ہونا تھا اور جسے ایک ترقی پذیر، مہذب اور قبائلی طوائف الملوکی سے پاک معاشرہ کی صورت میں منظم ہونا تھا۔

۲۔ نیز مکی زندگی میں جہاد کی عدم مشروعیت کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ قریش جیسے نخوت پسند اور صاحب مرتبہ خاندان کے اندر پرامن دعوت ہی زیادہ مؤثر ہو سکتی تھی، اگر ایسے مرحلے میں قریش کے ساتھ جنگ چھیڑ دی جاتی تو تمام کی تمام قوم بے حد بغض و عناد میں مبتلا ہو جاتی اور اس سے خانہ جنگی کا ایک غیر منقطع سلسلہ شروع ہو جاتا، جو اس سے پہلے جنگ "داحس" و غبراء" اور جنگ "بسوس" کی صورت میں کئی سالوں تک ہوتا رہا تھا اور جس کی لپیٹ میں آکر، قبیلوں کے قبیلے فنا ہو گئے تھے، اس طرح یہ جدید خون خرابے بھی اس نئی تحریک کے حساب میں جمع ہو جاتے اور تحریک اصلاحی ہونے کے بجائے یہ، جنگ و جدال کی ایک تحریک بن کر رہ جاتی اور اس کا مقصد اصلی نظروں ہی سے اوجھل ہو جاتا اور آئندہ کبھی اس کا نام نہ لیا جاتا۔

Marfat.com

۳۔ اس کا ایک سبب یہ بھی ہو سکتا ہے، کہ اس وقت یہ مناسب نہ تھا کہ تحریک اسلامی گھر گھر میں اختلافات اور فتنہ و فساد برپا کر دے، کیونکہ مکہ میں معروف معنوں میں کوئی منظم سلطنت موجود نہ تھی، جو مومنین پر سختیاں کر کے انہیں تکالیف پہنچاتی ہو، یہ کام اس وقت ہر خاندان اپنے طور پر کر رہا تھا، جس خاندان کا کوئی فرد مسلمان ہوتا، وہ اسے سزا دیتا اور اگر غلام ہوتا تو اس کا مالک اس کی تعذیب اور تادیب کا بندوبست کرتا، اور اگر ایسے حالات میں مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دی جاتی "تو ہر خاندان میں قتل و غارت اور جنگ و فساد شروع ہو جاتا اور مخالفین اسلام کو یہ موقع ملتا کہ وہ تحریک اسلامی پر یہ الزام لگائیں کہ یہ ہے تمہارا اسلام؟ جب کہ جنگ نہ کرنے اور مصائب و مشکلات پر صبر کرنے کے باوجود مخالفین نے اسلام پر یہ الزام لگایا کہ اس نے گھر گھر میں فساد ڈلوا دیا ہے، قریش حج کے موقع پر تاجروں، حاجیوں اور عام عربوں میں اس مضمون کا زبردست پروپیگنڈا کیا کرتے تھے کہ دیکھو محمد نے باپ بیٹے، فرد اور خاندان اور قوم کے افراد کے درمیان فتنے کے بیج بو دیئے ہیں، ان سے بچنا، لیکن اگر ایسے حالات میں آپ بیٹے کو حکم دیتے کہ وہ اپنے باپ کو قتل کر دے، غلام کو حکم دیتے کہ وہ آقا کو ختم کر دے اور ایک فرد کو قوم و قبیلہ کے خلاف ابھارتے تو ان کے پروپیگنڈا کا کیا عالم ہوتا۔

۴۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جو لوگ مکہ میں مسلمانوں کو بے حد و حساب تکالیف پہنچا رہے تھے، ان کی اکثریت بعد میں مسلمان ہو کر اسلام کا سپاہی بننے والی تھی اور اللہ تعالیٰ کو اس بات کا علم تھا کہ حضرت عمر اور خالد بن ولید جیسے لوگ ان میں موجود ہیں۔

۵۔ ایک سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عربوں کا موروثی غرور اور نخوت انہیں ہمیشہ اس بات پر آمادہ رکھتی تھی کہ وہ مظلوم کی حمایت کریں، بالخصوص ایسا مظلوم جو انتقام نہ لے سکتا ہو اور جب کہ ظلم شرفاء پر ہو رہا ہو، ابتدائی عرب معاشرے

Marfat.com

میں ہمیں کئی ایسے واقعات ملتے ہیں جو ہماری اس رائے کی تائید کرتے ہیں۔
ابن دغنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہجرت کرنے سے روکا کیونکہ وہ ایک معزز آدمی تھے۔ اس کا خیال تھا کہ ایسے شخص کی ہجرت تمام عربوں کے لئے باعث ننگ ہے۔ اس لئے انہوں نے حضرت ابوبکر کو امان دی اور اپنی حمایت کا یقین دلایا اسی جذبے کے تحت شعب ابی طالب میں بنی ہاشم کے محاصرے کی دستاویز کو ختم کردیا گیا۔ کیونکہ بعض لوگوں کو یہ ناگوار ہوا کہ شرفاء بھوک اور مصائب میں مبتلا رہیں۔ عربوں کے برعکس دوسرے معاشروں میں صورت حال یہ رہی ہے کہ ایذا رسانی پر خاموش رہنا معاشرہ میں طنز و مزاح اور ذلت و احتقار کا باعث رہا ہے اور ظالم اور موذی کو عزت کی نظروں سے دیکھا جاتا رہا ہے۔

۶۔ یہ بات بھی قرین قیاس ہے کہ مکہ میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی، پورا جزیرہ عرب ابھی دعوت سے روشناس نہ تھا، کہیں اگر دعوت پہنچی بھی تھی تو منتشر اور غیر مصدقہ اطلاعات کی شکل میں، اور دوسری طرف عربوں کی حالت یہ تھی کہ وہ قریش اور اس کے مسلم افراد کی کشمکش میں غیر جانب دار ہو گئے تھے اور انتظار کر رہے تھے اس کشمکش کا اونٹ کس کروٹ پر بیٹھتا ہے۔ اس صورت حال میں اگر جنگ کی اجازت دیدی جاتی تو مسلمان اگر اپنے آپ سے دوگنی تعداد کو بھی قتل کر دیتے پھر بھی وہ شکست کھاتے اور کفر و شرک اپنی جگہ جمے رہتے، مٹھی بھر جماعت کا ختم کرنا ان کے لئے نہایت ہی آسان کام تھا، اور اس طرح کرۂ ارض پر اسلامی نظام زندگی کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوتا اور نہ ہی اس کا کوئی واقعی وجود پایا جاتا، حالانکہ مطلوب یہ تھا کہ اسلام ایک منظم اور عملی شکل میں قائم ہو، تاکہ وہ لوگوں کے لئے ایک نمونہ ہو۔

ایک سوال

اب صرف یہ سوال ہمارے سامنے رہ جاتا ہے کہ مدینہ کے ابتدائی ایام

Marfat.com

میں جہاد و قتال کا حکم کیوں نہ دیا گیا، اس کا جواب یہ ہے کہ مدینہ آتے ہی حضور نے یہود اور حوالی مدینہ کے مشرکین کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا۔ وہ انتہائی اہمیت کا حامل تھا اولاً اس لئے کہ اس معاہدے کی رو سے اس پورے علاقے میں مسلمانوں کو تحریک اور تبلیغ کے پورے مواقع حاصل ہو گئے تھے اور وہاں کوئی حکومت یا سیاسی طاقت ایسی نہ تھی جو اس کام کے لئے رکاوٹ بن رہی ہو، اس معاہدے کے تمام شرکاء نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں چلنے والی اسلامی حکومت کو تسلیم کر لیا تھا اور تمام سیاسی امور کے فیصلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں آ گئے تھے، بیرونی طاقتوں سے، کوئی شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر، کوئی تعلق قائم نہ کر سکتا تھا اور یہ بات مسلم تھی کہ اقتدار اعلیٰ در اصل مسلمانوں کے ہاتھوں میں آ چکا ہے، دعوت کے سامنے میدان کا رکھلا تھا اور تمام باشندوں کو یہ آزادی مل گئی تھی کہ وہ جو عقیدہ چاہیں اختیار کریں، ثانیاً یہ کہ اس مرحلے پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم صرف قریش کے مقابلے میں یکسو ہونا چاہتے تھے۔ یہ لوگ در اصل تحریک اسلامی اور پورے عالم عرب کے درمیان حائل ہو گئے تھے اور دعوت کے پھیلاؤ کی راہ میں سنگ گراں تھے اور صورت حال یہ تھی کہ عالم عرب کے تمام باشندے قریش اور فرزندان توحید کے درمیان برپا اس طویل کشمکش کے فیصلے کا انتظار کر رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مدینہ آتے ہی حضور نے حملہ آور دستے بھیجنے شروع کر دیئے اور ہجرت کے صرف سات ماہ بعد ہی پہلا علم حضرت حمزہ بن عبدالمطلب نے بلند کیا۔ اس کے بعد نویں مہینے، پھر تیرھویں مہینے، پھر سولھویں مہینے اور بالآخر سترھویں مہینے کے بعد حضرت عبداللہ بن جحش کی فوج کشی ہوئی۔ یہ پہلی فوج کشی تھی جس میں کفار کے ساتھ مڈبھیڑ ہوئی اور قتل و مقاتلہ کا آغاز ہوا چونکہ یہ مقابلہ "حرام" مہینوں میں ہوا تھا اور کفار نے اس پر پروپیگنڈے کا ایک طوفان کھڑا کر دیا تھا اس لئے اس کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

Marfat.com

یسئلونك عن الشهر الحرام قتال فيه۔ قل قتال فيه كبير۔ وصد عن سبيل الله وكفر به والمسجد الحرام واخراج اهله منه اكبر عند الله۔ والفتنة اكبر من القتل ولا يزالون يقاتلونكم حتى يردوكم عن دينكم ان استطاعوا
(بقرہ ۲۱۷)

اے محمد لوگ تم سے عزت والے مہینوں میں لڑائی کرنے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ کہدو کہ ان میں لڑنا بڑا گناہ ہے اور خدا کی راہ سے روکنا اور اس کا کفر کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور اہل مسجد کو اس میں سے نکال دینا خدا کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے اور فتنہ انگیزی خونریزی سے بھی بڑھ کر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر مقدور رکھیں تو تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں۔

اس کے بعد اسی سال رمضان المبارک میں بدرالکبری کی جنگ ہوئی جس کے بارے میں سورۂ انفال نازل ہوئی۔

میرے اس نقطۂ نظر کو اگر واقعات کی روشنی میں سوچا جائے تو محض دفاع اپنے محدود معنوں میں، کبھی بھی تحریک اسلامی کا اساسی مقصد قرار نہیں پاسکتا۔ یہ تو ان لوگوں کا معذرت خواہانہ انداز تاویل ہے جو موجودہ حالات کے سامنے سپر ڈال چکے ہیں اور مستشرقین کے مکروہ اور پرفریب پروپیگنڈے سے متاثر ہیں۔

آج کل مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ ان کے ہاتھ سے اقتدار جا چکا ہے، قوت و شوکت سے وہ محروم ہو گئے ہیں اور ان کی اکثریت ایسی ہو گئی ہے کہ جس کے ہاتھ سے رشتہ اسلام تک چھوٹ چکا ہے دوسری طرف سے باطل طاقتوں نے اپنے مکروہ پروپیگنڈے کا طوفان برپا کر رکھا ہے کہ اسلام طاقت کے زور سے پھیلا ہے، ایسے حالات میں قدرتی طور پر بعض لوگ اس پروپیگنڈے

Marfat.com

کا شکار ہو گئے ہیں اور وہ دور اول میں اسلام کے اس حیرت انگیز پھیلاؤ کے جواز کے لئے دفاعی اسباب و عوامل کا سہارا لیتے ہیں اور اس طرح وہ اسلام کے نظریہ جہاد کے لئے اخلاقی جواز تلاش کرتے ہیں، حالانکہ اسلام کے انقلابی عمل کو جائز ثابت کرنے کے لئے ہمیں قرآنی نصوص کے علاوہ کسی اور اخلاقی جواز کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ اس بارے میں صرف ان لوگوں کا موقف جاندار ہے جو یہ کہتے ہیں اور اس پر اصرار کرتے ہیں کہ ہم اسلام کے اس اعلان کو پورا کر کے رہیں گے کہ اس پورے کرۂ ارض پر سے تمام انسانوں کو انسانی سلطنتوں کی غلامی سے نجات دی جائے اس بارے میں قرآنی آیات بالکل واضح ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

فلیقاتل فی سبیل اللہ الذین یشرون الحیوۃ الدنیا بالاخرۃ۔ ومن یقاتل فی سبیل اللہ فیقتل او یغلب فسوف نؤتیہ اجراً عظیما۔ وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیراً۔ الذین آمنوا یقاتلون فی سبیل اللہ والذین کفروا یقاتلون فی سبیل الطاغوت فقاتلوا اولیاء الشیطان، ان کید الشیطان کان ضعیفا۔

(النساء ۷۴-۷۶)

اور جو لوگ آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی کو بیچنا چاہتے ہیں ان کو چاہیئے کہ خدا کی راہ میں جنگ کریں اور جو شخص خدا کی راہ میں جنگ کرے پھر شہید ہو جائے یا غلبہ پائے ہم عنقریب اس کو بڑا ثواب دیں گے۔

اور تم کو کیا ہوا ہے کہ خدا کی راہ میں اور ان بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو دعائیں کیا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہم کو اس شہر سے جس کے رہنے والے ظالم ہیں نکال کر کہیں اور لے جا اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا اور اپنی ہی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار مقرر فرما۔ جو مومن ہیں وہ تو خدا کے لئے لڑتے ہیں اور جو کافر ہیں وہ

Marfat.com

بتوں کے لئے لڑتے ہیں سو تم شیطان کے
مددگاروں سے لڑو کیونکہ شیطان کا داؤ
بودا ہوتا۔

قل للذین کفروا ان ینتھوا
یغفرلھم ما قد سلف، وان یعودوا
فقد مضت سنۃ الاولین۔ وقاتلوھم
حتی لاتکون فتنۃ ویکون الدین کلہ
للہ فان انتھوا فان اللہ بما یعملون
بصیر۔ وان تولوا فاعلموا ان اللہ مولاکم
نعم المولی ونعم النصیر"
(الانفال ۔ ۳۸ ۔ ۴۰)

کفار سے کہدو کہ اگر وہ اپنے افعال
سے باز آجائیں تو جو ہو چکا وہ انہیں معاف
کر دیا جائے گا اور اگر پھر وہی کرنے لگیں
گے تو اگلے لوگوں کا جو سلوک ہو چکا ہے
وہی ان کے حق میں بھی برتا جائے گا
ان لوگوں سے لڑتے رہو یہاں تک کہ
فتنہ باقی نہ رہے اور دین سب کا سب
خدا ہی کا ہو جائے اور اگر باز آجائیں تو
خدا ان کے کاموں کو دیکھ رہا ہے اور اگر
روگردانی کریں تو جان رکھو کہ خدا تمہارا حمایتی
ہے اور وہ خوب حمایتی اور خوب مددگار ہے۔

قاتلوا الذین لا یومنون باللہ ولا
بالیوم الاخر، ولا یحرمون ما حرم
اللہ ورسولہ، ولا یدینون دین الحق
من الذین اوتوا الکتاب حتی یعطوا الجزیۃ
عن ید وھم صاغرون۔ وقالت الیھود
عزیز ابن اللہ، وقالت النصاری المسیح
ابن اللہ۔ ذلک قولھم بافواھھم
یضاھئون قول الذین کفروا من

جو لوگ اہل کتاب میں سے خدا پر ایمان
نہیں لاتے اور نہ ہی روز آخرت پر یقین
رکھتے ہیں اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں
جو خدا اور اس کے رسول نے حرام کی
ہیں اور نہ ہی دین حق کو قبول کرتے ہیں،
ان سے جنگ کرو، یہاں تک کہ ذلیل
ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور یہود
کہتے ہیں کہ عزیر خدا کے بیٹے ہیں اور عیسائی

Marfat.com

قیل قاتلھم اللہ انی یوفکون
اتخذوا احبارھم و رھبانھم
اربابا من دون اللہ والمسیح ابن
مریم وما امروا الا لیعبدوا
الٰھا واحدًا لا الٰہ الا ھو،
سبحانہٗ عما یشرکون۔ یریدون
لیطفئوا نور اللہ بافواھھم،
ویابی اللہ الا ان یتم نورہٗ ولو
کرہ الکافرون۔
(التوبہ ۲۹-۳۲)

کہتے ہیں کہ مسیح خدا کے بیٹے ہیں یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں۔ پہلے کافر بھی اسی طرح کی باتیں کیا کرتے تھے، یہ بھی انہی کی ریس کرتے ہیں۔ خدا ان کو ہلاک کرے یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ اور مسیح بن مریم کو اللہ کے سوا خدا بنا لیا ہے حالانکہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ خدائے واحد کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ خدا کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں اور خدا اپنے نور کو پورا کئے بغیر رہنے کا نہیں اگرچہ کافروں کو برا ہی لگے۔

اسلام کے نظریۂ جہاد کے لئے صحیح اخلاقی جواز

حقیقت یہ ہے کہ اس زمین پر اللہ کی حکومت قائم کرنا، لوگوں کی زندگیوں میں اسلامی نظام حیات نافذ کرنا اور طاغوتی طاقتوں کا مقابلہ کرنا ہی وہ کافی وجوہ جواز ہیں، جو اسلام کے نظریۂ جہاد کی صحت پر دلیل ہیں، اسلامی نظام زندگی میں جہاد اس لئے مشروع ہوا ہے کہ ان لوگوں کے اقتدار کو ختم کیا جائے جنہوں نے اس دنیا میں اللہ کی مخلوق کو غلام بنا رکھا ہے، اسلام کسی کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ کرۂ ارض پر اپنی مرضی سے قوانین نافذ کرے، اسلام اقتدار اعلیٰ کو ہر حال میں

Marfat.com

صرف اللہ کے لئے مخصوص کرنا چاہتا ہے۔ اللہ کے اقتدارِ اعلیٰ کے سائے میں پھر لوگوں کو آزادی دی جاتی ہے کہ وہ جو عقیدہ چاہیں اختیار کریں۔ یہی مقصد ہے لا اکراہ فی الدین کا۔ پس صرف یہی ایک وجہ جواز ہی اسلامی نظریہ جہاد کے لئے کافی شافی ہے اور ہمیں ضرورت نہیں ہے کہ ہم اس کے علاوہ کوئی اور وجوہ جواز تلاش کریں۔ صحابہ کرامؓ کے دلوں میں یہ بات اس قدر جاگزیں ہو گئی تھی کہ ان میں سے کسی ایک نے بھی کبھی یہ سوال نہیں اٹھایا کہ مسلمان جہاد کے لئے کیوں نکل پڑے، انہوں نے کبھی بھی اس نہج پر نہیں سوچا "ہم اپنے ملک کی حفاظت کر رہے ہیں کیونکہ اس کی سلامتی خطرے میں ہے" یا یہ کہ ہم اپنے گھروں سے اس لئے نکلے ہیں کہ ہمیں فارس اور روم سے حملوں کا خطرہ ہے یا ہم اس لئے نکلے ہیں کہ ہم تمام دنیا کے اموال سمیٹ لیں اور اپنے مقبوضات کا دائرہ وسیع کرتے چلے جائیں۔ کسی صحابی نے کبھی ان خطوط پر نہیں سوچا۔

صحابہ کرام کا نقطۂ نظر، حضرت ربعی بن عامر، حضرت حذیفہ بن محصن اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم کے ایک تاریخی جواب سے خوب واضح ہوتا ہے۔ یہ جواب انہوں نے قادسیہ میں فارسیوں کے کمانڈر انچیف کے سامنے پیش کیا، جنگ شروع ہونے سے قبل مسلسل تین دن وہ ان بزرگوں سے پوچھتا رہا کہ آپ لوگ کیا چاہتے ہیں اور کیوں نکلے ہیں؟ اور اسے ہر دفعہ یہ جواب ملتا رہا۔ "اللہ نے ہمیں اس لئے برپا کیا ہے کہ اپنے بندوں میں سے جسے وہ انسانوں کی غلامی سے نکالنا چاہے، ہم اسے غلامی سے چھڑالیں اور صرف ایک اللہ ہی کی غلامی میں داخل کریں، اسے ایک تنگ دنیا سے نکال دیں اور ایک وسیع جہان کی طرف لے آئیں، اور باطل نظامہائے زندگی کے ظلم وستم سے اسے نجات دیں اور اسلامی نظام زندگی کے عدل وانصاف میں داخل کر دیں، اس غرض کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک رسول کو مبعوث فرمایا، اسے اپنا تجویز کردہ نظام زندگی دیا، ہم اسی نظام کو لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں جو اسے قبول

Marfat.com

کرتا ہے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں اور واپس لوٹ جاتے ہیں اور جو انکار کرتا ہے ہم اس سے لڑتے ہیں یہاں تک کہ یا تو ہم جنت تک رسائی حاصل کرلیں اور یا پھر فتح یاب ہو جائیں"۔

بلکہ میں کہوں گا کہ اسلامی نظام حیات کا مزاج ہی دراصل حقیقی وجہ جواز ہے۔ یہ نظام، مقررہ مراحل کے مطابق، اپنے پورے وسائل لے کر تمام باطل نظاموں کو چیلنج کرتا ہے اور اس کا یہ چیلنج اس بات پر موقوف نہیں ہے کہ دارالاسلام کو کوئی بیرونی خطرہ لاحق ہو، اسلامی نظام زندگی کا مزاج اس کی واقعیت پسندی اور اس کے مقابلے میں موجودہ باطل نظاموں کی کھڑی ہوئی رکاوٹوں کا یہ قدرتی نتیجہ ہے کہ وہ عملی جہاد شروع کر دے، اس کے نظریہ جہاد کے لئے دفاعی اسباب کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

بلکہ میں کہوں گا کہ صرف یہ بات کہ ایک مسلم اپنے مال اور اپنی جان کو لے کر اللہ کی راہ میں نکل جاتا ہے، جہاد کرتا، اعلیٰ اقدار کی خاطر لڑتا ہے، اور اس کے تمام کام سے اس کی کوئی ذاتی غرض وابستہ نہیں ہوتی۔ صرف یہی کافی ہے۔ میں سمجھتا ہوں اسلام کے نظریہ جہاد کے جواز کے لئے صرف یہی عدیم المثال بے لوثی ہی کافی وجہ جواز ہے۔

مسلمان جب کفار کے مقابلے میں کسی معرکے میں اترتا ہے تو وہ اس سے پہلے خود اپنے نفس کے خلاف ایک بہت بڑا معرکہ سر کر چکا ہوتا ہے۔ یہ جہاد اکبر خود نفس شیطان کے خلاف ہوتا ہے، خود اپنی خواہشات اور شہوات کے خلاف ہوتا ہے، اپنی امیدوں اور مرغوبات کے خلاف ہوتا ہے، خود اپنی ذات، اپنی قوم اور اپنے خاندان کی مصلحتوں کے خلاف ہوتا ہے، جائز زیب و زینت کے سوا تمام زیبائشوں کے خلاف ہوتا ہے اور جہاد کے محرکات کے سوا تمام محرکات کے خلاف ہوتا ہے، غرض اس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ اس زمین پر اللہ کی حکومت قائم کی جائے اور اس کے حقوق سلطنت پر دست درازی

Marfat.com

کرنے والے تمام طاغوتوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے۔

جو لوگ نظریۂ جہاد اسلامی کے اخلاقی جواز کے لئے صرف دارالاسلام کی حفاظت کے اسباب و وجوہ تلاش کرتے ہیں، انہوں نے دراصل نظام اسلامی کی صحیح قدر وقیمت کا اندازہ ہی نہیں لگایا، وہ اس نظام کو ایک وطن سے بھی کم تر درجے کی کوئی چیز سمجھتے ہیں، حالانکہ اسلامی نقطۂ نظر سے یہ خیال درست نہیں ہے، یہ بالکل ایک نیا تصور ہے جو اسلامی تصور پر غالب ہو رہا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام پہلے عقیدے کو اہمیت دیتا ہے۔ پھر اس نظام کو جو اس عقیدے پر مبنی ہوتا ہے اور پھر اس معاشرے کو جس میں وہ نظام قائم ہوتا ہے۔ یہی چیزیں اسلامی تصور حیات میں اہمیت کی حامل ہیں...... باقی رہی صرف کوئی سرزمین تو بذات خود اسلام میں اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ کسی اسلامی سرزمین کو اہمیت صرف اس وجہ سے حاصل ہوتی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی حکومت قائم ہوتی ہے اور وہ اسلامی عقیدے کا گہوارا اور اسلامی نظام حیات کے لئے ایک کھیت کی حیثیت اختیار کر کے، دارالاسلام قرار پاتی ہے اور "تحریک آزادی انسان" کے لئے مرکز بن جاتی ہے۔

دارالاسلام کی حفاظت بھی اس لئے ہوتی ہے کہ اس عقیدے، اس نظام حیات اور اس معاشرے کی حفاظت ہو، جو اس دارالاسلام میں قائم ہوتا ہے۔ بذات خود دارالاسلام کوئی مستقل بالذات مقصد نہیں اور نہ تحریک جہاد اسلامی کا منتہائے نظر صرف دارالاسلام کی حفاظت ہی ہے۔ اس کی حفاظت تو محض اس لئے کی جاتی ہے کہ وہاں حکومت الٰہیہ کا قیام عمل میں لایا جا سکے اور اس کے بعد تمام روئے زمین پر پھیلنے اور تمام بنی نوع انسانی تک دعوت اسلامی کو پہنچانے کیلئے اسے مرکز بنایا جا سکے۔ اس طرح گویا پوری انسانیت اس دین کا موضوع ہے اور پورا کرۂ ارض اس کا میدان کار ہے۔

جیسا کہ اس سے پہلے ہم کہہ چکے ہیں، جب بھی دین کو پھیلانے کا کام

Marfat.com

شروع ہوگا اس کے راستے میں اس وقت کی سیاسی طاقت، اس وقت کے موجودہ اجتماعی نظام اور اس وقت کے معاشروں کی عادات واطوار کی جانب سے مادی رکاوٹیں کھڑی کر دی جاتی ہیں۔ پھر اسلام بھی، ان تمام چیزوں کو اپنی قوت کے بل بوتے پر اپنے راستے سے ہٹاتا ہے تاکہ وہ براہ راست لوگوں کو اپیل کرسکے، ان کے ضمیر اور ان کے افکار کو مخاطب کرسکے اور تبلیغ دین اور انسانوں کے درمیان کوئی مادی رکاوٹ نہ رہے اور اس کے بعد انہیں اختیار دیا جائے کہ وہ اسلامی عقیدے کو قبول کرتے ہیں یا نہیں۔

ہمیں اسلام کے نظریۂ جہاد کے بارے میں، کسی سے مرعوب نہ ہونا چاہیئے اور نہ ہی مستشرقین کی وسوسہ اندازیوں سے متاثر ہونا چاہیئے، موجودہ بین الاقوامی حالات سے دب کر، اسلام کے نظریۂ جہاد کی جدید تعبیر کرنا مناسب نہیں ہے۔ اس سے اس کی روح ختم ہو جائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ حالات اور واقعات جن کا تعلق وقتی دفاع سے تھا، اگر وہ نہ بھی ہوتے تو بھی مسلمان اسی طرح جہاد کرتے جس طرح انہوں نے ان حالات کے ہوتے ہوئے کیا۔

براہ راست مطالعہ

ہمیں صرف اسلامی نظام حیات کا تاریخی جائزہ لینا چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے کہ وہ کن کن امور کو اولیت دیتا ہے، اس کا مزاج کیا ہے اور وہ کس چیز کا اعلان کرتا ہے۔ اس کا طریق کار کیا ہے، ان تمام امور کے بارے میں کوئی حتمی فیصلے کرتے وقت ہمیں وقتی اور دفاعی اقدامات اور دائمی نصب العین میں فرق کرنا چاہیئے۔

یہ بات اپنی جگہ بالکل درست کہ یہ دین حملہ آوروں کا دفاع بھی کرتا ہے کیونکہ جاہلیت کسی حال میں بھی اسے برداشت نہیں کرسکتی، محض یہ اعلان

Marfat.com

ہی جاہلیت کے لئے ایک بڑا چیلنج ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اور الٰہ نہیں ہے اس کے سوا کوئی انسان کسی کا غلام نہیں ہے، پھر خالی خولی اعلان ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ایک قیادت کے تحت عملی تحریک بھی منظم کرنا اور بالکل ایک نئے اور ممتاز معاشرہ کی بنیاد رکھنا، جو سیاسی لحاظ سے اللہ کے سوا تمام حاکمیتوں کا انکار کرتا ہو، یہ سب چیزیں ہمیشہ جاہلیت کے لئے ناقابل برداشت ہوتی ہیں۔ غرض اسلامی نظام زندگی کا وجود ہی اپنی اس تاریخی صورت میں، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پیش کیا تھا، اس بات کے لئے کافی تھا کہ، اس وقت کے تمام جاہلی معاشرے اس کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں، جن کی بنیاد ہی اس بات پر تھی کہ انسان انسان کی غلامی کرے اور کوشش کرکے اس دین کو ختم کریں اور اپنے وجود کا دفاع کریں۔ ان حالات میں اسلامی نظام زندگی کے لئے بھی یہ ضروری تھا کہ وہ اپنا دفاع کرے اور پر خطر حالات میں بچاؤ کی تدابیر اختیار کرے۔ یہ ایک ناگزیر ضرورت تھی، اسلام کے وجود کے ساتھ اس کا دفاع بھی ضروری تھا۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ کوئی نئی ابھرنے والی طاقت فوراً ہی اقدامی پوزیشن حاصل کرلے لہٰذا ایک دور ایسا بھی ہوتا ہے جس میں اپنا دفاع کرنا پڑتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اسلام ابدالآباد تک اپنا دفاع ہی کرتا رہے۔ بلکہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اسلام کے وجود کا تقاضا ہی یہ ہے کہ وہ مناسب حالات میں، آگے بڑھے اور پوری انسانیت کو غیراللہ کی غلامی سے رہائی دلائے، اس معاملہ میں اسلام کسی جغرافیائی حدبندی کا قائل نہیں ہے، یہ اسلام کے مزاج کے خلاف ہے کہ پوری انسانیت کو جہالت اور گمراہی کے اندھیرے میں بھٹکتا اور ظلم وستم میں پستا چھوڑ کر صرف ایک نسل یا ایک مخصوص قوم کی اصلاح پر قانع ہو جائے۔

بعض اوقات ایسے حالات بھی آسکتے ہیں کہ جاہلیت کے حامی نظام اسلام کے بارے میں نرم رویہ اختیار کرتے ہیں اور اس پر حملہ آور نہیں ہوتے اور اسلام

Marfat.com

بھی انہیں ان کے جغرافیائی حدود کے اندر آزاد چھوڑ دیتا ہے تاکہ وہ انسانوں کو غلام بنا کر ان پر حکمرانی کریں اور مداخلت نہیں کی جاتی اور نہ ہی تحریک اسلامی کو ان حدود تک وسیع کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ وقفہ عارضی ہوتا ہے، اصل پالیسی یہی ہوتی ہے کہ اسلام ان جاہلی معاشروں کے ساتھ اس وقت تک مصالحت نہیں کرتا، جب تک وہ اسلام کے اقتدار اعلیٰ کے سامنے سر تسلیم خم نہ کریں اور جزیہ ادا کر کے یہ ثبوت فراہم نہ کر دیں کہ ان کے ملک کے دروازے تحریک اسلامی کے لئے کھلے ہیں اور ان کے حدود میں قائم حکومت، اسلام کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہے۔ یہ ہے اس دین کا مزاج اس کی اصل غرض و غایت یعنی تمام انسانیت کو غیر اللہ کی غلامی سے چھڑا کر صرف اللہ کی غلامی میں داخل کرنا۔

دین اسلام کے اس تصور اور اس تصور کے درمیان میں زمین و آسمان کا فرق ہے جو اسے ایک محدود علاقے کے اندر بند کر کے رکھ دیتا ہے، اگر ہم اسلام کے اس محدود تصور کو اپنا لیں تو پھر اس صورت میں ہمارے لئے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ قرن اول میں اسلام کی وسعت پذیری کے لئے وجوہ جواز تلاش کریں۔

لیکن اگر ہمارے سامنے اسلامی نظام زندگی کا تصور یہ ہے کہ اسلام تمام انسانوں کے لئے، اللہ کا تجویز کردہ نظام زندگی ہے اور اس کا تعلق انسانوں کے کسی خاص گروہ اور نسل سے نہیں ہے تو اسلام کی وسعت پسندی کی حقیقی وجوہات خود بخود ہمارے سامنے آجاتی ہیں، اور جب تک یہ حقیقت ہمارے ذہنوں سے اوجھل رہتی ہے، ہم اس وسعت پذیری کے لئے خارجی اسباب تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ حالانکہ مسئلہ کی اصلیت صرف اس قدر ہے کہ اسلام کا نصب العین پوری انسانیت کی حریت اور اللہ کی غلامی ہے اور جس کسی کے ذہن میں یہ حقیقت بیٹھ جائے اسے کسی اور اخلاقی جواز کے تلاش کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔

Marfat.com

دو نقطہ ہائے نظر

اسلام کے نظریہ جہاد کے بارے میں دو نقطہ ہائے نظر پائے جاتے ہیں، ایک یہ کہ اسلام مجبور تھا کہ وہ معرکہ جہاد میں کود پڑے کیونکہ جاہلی معاشرے اس کو مٹانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے، دوسرا تصور یہ ہے کہ اسلام از خود اقدام کرتا ہے اور معرکہ جہاد میں داخل ہوتا ہے۔ اگرچہ ابتدائی دور میں ان دونوں تصورات کے درمیان امتیاز کرنا دشوار نظر آتا ہے کیونکہ دونوں صورتوں میں اسلام کو معرکہ جہاد میں کودنا پڑتا ہے لیکن آگے جا کر دونوں میں فرق واضح ہو جاتا ہے، جس سے اسلام کے بارے میں مسلمانوں کے نقطۂ نظر اور احساس و شعور میں بڑی تبدیلی واقع ہوتی ہے اور اس کے دور رس نتائج مرتب ہوتے ہیں۔

دوسرے نقطۂ نظر کے مطابق اسلام ایک ایسا نظام زندگی بن جاتا ہے جسے خود اللہ تعالیٰ نے تجویز کیا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ پوری انسانیت اللہ کی بندگی میں داخل ہو، انسانوں پر صرف اللہ کا حکم چلے اور اس کی شریعت ملک کا قانون ہو اور الوہیت کا مستحق صرف اللہ ہو، جب اسلام کے بارے میں یہ نقطۂ نظر اختیار کیا جائے تو پھر یہ اس کا طبعی حق ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے راستے میں حائل ہونے والی تمام مشکلات کو دور کرے تاکہ وہ براہِ راست لوگوں کی عقل و شعور اور وجدان کو اپیل کر سکے، اور اس کی راہ میں کوئی سیاسی نظام یا اور کوئی مصنوعی رکاوٹ حائل نہ ہو سکے اور نہ ہی لوگوں کی اجتماعیت رکاوٹ بن سکے۔ اسلام کے اس جامع تصور اور اس تصور کے درمیان بہت بڑا فرق ہے، جس کی رو سے اسے ایک علاقائی اور مقامی تصور کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اگر ہم اسے ایک علاقائی نظام سمجھیں تو پھر اس کا حق صرف یہ رہ جائے گا کہ وہ اپنے ان علاقائی حدود کے اندر اپنے وجود اور اپنی بقا کے لئے مدافعت کرے

سکے۔ اسلام کے یہ دونوں تصورات نظریۂ جہاد پر اثر انداز ہوتے ہیں اگرچہ بظاہر دونوں میں کوئی خاص فرق نظر نہیں آتا۔ دونوں صورتوں میں مسلمانوں کو معرکہ جہاد میں کودنا پڑتا ہے لیکن دونوں تصورات کے نتیجے میں نظریۂ جہاد کی نوعیت اور حقیقت بدل جاتی ہے۔

جب اسلام کسی ایک قوم اور نسل کا دین نہیں ہے تو پھر اس کا یہ فطری حق ہے کہ وہ متحرک ہو، کیونکہ وہ ایک الٰہی نظام ہے اور پورے جہان کے لئے ہے۔ لہٰذا اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ آگے بڑھے اور زندگی کے باطل نظاموں کو ختم کردے، غلط اوضاع واطوار کے پردوں کو چاک کردے اور ان بندشوں کو ختم کردے جنہوں نے عوام الناس سے آزادانہ رد وقبول کے اختیار کو سلب کر رکھا ہے۔ اس معاملے میں اسلام نے صرف یہ احتیاط برتی ہے کہ وہ کسی ایک فرد پر جبر نہیں کرتا اور اسے کسی خاص عقیدے کے اختیار کرنے کے لئے مجبور نہیں کرتا۔ بلکہ وہ زندگی کے اجتماعی نظم اور اجتماعی عادات واطوار پر حملہ آور ہوتا ہے تاکہ زندگی پر اثر انداز ہونے والے غلط اثرات سے افراد کو محفوظ رکھا جاسکے جو انسان کی فطرت کو بگاڑ کر اس کی آزادی کو سلب کرلیتے ہیں۔

اسلام کا یہ حق ہے کہ وہ لوگوں کو غیر اللہ کی غلامی سے نکال کر صرف اللہ کی غلامی میں داخل کرے اور اپنے اس مطمح نظر کو ایک حقیقت بنادے کہ اللہ کے سوا کوئی رب اور آقا نہیں ہے اور تمام لوگ اب جھوٹے آقاؤں کی غلامی سے آزاد ہیں، یہ کام صرف اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ اس دنیا میں اسلامی نظام زندگی قائم ہو، کیونکہ صرف یہی ایک نظام ہے جس میں اللہ تعالیٰ ہی تمام انسانوں کے لئے قانون سازی کرتا ہے، خواہ وہ انسان حکمران ہوں یا محکوم ہوں، سفید رنگ ہوں یا سیاہ فام ہوں، دور کے رہنے والے ہوں یا قریب کے رہنے والے ہوں، فقیر ہوں یا امیر ہوں، غرض ایک ہی قسم کی قانون سازی ہے جس کے سامنے سب کے سب سر تسلیم خم کئے ہوتے ہیں، جب کہ اسلام کے

Marfat.com

سوا، تمام دوسرے نظاموں میں حالت یہ ہے کہ بعض انسان دوسرے انسانوں کی بندگی کر رہے ہیں، کیونکہ ان کے لئے انسان قانون بناتے ہیں، اور قانون سازی دراصل اُلوہیت کا ایک اہم خاصہ ہے، جو شخص بھی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اسے انسان کے لئے قانون سازی کا حق ہے تو وہ دراصل ربوبیت کا دعویدار ہے، خواہ وہ اپنے اس دعویٰ کا صریح الفاظ میں اعلان کرے یا نہ کرے اور جو شخص بھی کسی ایسے شخص کے دعوی کو تسلیم کر لیتا ہے وہ دراصل اسے اپنا الٰہ مان لیتا ہے خواہ وہ اس کا اعلان کرے یا نہ کرے۔

یہ بات اچھی طرح یاد رکھئے کہ اسلام محض فلسفہ اور نظریہ نہیں ہے کہ وہ فقط وعظ و بیان پر اکتفاء کرے اور اپنے تصورات کو لوگوں کے گوش گذار کر دے۔ بلکہ وہ ایک اجتماعی نظام زندگی ہے اور بڑی قوت اور زور سے آگے بڑھ کر لوگوں کو غیر اللہ کی غلامی سے آزاد کرنا چاہتا ہے اور دوسرے اجتماعی نظام اس کے اہل نہیں ہیں کہ وہ انسانوں کی اجتماعی زندگی کی تنظیم ان خطوط پر کر سکیں جو اسلام کو مطلوب ہیں۔ اس لئے اسلام اپنے آپ کو اس میں حق بجانب سمجھتا ہے کہ وہ ان باطل نظاموں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے تاکہ وہ انسان کی حریت فکر کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکیں۔ یہی مفہوم ہے یَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ کا۔ یعنی اسلامی نظام میں قانون سازی اور حاکمیت کے اصلی اختیارات صرف اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہوتے ہیں۔

زمانہ حال کے بعض اہل قلم اسلامی نظام زندگی کی اس خصوصیت کو نہیں پا سکے اور اسلام کے نظریہ جہاد کو محض دفاعی نظریہ قرار دیتے ہیں، یہ لوگ مستشرقین کے اس پروپیگنڈے سے دب گئے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے اور وہ بجبر لوگوں کو مسلمان کرتا ہے۔ اپنی جگہ مستشرقین اسلامی نظام کی حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں لیکن ان کا مقصد یہ ہے کہ اسلام کے نظریہ جہاد کی حقیقت کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کر دی جائیں، اس صورت حال کے مقابلے میں یہ اہل قلم اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور ان سوالات کا جواب دیتے

Marfat.com

ہیں اور ان کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار ہی نہیں ہوتا کہ وہ دفاعی جنگ کے وجوہ واسباب تلاش کریں۔ یہ حضرات اسلام کے مزاج اور اس کے نصب العین کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں حالانکہ اسلامی نظریۂ حیات کی رو سے اسلام کا یہ فرض ہے کہ وہ اقدام کرے نہ کہ دفاع۔ ان شکست خوردہ اہل قلم کے دل و دماغ میں مذہب کا مغربی تصور اس قدر راسخ ہو چکا ہے کہ وہ اسلامی نظام زندگی کو بھی ایک مذہبی عقیدہ سمجھتے ہیں، جسے زندگی کے عملی اور اجتماعی نظام سے کوئی سروکار نہ ہو، اس لئے دینی جہاد (Holy War) کے معنے ان کی نظروں میں صرف یہ رہ جاتے ہیں کہ لوگوں کو دین میں داخل کرنے کے لئے جہاد کیا جائے اور ان پر ایک خاص عقیدہ مسلط کیا جائے، حالانکہ صورت حال بالکل اس کے برعکس ہے، اسلام پوری زندگی کے لئے ایک مکمل نظام حیات ہے اور اس کی اساس اس عقیدے پر ہے کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے جو خود حاکم اور فرمانروا بھی ہے اور اس نے یہ مکمل نظام پوری انسانیت کے لئے تجویز کیا ہے اور اس کے لئے جہاد کے معنے یہ ہیں کہ انسانوں پر اس نظام کو نافذ کیا جائے۔ رہا یہ کہ کوئی اسلامی عقائد کو اپناتا ہے یا نہیں تو یہ بالکل اس کے آزادانہ اختیار تمیزی پر موقوف ہے۔ البتہ یہ بات ضروری ہے کہ آزادانہ غور و فکر کے لئے اسے آزاد فضا میسر ہو اور ایسی فضا میسر ہونے کے لئے اسلامی نظام زندگی کا نفاذ ضروری ہے، یہ ہے مذہب کا وہ حقیقی اسلامی تصور جو مذہب کے مغربی تصور سے بالکل مختلف ہے۔

اسلامی معاشرے کے ظہور کے بعد اور اس میں اسلامی نظام زندگی کے قیام کے بعد، اللہ تعالیٰ اس معاشرے کو یہ اختیار دیتا ہے کہ وہ آگے بڑھے اور اقتدار پر قابض ہو اور اس نظام کو پورے کرۂ ارض پر جہاں تک ممکن ہو، نافذ کر دے۔ رہا یہ کہ شعوری طور پر کوئی اس نظام زندگی کو قبول کرتا ہے یا نہ تو اس میں ہر کوئی آزاد ہے۔ حالات اور مواقع کے اعتبار سے بعض اوقات

یوں بھی ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد بالسیف سے روکا ہے، لیکن یہ مستقل پالیسی نہ تھی بلکہ وقتی حالات اور مصالح کا تقاضا تھا۔ تحریک کے عملی تقاضوں کی بنا پر ایسا کیا گیا۔ ہم نے اس مضمون میں مختلف ادوار کی آیات پر بحث کرکے ان کا مفہوم متعین کر دیا ہے۔ اس کی روشنی میں ہمیں چاہیئے کہ وہ پالیسیاں جو مختلف مواقع پر طے ہوئیں اور وہ نظریہ اور نصب العین جو ابدالآباد کے لئے طے ہوا ہے، ان کے درمیان فرق کریں اور وقتی احکامات کے پیش نظر دائمی احکامات کو پس پشت نہ ڈالیں۔

Marfat.com

لاالہ الا اللہ ایک نظام زندگی ہے

بالآخر میں یہ بھی کہوں گا کہ آج کل کے نام نہاد مسلم معاشرے بھی دراصل جاہلی معاشرے ہیں، اس مفہوم میں نہیں کہ وہ اللہ کے سوا کسی اور کو الٰہ سمجھتے ہیں نہ ہی ان معنوں میں کہ وہ اللہ کے سوا کسی اور کی پوجا کرتے ہیں بلکہ اس لئے کہ وہ اجتماعی نظام زندگی میں اللہ کی بندگی نہیں کر رہے۔ صرف اللہ کو اپنا الٰہ اور حاکم نہیں سمجھتے۔

Marfat.com

لا الٰہ الا اللہ ایک نظام زندگی ہے

کلمہ طیبہ میں جس نظریۂ حیات کا ذکر ہوا ہے اس کے پہلے حصے کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی حاکم نہیں ہے لہٰذا اس کے سوا کسی اور کی بندگی اور اطاعت جائز نہیں ہے اور اس کلمے کے دوسرے حصے میں یہ سمجھایا گیا ہے کہ اللہ کی اطاعت اور بندگی کا صحیح طریقہ وہی ہے جس کی تعلیم محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔ جس شخص کے دل و دماغ میں کلمہ طیبہ اپنے ان دونوں اجزاء کے ساتھ جاگزیں ہو جائے اور وہ اس پر یقین رکھتا ہو، وہ مومن ہے جب تک انسان کے ذہن میں کلمہ طیبہ کے یہ دونوں حصے نہیں بیٹھ جاتے اس وقت تک وہ مومن نہیں کہلا سکتا۔ یہ کلمہ ہی ایمان کی اساس ہے اس کے سوا جس قدر ایمانیات بھی ہیں یا جو ارکان اسلام بھی فرض کئے گئے ہیں وہ دراصل اسی کلمۂ طیبہ کے مقتضیات ہیں۔ مثلاً ملائکہ، کتابوں، رسولوں، یوم آخرت اور تقدیر پر ایمان اور نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی فرضیت۔ نیز حدود و قصاص، حلال و حرام، تعزیرات اور تمام دوسرے شرعی معاملات و ہدایات، اسی اصول اور نظریۂ حیات کے تقاضے ہیں کہ اللہ ہی الٰہ ہے اور تمام انسانوں نے اسی کی بندگی کرنی ہے اور بندگی کی تفصیلی صورت وہی ہے جو اسوۂ رسول کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔

جس معاشرے میں یہ نظریۂ حیات قائم ہو وہ اسلامی معاشرہ کہلاتا ہے، اسلامی نظریۂ حیات پر یقین اور اسلامی نظام زندگی کے قیام کے بغیر ہم کسی معاشرہ

Marfat.com

کو اسلامی معاشرہ نہیں کہہ سکتے اسلامی نظام زندگی کا اصل الاصول یہ ہے کہ ایک مسلم کلمۂ شہادت کا اقرار ان معنوں میں کرے اور پھر اپنی پوری زندگی کی تعمیر اسی اصول پہ کرے۔ اس اصول کے بغیر اسلامی زندگی کا وجود ممکن نہیں ہے اور نہ ہی اس نظریۂ حیات کے بغیر اسلامی معاشرہ کا قیام ممکن ہے نیز اسلامی معاشرے کا قیام نہ تو کسی دوسرے اجنبی نظریۂ حیات پر ہو سکتا ہے اور نہ اس اصول کے ساتھ کسی اور نظریۂ حیات کے اشتراک کی صورت میں ہو سکتا ہے۔ اسلامی نظریۂ حیات کا یہ اصول اٹل ہے۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ، اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ، ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ (یوسف: ۴)

سلطنت صرف اللہ ہی کی ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ تم صرف اسی کی اطاعت کرو۔ یہی ہے سیدھا نظام زندگی۔

وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء: ۸)

"اور جس نے رسول کی اطاعت کی تو گویا اللہ کی اطاعت کی"

اس مفہوم کی اہمیت | کلمہ طیبہ کے اس مفہوم کے متعین ہو جانے کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے تحریک اسلامی کے اہم اور اساسی مسائل خود بخود حل ہو جاتے ہیں تحریک اسلامی کے لئے اساسی مسائل یہ ہیں کہ ایک اسلامی معاشرہ کی ماہیت کیا ہے اور اس کا مزاج کیا ہوتا ہے؟ یہ کہ اسلامی معاشرے کے احیاء۔ اور قیام کا طریق کار کیا ہے؟ اپنے قیام کے بعد اسلامی معاشرہ دوسرے جاہلی معاشروں کا مقابلہ کس طرح کرتا ہے؟ اور تحریک اسلامی انسانی زندگی میں کیا تغیر رونما کرنا چاہتی ہے؟ یہ ہیں وہ نہایت اہم اور اساسی مسائل جو تحریک اسلامی کی تاریخ میں ہمیشہ بے حد اہمیت کا حامل رہے ہیں اور اس مفہوم کو سمجھنے کے بعد یہ مسائل خود بخود ایک ایک کر کے حل ہو جاتے ہیں:

Marfat.com

۱۔ اسلامی معاشرے کا مزاج اسلامی معاشرے کا مزاج یہ ہے کہ اس کی تعمیر صرف ایک خدا کی غلامی کے اساسی نظریئے پر ہوتی ہے۔ اور اس غلامی کے اظہار کے لئے، لاالٰہ الااللہ، محمد الرسول اللہ، کے الفاظ اختیار کئے گئے ہیں، اس اساسی نظریئے کا اظہار، بیک وقت، اسلامی عقائد میں بھی ہوتا ہے، عبادت کے مراسم میں بھی ہوتا ہے اور نظام مملکت کے دستور اور قوانین میں بھی ہوتا ہے، اس لئے جو شخص اس جامع مفہوم کے مطابق اللہ کی وحدانیت پر یقین نہیں رکھتا وہ اللہ کا بندہ نہیں ہے۔

وَقَالَ اللّٰہُ لَا تَتَّخِذُوْا اِلٰـھَیْنِ اثْنَیْنِ، اِنَّمَا ھُوَ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَاِیَّایَ فَارْھَبُوْنِ وَلَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَہُ الدِّیْنُ وَاصِبًا اَفَغَیْرَ اللّٰہِ تَتَّقُوْنَ (النحل ۵۱، ۵۲)

اور خدا نے فرمایا کہ دو دو الٰہ نہ بنائیں۔ معبود وہی ایک ہے تو مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔ اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے اور اسی کی عبادت لازم ہے تو تم خدا کے سوا اوروں سے کیوں ڈرتے ہو۔

اسی طرح جو شخص اللہ کے سوا کسی اور کے آگے مراسم عبادت بجالاتا ہے یا اللہ کے ساتھ ان میں کسی اور کو شریک کرتا ہے تو وہ بھی صرف اللہ کا بندہ اور غلام تصور نہ ہوگا۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ (انعام ۱۶۲، ۱۶۳)

یہ بھی کہدو کہ میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب خدا ئے رب العٰلمین کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور مجھے اسی بات کا حکم ملا ہے اور میں سب سے اول فرمانبردار ہوں ....

اور وہ شخص بھی اللہ کا بندہ اور غلام نہیں ہوگا جو اللہ کے سوا کسی اور کو اپنے

Marfat.com

لئے دستور اور قانون کا مرجع سمجھتا ہے، جب کہ اللہ نے اپنا آخری دستور و قانون حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے بھیج دیا ہے۔

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَن بِهِ اللَّهُ (شوریٰ: ۲۱)

کیا ان کے وہ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے ایسا دین مقرر کیا ہے، جس کا خدا نے حکم نہیں دیا۔

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا (حشر: ۷)

سو جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو۔

یہ ہے مسلم معاشرہ جس کے عقائد و تصورات میں، عبادت کے طریقوں میں اور اس کے اجتماعی نظام زندگی اور قوانین میں صرف ایک الٰہ، حاکم اور شہنشاہ کی بندگی کا اظہار ہوتا ہو، ان پہلوؤں میں سے جو بھی غائب ہوگا، تو سمجھا جائے گا کہ اسلام کا وجود نہیں ہے کیونکہ جب اسلام کا رکن اول نہ ہو یعنی لا الٰہ الا اللہ تو اسلام کے وجود کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

اوپر ہم یہ کہہ آئے ہیں کہ اللہ کی عبودیت اور بندگی کا اظہار اسلامی عقائد کے اندر بھی ہونا چاہیئے۔ سوال یہ ہے کہ اسلامی عقائد کی کیا نوعیت ہے، عقیدہ دراصل وہ تصور ہوتا ہے جو ادراک حقیقت کے بعد ذہن میں پیدا ہوتا ہے اور اسلامی عقائد ان تصورات کے مجموعے کا نام ہے جو ایک انسان اپنے خالق اور رب، اس کائنات کی حقیقت و ماہیت، انسان کی اصلیت اور اس کی زندگی کے رازوں کے بارے میں رکھتا ہے۔ یہی وہ تصورات ہوتے ہیں جن کی اساس پر ایک انسان اپنی زندگی میں ان تمام چیزوں کے ساتھ اپنے تعلقات کی نوعیت متعین کرتا ہے یعنی پہلے وہ اپنے رب اور خالق سے جڑتا ہے اور صرف اسی کی عبادت اور بندگی کرتا ہے۔ اس کائنات اور اس کے اندر موجود تمام چیزوں سے اور تمام انسانوں کے ساتھ وہ اپنا طرز عمل اس تصور حیات، تصور کائنات اور تصور خدا کی روشنی میں متعین کرتا ہے، اس میں بھی وہ صرف

Marfat.com

اپنی صوابدید پر کام نہیں کرتا بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو اپنے لئے معیار سمجھتا ہے۔ کلمہ طیبہ کی اس تشریح کی رُو سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ اسلامی عقائد انسانی زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہو جاتے ہیں۔

۲۔ اسلامی معاشرہ کے احیاء کا منہاج

اسلامی معاشرہ کی اس تشریح کے بعد ایک اہم سوال یہ سامنے آتا ہے کہ اس معاشرے کا احیاء کس طرح ہو؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ صرف اس صورت میں قائم ہو سکتا ہے کہ ایک جماعت اُٹھے اور وہ اس بات کا اعلان کر دے کہ اس نے بندگی اللہ کے لئے مخصوص کر دی ہے۔ اس لئے وہ صرف اللہ ہی کی بندگی کرے گی، وہ اپنے اعتقادات و تصورات میں، اپنے مذہبی مراسم میں اور اپنے دستور اور ملکی قوانین میں صرف ایک الٰہ کی غلام ہوگی، یہ جماعت اسی اصول پر اپنی پوری زندگی کی تنظیم بھی کرے، اپنے دلوں کو غیر اللہ کی بندگی سے پاک کرے، اور اعتقادی اور تشریعی زندگی میں اللہ کے سوا کسی اور کی مطیع نہ ہو۔ انسانوں کی کوئی جماعت صرف اسی صورت میں مسلم جماعت کہلا سکتی ہے۔ نیز کوئی معاشرہ اسی وقت اسلامی معاشرہ کہلا سکتا ہے کہ اس کی تشکیل انہی خطوط پر کی گئی ہو، اس کے سوا نہ کوئی جماعت مسلمہ بن سکتی اور نہ ہی کوئی معاشرہ اسلامی معاشرہ بن سکتا ہے کیونکہ اسلام، مسلم جماعت اور اسلامی معاشرہ کا قیام اس بات پر منحصر ہے کہ انسانوں کی پوری زندگی کی اساس لا اِلٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ہو اور یہ کلمہ اپنے ان دونوں اجزاء اور اس مفہوم کے ساتھ ملحوظ نظر ہو۔

اس لئے اسلام کے اجتماعی نظام کے قیام سے قبل اور اسلامی معاشرہ کے قیام سے بھی پہلے، اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ انسانوں کے دل دماغ کو غیر اللہ کی بندگی سے پاک کیا جائے۔ قلب و نظر کی یہ صفائی ان تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہونا چاہیئے جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا، اس قسم کے پاکیزہ

لوگوں کو پھر ایک جماعت اور تنظیم کی شکل اختیار کرنی چاہیئے اور یہی وہ جماعت ہے جو مسلم معاشرہ کی شکل اختیار کر سکتی ہے۔ وہ جماعت جس کا فکر و نظر، جس کا اعتقاد، جس کی عبادت اور قانون سازی ہر لحاظ سے پاک و صاف ہوں۔ اس جماعت میں پھر وہ تمام لوگ آ آکر ملتے جاتے ہیں جو اس طرز کی پاکیزہ زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں، اور ایسے معاشرے میں رہنا چاہتے ہیں جو کلمہ شہادت لاالٰہ الااللہ محمد الرسول اللہ کی زندہ تصویر ہو۔

آپ جانتے ہیں کہ قرن اول میں احیاء اسلام کا کام اسی نہج پر ہوا، آئندہ بھی اسی طرز پر ہو سکے گا یعنی ایک صحیح مسلم معاشرے کا قیام صرف اسی شکل میں ممکن ہے۔ کیونکہ اسلامی معاشرہ کی تشکیل یوں ہوتی ہے کہ مختلف افراد اور مختلف گروہ غیر اللہ کی غلامی سے نکل نکل کر اللہ کی غلامی میں داخل ہوتے جاتے ہیں پھر یہ افراد اور یہ گروہ اس نئے تصور حیات کے مطابق اپنی پوری زندگی کی تشکیل کرتے ہیں۔ اسی طرح جاہلیت سے کٹ کر یہ لوگ ایک نیا معاشرہ تشکیل دیتے ہیں۔ یہ نیا معاشرہ، جاہلی معاشرے کے بالمقابل آکھڑا ہوتا ہے اور اس نظریۂ حیات کے مطابق اس کا ایک نیا نظام زندگی ہوتا ہے اور اس نظام میں کلمۂ شہادت اپنی دونوں اجزاء سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔

جب اس نہج پر اسلامی معاشرے کا ظہور ہوتا ہے تو جاہلی معاشرہ کبھی تو پورے کا پورا اسلامی معاشرے سے آملتا ہے اور کبھی وہ علیحدہ ہی رہتا ہے۔ کبھی وہ اسلامی معاشرے سے صلح کر لیتا ہے اور کبھی برسر پیکار ہو جاتا ہے، لیکن اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جاہلی معاشرہ بغیر کسی نرمی اور مجاملت کے اسلامی نظام زندگی کے حاملین پر ٹوٹ پڑتا ہے۔ وہ تحریک کے ابتدائی کارکنوں ہی کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ورنہ پھر جماعت پر حملہ آور ہوتا ہے اور اگر یہاں بھی ناکام رہے تو بالآخر وہ اس جدید معاشرے کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی سلوک جاہلی معاشرہ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

تک ہمیشہ اسلامی دعوت کے ساتھ کرتا رہا ہے۔ غرض اس تمام بحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلامی معاشرے کا قیام اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ وہ اپنے اعتقادات اور نظریۂ حیات کے زور سے اپنے اخلاق اور اخلاقی تربیت کی قوت سے، اپنی تنظیم اور تحریک کی شوکت سے اور غرض ان تمام قوتوں اور ہتھیاروں سے جن کے ساتھ اس وقت کے جاہلی معاشرے مسلح ہوتے ہیں، جاہلیت کا مقابلہ نہیں کرتا اور اس پر غالب نہیں آجاتا۔ کیونکہ جاہلی معاشرہ ہر وقت اس کوشش میں ہوتا ہے کہ تحریک اسلامی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے۔

جاہلی معاشرہ اور اس کا مقابلہ

اسلامی معاشرے کے سوا جتنے معاشرے ہیں وہ جاہلی معاشرے ہیں اور اگر ہم اس کی مزید وضاحت کرنا چاہیں تو جاہلی معاشرہ وہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی بندگی نہ کرے یعنی اعتقادی تصورات مذہبی عبادات اور دستور و قوانین کے اندر صرف اللہ کا مطیع نہ ہو۔ اس تعریف کی رُو سے آج کے تمام معاشرے جاہلی معاشرے کی حدود میں آجاتے ہیں۔ کیمونزم کو دیکھئے کہ اس کی اساس پر جو معاشرے قائم ہوتے ہیں وہ اس لئے جاہلی ہیں کہ وہ سرے سے خدا کے منکر ہیں۔ وہ مادے کو فاعل اور مؤثر تسلیم کرتے ہیں اور انسانی زندگی اور اس کی تاریخ میں اقتصادیات اور ذرائع و پیداوار کو مؤثر مانتے ہیں۔ پھر وہ ایسا نظام زندگی تجویز کرتے ہیں جس میں ایک فرد کو جماعت (Party) کی بندگی کرنی ہوتی ہے۔ کیونکہ پارٹی ہی دراصل قائد اعلیٰ ہوتی ہے اور اسی کو خدائی کا مقام حاصل ہوتا ہے۔ اس تصور حیات کی اساس پر جو اجتماعی نظام تشکیل پاتا ہے، اس میں تمام اعلیٰ انسانی اقدار پامال ہو جاتی ہیں اور انسان کی بنیادی ضروریات وہ قرار پاتی ہیں جو دراصل انسان کی حیوانی ضرریات ہوتی ہیں۔ یعنی خوراک، لباس، مسکن اور جنس، اس نظام میں انسان کی روحانی ضروریات کا کوئی خیال نہیں رکھا جاتا۔ مثلاً عقیدے کی آزادی، اس کے رد و قبول میں آزادی اس کی

Marfat.com

تعبیر و توضیح میں آزادی۔ نیز اس نظام میں آزادی رائے جیسے انسانی حق کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ اسی طرح انسان کو اپنی انفرادیت کے اظہار کا کوئی موقع نہیں ملتا حالانکہ انسانی خصائص میں یہ وہ اعلیٰ خصوصیت ہے جس کا اظہار نہایت ضروری ہے، غرض انفرادی ملکیت، آزادانہ طور پر پیشوں کا انتخاب اور اظہار ذات یا خودی کے نشوونما کا کوئی موقع اس نظام میں نہیں ہوتا۔ یہاں انسان ایک حیوان یا اگر میں یہ دعویٰ کروں کہ کمیونزم میں انسان پیداوار کا ایک آلہ (دعاء آ) بن کر رہ جاتا ہے، تو اس میں قطعاً کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔

بت پرست معاشرے

ہندوستان، جاپان، فلپائن اور افریقی ممالک میں جو بت پرستانہ معاشرے قائم ہیں وہ بھی دراصل جاہلی معاشرے ہیں، ان میں انسان کا نظام عقائد اور تصور حیات غیر اللہ کی الوہیت پر مبنی ہوتا ہے اور لوگ شرک صریح میں مبتلا ہوتے ہیں۔ مذہبی مراسم میں وہ کئی الٰہوں کی پرستش کرتے ہیں اور ان کا نظام حکومت تو بہر حال غیر اللہ کی حاکمیت پر مبنی ہے، البتہ یہ اختلاف ہے کہ کہیں اس نظام کا ماخذ کاہن ہیں، کہیں جادوگر ہیں، کہیں ساحر ہیں اور کہیں شیوخ وغیرہ ہیں۔ ان نظاموں میں لادین (Secular) اداروں کو حاکمیت کے مطلق اختیارات حاصل ہیں جو اللہ کی شریعت کا کوئی پاس کئے بغیر، محض قوم یا جماعت کے نام سے حکومت کر رہے ہیں اور چونکہ اسلامی معاشرہ کی رو سے حاکمیت خدا کا خاصہ ہے اور اس کی تعلیم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دی گئی ہے۔ اس لئے یہ معاشرے جاہلی معاشرے قرار پاتے ہیں۔

اہل کتاب کے معاشرے

یہودی اور عیسائی معاشرے بھی جاہلی معاشروں کی حدود میں آتے ہیں۔ اولاً اس لئے کہ ان کے عقائد میں بھی شرک داخل ہو گیا ہے ان کا تصور خدا، تصور رسالت اور تصور حاکمیت وہ نہیں رہا جو اللہ کو مطلوب ہے اس لئے یہ

Marfat.com

بھی جاہلی معاشرے سے تصور ہوں گے۔

قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ۔ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (توبہ ۳۰)

یہود کہتے ہیں کہ عزیر خدا کے بیٹے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔ یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں، پہلے کافر بس اس طرح کی باتیں کیا کرتے تھے یہ انہی کی ریس کرنے لگے ہیں۔ خدا ان کو ہلاک کرے یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ (مائدہ ۷۳)

وہ لوگ بھی کافر ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ خدا تین میں کا تیسرا ہے، حالانکہ اس معبود یکتا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ اگر یہ لوگ ایسے اقوال وعقائد سے باز نہیں آئیں گے تو ان میں جو کافر ہوئے ہیں وہ تکلیف دینے والا عذاب پائیں گے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ، غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا۔ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ۔ (مائدہ ۶۴)

اور یہود یہ کہتے ہیں کہ خدا کا ہاتھ (گردن سے) بندھا ہوا ہے، انہی کے ہاتھ باندھے جائیں اور ایسا کہنے کے سبب ان پر لعنت ہو، بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں، جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔

Marfat.com

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰی نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ قُلْ فَلِمَ یُعَذِّبُکُمْ بِذُنُوْبِکُمْ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ (مائدہ : ۱۸)

"یہود اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں، کہو پھر تمہاری بداعمالیوں کی سبب وہ تمہیں سزا کیوں دیتا ہے، بلکہ تم اس کی مخلوق میں سے، دوسروں کی طرح انسان ہو"۔

غرض اس نقطۂ نظر سے، یہودیت اور عیسائیت بھی جاہلی معاشروں کی ایک قسم قرار پاتی ہیں۔ کیونکہ نہ تو ان کے اعتقادات اور تصورات ایک خدا کی بندگی پر مبنی ہیں۔ نہ ہی ان کی مذہبی عبادت اور پرستش کے مراسم صرف ایک خدا کے لئے مخصوص ہیں اور سیاسی نظام اور اجتماعی زندگی کی حالت تو یہ ہے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کو اس دائرے سے یکسر خارج کر دیا ہے۔ ان کے دساتیر، نظام زندگی اور قوانین وضوابط سب کے سب احبار و رہبان یا پارلیمان کے مقرر کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان معاشروں میں انسان خود قانون سازی کا کام کرتے ہیں حالانکہ قانون سازی صرف اللہ کا حق ہے۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ (توبہ ۳۱)

"انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ اور مسیح بن مریم کو اللہ کے سوا خدا بنا لیا حالانکہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ خدائے واحد کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ ان لوگوں کے معبود مقرر کرنے سے پاک ہے"۔

اہل کتاب احبار اور رہبان کو اللہ نہ سمجھتے تھے، نہ ہی ان کے سامنے مراسم عبادت بجا لاتے تھے، بلکہ وہ صرف ان کی حاکمیت کے قائل تھے اور جس چیز کو وہ حلال کرتے یہ بھی حلال سمجھتے اور جسے وہ حرام کہتے یہ بھی حرام سمجھتے، لہٰذا

Marfat.com

آج اگر وہ یہ حق احبار و رھبان سے بھی کم تر درجے کے لوگوں (ممبران پارلیمان) کو دیتے ہیں تو بطریق اولیٰ جاہلیت سے موصوف ہوں گے۔

بالآخر میں یہ بھی کہوں گا آج کل کے نام نہاد مسلم معاشرے بھی دراصل جاہلی معاشرے ہیں، اس مفہوم میں نہیں کہ وہ اللہ کے سوا کسی اور کو الٰہ سمجھتے ہیں، نہ ہی ان معنوں میں کہ وہ اللہ کے سوا کسی اور کی پوجا کرتے ہیں بلکہ اس لئے کہ وہ اجتماعی نظام زندگی میں اللہ کی بندگی نہیں کر رہے۔ صرف اللہ کو اپنا اللہ اور حاکم نہیں سمجھتے حالانکہ یہ اس کی مخصوص ترین خصوصیت ہے اور یہ مسلم معاشرے یہی حق حاکمیت غیر اللہ کو دیتے ہیں، اور اپنا نظام زندگی، قوانین، اقدار حیات اور عادات و اطوار اور زندگی کی دوسرے حقائق اور طرز عمل اللہ کے سوا دوسروں سے اخذ کرتے ہیں، حالانکہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کے واضح احکام موجود ہیں۔ حکام کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (مائدہ: ۴۴)

اور جو لوگ اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں تو ایسے لوگ کافر ہیں۔

اور ایسے محکوموں اور مستغیثوں کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ أَنَّهُمْ آمَنُوْا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ أَنْ يَّتَحَاكَمُوْا إِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ أُمِرُوْا أَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ...... فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ (النساء ۶۰، ۶۵)

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ جو تم پر نازل ہوئی اور جو تم سے پہلے نازل ہوئیں ان سب پر ایمان رکھتے ہیں اور چاہتے یہ ہیں کہ اپنا مقدمہ ایک طاغوت کے پاس لے جا کر فیصلہ کرائیں حالانکہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ اس پر اعتقاد نہ رکھیں ....

Marfat.com

تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کردو اس سے اپنے دل میں تنگ بھی نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں، تب تک مومن نہیں ہوں گے۔

اس سے پہلے اس کا ذکر ہو چکا ہے کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے احبار اور رہبان کو الٰہ بنا لیا تھا اس لئے کہ انہوں نے قانون سازی اور حلت و حرمت کے اختیارات انہیں دے رکھے تھے حالانکہ وہ انہیں نہ اپنا رب سمجھتے تھے اور نہ ہی ان کی عبادت کرتے تھے۔ اسی اصول پر یہ نام نہاد مسلمان جو غیر اللہ کے قانون سازی اور حاکمیت پر راضی ہیں[1] شرک کے مرتکب قرار پائیں گے۔ اللہ کی بندگی سے نکل جائیں گے، اللہ کے دین سے نکل جائیں گے اور لا الہ الا اللہ کی شہادت سے خارج سمجھے جائیں۔

ان مسلم معاشروں میں سے بعض تو ایسے ہیں جو کھلم کھلا اپنے آپ کو "لادین" معاشرہ کہتے ہیں، بعض ایسے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ بے شک ہم دین کا احترام ضرور کریں گے لیکن اجتماعی معاملات سے دین کو کوئی سروکار نہ ہوگا۔ ان لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ وہ "غائب اقرار" کے قائل نہیں ہیں صرف "شہود" کے قائل اور انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ عالم شہود اور عالم غیب کے درمیان تضاد ہے حالانکہ یہ ایک باطل خیال ہے اور سوائے جہلاء کے اور کوئی اس پر یقین نہیں رکھتا[2]۔ بعض ایسے لوگ بھی ہیں کہ وہ اپنی مرضی سے قوانین بناتے ہیں اور پھر یہ دعویٰ کر دیتے ہیں کہ یہ اللہ کی شریعت ہے۔ ان سب کا حکم ایک ہی ہے یعنی یہ

لے البتہ وہ معاشرے اس سے خارج ہوں گے جو راضی نہ ہوں اور اس نظام کو بدلنے کی کوشش بھی کریں (مترجم)

ے دیکھئے فی ظلال القرآن، تفسیر آیت عندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو۔

Marfat.com

کہ یہ معاشرے اللہ کی بندگی کے اصول پر قائم نہیں ہیں۔ اگر یہ نتائج درست ہیں تو پھر اسلام کسی صورت میں بھی موجودہ معاشروں کو مسلم معاشرے تسلیم نہیں کر سکتا اور نہ ہی یہ معاشرے قانونی اور جائز معاشرے ہو سکتے ہیں۔ اسلام محض نام، عنوان اور نشانات کو دیکھ کر ہی فیصلہ نہیں کرتا بلکہ وہ حقیقت نفس الامری پر نظر رکھتا ہے اور حقیقت نفس الامری کے لحاظ سے دوسرے جاہلی معاشروں کی طرح، یہ نام نہاد مسلم معاشرے بھی جاہلی معاشرے ہیں۔

اسلام اور جاہلیت

اب ہمارے سامنے صرف یہ سوال ہی رہ جاتا ہے کہ اسلام اور جاہلیت کا باہمی تعلق کیا ہے۔ اسلام جاہلیت کا مقابلہ کس طرح کرتا ہے اور اس بارے میں اس کی اصولی پالیسی کیا ہے۔ ہم نے اس سے قبل جاہلیت کی جو تعریف کی ہے خود اس سے ہمیں اس کا جواب مل جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس زمین پر انسانی زندگی کس نظام کے مطابق چلے؟ اسلام کے مطابق یا اس کے سوا دوسرے جاہلی نظاموں کے مطابق، جو بطور واقعہ موجود ہیں۔ اسلام کا قطعی اور واضح جواب یہ ہے کہ دنیا میں صرف اسلامی نظام زندگی کو یہ حق حاصل ہے کہ اس کے مطابق تمام انسان اپنی پوری زندگی بسر کریں اور اسلامی نظام زندگی کی اساس صرف ایک خدا کی غلامی کے نظریہ پر ہے، جس کا اختصار کلمہ شہادت کے دو اجزاء میں کیا گیا ہے یعنی وحدت الوہیت (اپنے وسیع مفہوم میں) اور یہ کہ اس نظریہ کی تشریح ان اصولوں کے مطابق ہو گی جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان و عمل سے واضح کئے۔

مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (حشر : ۷)

(جو چیز تمہیں رسول دیں اُسے لے لو اور جس سے روکیں رُک جاؤ)

تو خلاصہ یہ ہوا کہ وحدت الوہیت اور رسول کی اطاعت ہی وہ دو اصول ہیں جن پر اسلامی نظام زندگی کا مدار ہے اور یہ اس لئے کہ ایک انسان کے

Marfat.com

تدبر اور علم کے مقابلے میں اللہ کا تدبر اور علم بہت زیادہ ہے وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ " اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے" وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا۔ تمہیں بہت ہی قلیل علم دیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ جس ذات نے انسان کو پیدا کیا ہو، جو اُسے رزق بھی دیتی ہو اور جس کا علم بھی زیادہ ہو تو ظاہر ہے کہ حکمرانی کی مستحق بھی وہی ہے۔ لہٰذا خدا کی مرضی اور اس کے پسندیدہ نظام زندگی اسلام کے مطابق ہی تمام انسانوں کی زندگی بسر ہونی چاہیئے۔ اسلام ہی زندگی کا اصل الاصول اور مرجع ہونا چاہیئے۔ رہے لوگوں کے حالات ان کے نظریات و مذاہب تو وہ نہایت ہی کمزور ہیں فساد قلب و نظر کا نتیجہ ہیں اور ناقص علم پر مبنی ہیں۔

اسلامی نظام زندگی کی حقیقت

اسلامی نظام زندگی کوئی مجمل یا ناقابل فہم چیز نہیں ہے۔ اس کے اصول بالکل واضح ہیں۔ کلمہ شہادت اصل الاصول ہے۔ اس کے مطابق خدا کا کلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت قطعی احکام ہیں۔ ان کی موجودگی میں کسی دوسرے تصور یا اجتہاد کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ اگر نص قطعی نہ ہو تو پھر اپنے مقررہ اُصولوں کے مطابق اجتہاد کی گنجائش تو ضرور ہے۔ البتہ لوگوں کی خواہشات اور مرغوبات کے لئے جواز کی سعی و تلاش کا نام اجتہاد نہیں ہے۔ اجتہاد کے اصول اور قواعد مقرر ہیں۔ اس لئے ان کی موجودگی میں کوئی شخص مسلمانوں پر اپنی رائے مسلط نہیں کر سکتا۔ فان تنازعتم فی شیٔ فردوہ الی اللہ (اگر کسی چیز کے بارے میں اختلاف رائے ہو جائے تو اُسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو) یعنی ان کی ہدایات کی روشنی میں حل کرو۔

غرض اسلامی نظام زندگی صرف وہ ہوگا جس میں حاکمیت اعلیٰ صرف اللہ کی ہو۔ اور قوت کا مصدر قوم اور پارٹی کے بجائے اللہ ہو۔ قانون کا ماخذ قرآن و سنت ہوں اور یہ کام خالص علمی اور مخلصانہ طور پر ٹھوس بنیادوں پر ہو، اور کسی

Marfat.com

کو مذہب کے نام پر اپنی مقدس حکومت (Theocracy) قائم کرنے کی اجازت نہ ہو۔ جیسا کہ قرونِ وسطیٰ میں یورپ میں ہوتا رہا۔ کیونکہ اسلام میں بطورِ خاص کسی مذہبی طبقے کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے اور کسی شخص کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ بغیر کسی ٹھوس علمی بنیاد کے اللہ اور رسول کے نام سے کوئی بات کرے۔ قرآن و سنت کے واضح اصول قطعی نصوص کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہیں۔

آج کل عام طور پر یہ تعبیر اختیار کی جا رہی ہے کہ دین کو واقعیت پسندانہ ہونا چاہیئے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسانی معاشروں میں جو صورت حال بطورِ واقعہ وجود پذیر ہو جائے اسے ہم اٹل واقعہ سمجھیں اور دین آگے بڑھ کر اس کے لئے وجہ جواز ڈھونڈ لائے۔ بلکہ دین کی واقعیت پسندی کا مفہوم صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن واقعات کو حقیقی سمجھا ہے اور جو فی الواقع انسان کی حقیقی ضروریات ہیں ان میں یہ دین واقعیت پسندانہ ہے اور بالخصوص جن فطری باتوں کو دوسرے ادیان نے درخورِ اعتنار نہ سمجھا تھا۔ ان کے بارے میں اسلام نے حقیقت پسندانہ مؤقف اختیار کیا۔ کیونکہ اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ (ملک ۱۴)

(کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا کیا ہے حالانکہ وہ لطیف اور خبیر ہے)

تو واقعیت کا معیار بھی "اللہ" ہی ہے۔ کیونکہ وہی لطیف و خبیر ہے۔ اس لئے اسلام میں اس طرزِ عمل کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ ہم نام نہاد "واقعی صورت حال" کو برقرار رکھنے کے لئے فقہی جواز تلاش کرتے پھریں بلکہ اسلام حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر سے واقعی صورت حال کا گہرا جائزہ لیتا ہے۔ وہ امور جو بحال رکھنے کے قابل ہوتے ہیں انہیں بحال رکھتا ہے۔ بعض چیزوں کو سرے سے ختم کر دیتا ہے۔ بعض میں تبدیلی کرتا ہے اور اگر کوئی واقعی صورت حال اس کی ناپسندیدہ ہو تو اس کی جگہ بالکل ایک نئی صورت حال پیدا کر دیتا ہے۔ پھر وہ جو صورت حال پیدا کرتا ہے اسے ہی ہم واقعیت کہہ سکتے ہیں اور

Marfat.com

ان معنوں میں دین اسلام واقعیت پسندانہ دین ہے۔

یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ کیا واقعیت کا معیار لوگوں کے مصالح نہیں ہیں؟ لیکن ہم کہتے ہیں کہ مصالح کی بابت فیصلہ کون کرے گا أَأَنتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللَّهُ (تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ) جواب یہ ہے کہ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے) غرض پتے کی بات یہ ہے کہ انسانیت کی مصلحت اس میں ہے کہ وہ شریعت پر عمل کرے اور اس سے بڑی ضلالت اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ ہم شریعت کی مخالفت میں اپنی مصلحت سمجھیں۔

إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنفُسُ وَلَقَدْ جَاءَهُم مِّن رَّبِّهِمُ الْهُدَىٰ۔ أَمْ لِلْإِنسَانِ مَا تَمَنَّىٰ فَلِلَّهِ الْآخِرَةُ وَالْأُولَىٰ (نجم ۲۳، ۲۵)

صرف بے اصل خیالات پر اور اپنے نفس کی خواہش پر چل رہے ہیں حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی جانب سے ہدایت آچکی ہے۔ کیا انسان کو اس کی ہر تمنی مل جاتی ہے۔ خدا کے اختیار میں ہے دنیا اور آخرت۔

بلکہ میں کہوں گا کہ جو لوگ اس طرز پر سوچتے ہیں وہ تو سرے سے مسلمان ہی نہیں رہتے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک شخص یہ دعوی بھی کرے کہ انسانوں کی مصلحت اس میں ہے کہ وہ اللہ کی شریعت کو ترک کریں اور اس کے مخالف امور کی پابندی کریں اور پھر بھی وہ مسلم ہو؟ ہرگز نہیں! ایسا شخص ایک لحظہ بھی مسلم نہیں رہ سکتا۔

فطری نظام

"کیا اللہ کے دین کے سوا کسی اور ضابطۂ حیات کو چاہتے ہیں حالانکہ جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے وہ اللہ کے سامنے سرنگندہ ہے۔ خوشی سے یا بے اختیاری سے اور سب خدا کی طرف لوٹائے جائیں گے"۔

(آل عمران: ۸۳)

زندگی

Marfat.com

Marfat.com

فطری نظام زندگی

اسلام نے اپنے اعتقادی تصورات کی اساس، اللہ وحدہٗ لاشریک کی کامل بندگی پر رکھی ہے۔ اور اس بات کا انتظام کیا ہے کہ اعتقادات، مراسم عبودیت اور قانونی نظام سب کے اندر اسی بندگی اور عبودیت کا ظہور ہو۔ یہ ظہور اس طرح ہو کہ ہماری پوری زندگی اپنی حقیقت اور شکل کے اعتبار سے کلمۂ طیبہ لاالہ الااللہ کا مفہوم ہو۔ یہ پیش نظر رکھتے ہوئے کہ اللہ کی بندگی کی حدود و قیود کا تعین کرنے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف رجوع کریں گے۔ اپنی تعبیر کی اساس کلمہ طیبہ کی اس تشریح اور اس کے عملی ظہور پر رکھنے سے اسلام کی غرض و غایت یہ تھی کہ وہ صرف ایسا نظام زندگی ہی نہ ہو جو صرف انسانی زندگی پر حکمران ہو، بلکہ وہ پوری کائنات کا نظام حیات ہو، صرف انسانوں تک محدود نہ ہو۔ یعنی اس پوری کائنات کا خالق اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا اور یہ کائنات عدم سے وجود میں آگئی، بس کن فیکون کی دیر تھی۔ اس کے بعد اللہ نے اس کائنات کے لئے کچھ مخصوص قوانین وضع کئے جن کے مطابق ہمیشہ ہمیشہ سے یہ متحرک ہے۔ اس کے اجزا اور اس کی حرکات کے اندر جو توازن اور توافق نظر آتا ہے وہ بھی انہی کائناتی قوانین کا مرہون منت ہے۔ اس کی ایک ایک حرکت اس ضابطے کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَا اَرَدْنَاهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (ہم جس چیز کو چاہتے ہیں، بس اس سے ہمارا اتنا ہی کہنا ہوتا ہے کہ تو ہو جا، تو وہ ہو جاتی ہے)

Marfat.com

وخلق کل شیئ فقدرہ تقدیرا (الفرقان ۲)

اس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر سب کا الگ الگ اندازہ رکھا۔

غرض ایک مشیئت ہے جو اس کائنات کو چلا رہی ہے، ایک تقدیر ہے جو اُسے حرکت دے رہی ہے اور ایک اٹل قانون ہے جو منظم طور پر اُسے ایک خاص نظم کے اندر کس رہا ہے۔ یہ قانون اس پوری کائنات کے مختلف اجزاء کے درمیان ایک خاص ربط پیدا کئے ہوئے ہے، اس کی وجہ سے ان کی حرکات منظم ہیں، نہ ان میں باہم ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے، نہ یہ نظام درہم برہم ہوتا ہے اور نہ ہی اس کے اجزاء میں کبھی باہم تعارض پیدا ہوتا ہے۔ ایک مسلسل حرکت ہی حرکت ہے جو رُکنے کا نام نہیں لیتی اور اس وقت تک چلتی رہے گی جب تک رب العلمین چاہتا ہے۔ غرض یہ پوری کائنات ایک قانون قدرت کے مطابق رواں دواں ہے اور ایک عظیم مدبر ہستی ہے جو اس کی پشت پر ہے۔ ایک لمحہ بھی یہ اس قانون سے بال برابر خلاف ورزی نہیں کر سکتی اور نہ ہی اس عظیم الشان کارخانے کا کوئی کل پرزہ خراب ہوتا ہے۔ اس لئے کہ:

اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّھَارَ یَطْلُبُہٗ حَثِیْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِہٖ اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَکَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ۔

(الاعراف: ۵۴)

بے شک تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے سب آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، چھ روز میں، پھر عرش پر قائم ہوا، چھپا دیتا ہے شب سے دن کو ایسے طور پر کہ وہ شب اس دن کو جلدی سے آلیتی ہے اور سورج اور چاند اور دوسرے ستاروں کو پیدا کیا، ایسے طور پر کہ سب اس کے حکم کے تابع ہیں، یاد رکھو اللہ ہی کے لئے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا، بڑی خوبیوں کے بھرے ہوئے ہیں

Marfat.com

اللہ تعالیٰ جو تمام عالم کے پروردگار ہیں۔

انسان جو اس کائنات کا ایک جزو ہے، اسی قانون قدرت کا پابند ہے، کسی چیز میں وہ مستثنیٰ نہیں ہے اللہ ہی نے اُسے پیدا کیا ہے، جیسا کہ پوری کائنات کو اللہ نے پیدا کیا ہے اور اپنے مادی وجود کے لحاظ سے بھی وہ خاکی ہے۔ انسان کو انسان صرف ان خصائص کی بنا پر کہا گیا ہے جو اس کے مادی اور عنصری وجود سے مزید اُسے دیئے گئے ہیں اپنے مادی اور عنصری وجود میں انسان اسی قانون قدرت کا پابند ہے' در طوعًا و کرہًا طبعی ضابطے کے مطابق اس کی زندگی بسر ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ ہی نے انسان کو نعمت وجود بخشا ورنہ اس کائنات میں ورود کا اُسے کوئی اختیار نہ تھا اور نہ ہی ماں باپ کو بچے کی پیدائش میں کوئی دخل ہوتا ہے وہ دونوں باہم مل تو سکتے ہیں لیکن حمل کا ٹھہرنا اور بچے کو زندگی بخشنا ان کے بس میں نہیں ہے۔ یہ کام صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اس کی ولادت انہی قدرتی قوانین کے مطابق ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے حمل اور ولادت کے لئے وضع کئے ہیں۔ پھر وہ اس ہوا میں سانس لیتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے، اپنی موجودہ مخصوص شکل میں، مخصوص اجزاء کے ساتھ بنایا اس ہوا میں انسان مشیئتِ ایزدی کے مطابق سانس لیتا ہے۔ انسان کا احساس دُکھ درد، بھوک اور کھانا پینا، رہنا سہنا سب اسی قانون قدرت کے مطابق ہیں اور ان کے بارے میں انسان کے اختیار و ارادے کا کوئی دخل نہیں ہے۔ غرض انسان کی طبعی زندگی اور کائنات کے دوسرے اجزاء میں کوئی فرق و امتیاز نہیں ہے، یہ سب کی سب اللہ کی مشیئت اور عالمگیر قانون قدرت کی پابند ہیں۔

جب یہ واضح ہو گیا کہ اللہ ہی نے اس کائنات اور انسان کو پیدا کر کے ایک خاص قانون قدرت کا پابند بنایا، انسان بھی اسی قانون کا پابند ہے اور کائنات کے دوسرے اجزاء بھی تو اللہ تعالیٰ نے انسان کی اس مادی، غیر اختیاری اور طبعی زندگی سے آگے اس کی اختیاری زندگی کے لئے بھی ایک قانون مقرر فرمایا

ہے۔ یہ قانون وہ نظام زندگی ہے جو شریعت اسلامی کی شکل میں موجود ہے اور انسان کے لئے یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ اس قانون کی مکمل اطاعت کرے تاکہ انسان کی زندگی کا اختیاری حصہ اس پوری کائنات کی قدرتی اور طبعی زندگی کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائے۔ اس طرز فکر سے شریعت اسلامی بھی اس قانون قدرت کا ایک حصہ بن جاتی ہے جس کے مطابق یہ پوری کائنات چل رہی ہے اور خود انسانی وجود کا طبعی حصہ بھی چل رہا ہے اور شریعت اسلامی کے نفاذ کا مقصد یہ ہوگا کہ ہم انسان کی زندگی کے اختیاری حصے کو قانون قدرت سے ہم آہنگ کردیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ہر کلمہ، امر و نہی، وعد و وعید نصیحت و قانون سب کے سب اس اعلیٰ اور ہمہ گیر قانون قدرت کا ایک جزو ہیں اور یہ ایسے ہی صحیح، سچے اور اٹل ہیں جیسا کہ کائنات کا نظام طبعی ٹھیک صحیح اور اٹل ہے۔ جس طرح یہ طبعی قوانین اپنی ذات میں سچائیاں ہیں اور ہر آن اپنی سچائی ثابت کر رہے ہیں، بعینہ اسی طرح اسلامی نظام زندگی بھی ایک سچائی ہے۔

اسلامی نظام زندگی کو، چونکہ خود اللہ تعالیٰ نے انسان کی زندگی کی تنظیم کے لئے بھیجا ہے اس لئے وہ دراصل ایک تکوینی شان رکھتی ہے کیونکہ وہ عام قانون قدرت کے عین مطابق ہے اور اس کے ساتھ خاص ہم آہنگی رکھتی ہے۔ لہٰذا اسلامی نظام زندگی پر عمل پیرا ہونا اس لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ ایک تو خود انسان کی تشریعی اور اختیاری زندگی اور تکوینی اور طبعی زندگی کے درمیان توافق پیدا ہو اور دوسرے یہ کہ انسان اور اس کائنات کے درمیان بھی ہم آہنگی پیدا ہو جس کے اندر وہ رہ رہا ہے۔ غرض انسان کی ظاہری شخصیت اور اس کی باطنی شخصیت ایک ہو جائیں۔

تشریعی زندگی میں اسلامی نظام زندگی کی اطاعت اس لئے بھی ضروری ہے کہ انسان کی علمی قابلیت نہایت محدود ہے۔ اُسے ان قوانین قدرت کا بھی کماحقہ علم نہیں ہے جو اس کی زندگی کے طبیعی حصے پر حکمران ہیں اور مختلف

Marfat.com

طریقوں سے اس کی شخصیت پر اثر انداز ہو رہے ہیں اور وہ طوعاً یا کرہاً ان کی پابندی کر رہا ہے لہٰذا یہ بات انسان کی علمی اور فکری استعداد سے باہر ہے کہ وہ پوری انسانیت کے لئے کوئی بہترین نظام زندگی تشکیل دے سکے۔ اور جو ایسا جامع اور شامل ہو کہ اس پر عمل پیرا ہو کر انسانوں کی قانونی اور طبیعی زندگی کے درمیان توازن پیدا ہو سکے، انسان وجود کے مادی اور روحانی پہلو کے درمیان توازن قائم ہو۔ یہ کام صرف وہ ذات ہی سر انجام دے سکتی ہے۔ جو اس کائنات کی خالق اور مدبر ہے اور اس پورے کارخانۂ قدرت کو چلا رہی ہے۔

اس سے پہلے جو کچھ کہا گیا اس کا مفہوم یہ تھا کہ اسلامی نظام زندگی پر عمل اس لئے ضروری ہے کہ انسان اور فطرت کے درمیان ہم آہنگی ہو۔ یہ بات تو تھی بطور حکمت لیکن اسلامی نظریہ حیات اور اسلامی اعتقادات کا لازمی تقاضا بھی یہ ہے کہ ایک مسلم پوری اسلامی شریعت پر عمل پیرا ہو۔ کیونکہ کسی فرد یا کسی جماعت کی زندگی کو ہم اس وقت تک اسلامی زندگی نہیں کہہ سکتے جب تک کہ وہ اپنی عبودیت اور بندگی اللہ کے لئے خاص نہ کر دیں اور یہ بندگی بھی اپنی مرضی کے مطابق نہ ہو بلکہ کلمہ طیبہ کے دوسرے جزو کے مطابق اس کی تفصیلی کیفیات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے اخذ کردہ ہوں تاکہ کلمہ طیبہ کے دونوں اجزاء کے تقاضے پورے ہو سکیں۔

انسانیت کی بھلائی اُسی میں ہے کہ انسان کی عام زندگی اور اس کائنات کے درمیان توازن اور توافق ہو۔ یہی ایک صورت ہے جس میں زندگی کو فساد سے بچایا جا سکتا ہے اور اسی شکل میں وہ ایک دوسرے کے ساتھ اور پھر اس کائنات کے ساتھ امن و سلامتی سے زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ کائنات کے ساتھ سلامتی تو یوں ہوگی کہ یہ دونوں ایک ہی قانون کے مطابق ایک ہی طرف بڑھ رہے ہوں گے اور خود انسان کی داخلی زندگی پر امن یوں ہوگی کہ اس کی حرکت، اُس کی فطرت سلیمہ کے مطابق ہوگی اس لئے انسان اور اس کی فطرت کے درمیان

جنگ نہ ہوگی، کیونکہ شریعت مطہرہ اس کے ظاہر اور باطن اس کی ظاہری مادیت اور باطنی پوشیدہ فطرت کو ایک دوسرے سے ہم آہنگ کردے گی اور وہ امن وسکون سے رہے گا۔ اس توافق سے پھر ایک دوسرا ہمہ گیر معاشرتی توافق خود بخود پیدا ہو جائے گا یعنی ان تمام انسانوں کے درمیان جو اس شریعت پر عمل پیرا ہو رہے ہوں گے۔ کیونکہ وہ سب ایک ہی نظام زندگی کے مطابق چل رہے ہوں گے اور یہ نظام زندگی بھی وہ ہوگا جو دراصل نظام کائنات کا ایک حصّہ ہوگا۔

نیز شریعت اسلامی کے اتباع کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ اس کے ذریعہ انسان سہولت اور سکون واطمینان، کے ساتھ اس کائنات کے بھیدوں تک جا پہنچے گا اور اس کے پوشیدہ خزانوں اور رازوں کو پاکر انہیں شریعت اسلامی کے مطابق انسانیت کی عام بھلائی کے لئے کام میں لائے گا اور اس عمل میں کوئی رکاوٹ اور تعارض پیدا نہ ہوگا۔

غور کیجئے کہ ایک طرف تو یہ فطری شریعت ہے اور اس کے مقابلے میں گھٹیا درجے کی انسانی خواہشات ہیں:

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ (المؤمنون ۸۱)

"اگر سچائی ان کے خیالات کے تابع ہو جائے تو تمام آسمان وزمین اور جو ان میں آباد ہیں تباہ ہو جائیں"

یہی وجہ ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے اس سچائی میں جس پر دین اسلام یا اسلامی نظام زندگی قائم ہے اور اس میں جس کے مطابق زمین وآسمانوں کا نظام چل رہا ہے، کوئی فرق نہیں ہے۔ یہی وہ سچائی ہے جس پر چل کر دنیا وآخرت دونوں سدھرتے ہیں اور اللہ کے سامنے ہم اس کے مطابق جوابدہ ہیں اور اس کی خلاف ورزی کرنے والے سزا پائیں گے وہ ایک ہی ہے، اس میں تعدد ممکن نہیں ہے وہ یہی عالمگیر قانون قدرت ہے جس کے مطابق یہ پوری کائنات چل رہی ہے تمام چیزیں، تمام جہاں اور تمام زندہ مخلوق اس کی پابند ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

Marfat.com

لَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ کِتَابًا فِیْہِ ذِکْرُکُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ وَکَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْیَۃٍ کَانَتْ ظَالِمَۃً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَھَا قَوْمًا آخَرِیْنَ فَلَمَّا اَحَسُّوْا بَاْسَنَا اِذَا ھُمْ مِّنْھَا یَرْکُضُوْنَ۔ لَا تَرْکُضُوْا وَارْجِعُوْا اِلٰی مَا اُتْرِفْتُمْ فِیْہِ لَعَلَّکُمْ تُسْئَلُوْنَ قَالُوْا یَا وَیْلَنَا اِنَّا کُنَّا ظَالِمِیْنَ فَمَا زَالَتْ تِلْکَ دَعْوَاھُمْ حَتّٰی جَعَلْنَاھُمْ حَصِیْدًا خَامِدِیْنَ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَا لَاعِبِیْنَ لَوْ اَرَدْنَا اَنْ نَّتَّخِذَ لَھْوًا لَّاتَّخَذْنَاہُ مِنْ لَّدُنَّا اِنْ کُنَّا فَاعِلِیْنَ۔ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَی الْبَاطِلِ فَیَدْمَغُہٗ فَاِذَا ھُوَ زَاھِقٌ وَلَکُمُ الْوَیْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ وَلَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ عِنْدَہٗ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِہٖ وَلَا یَسْتَحْسِرُوْنَ۔ یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ (انبیاء ۱۰، ۲۰)

"لوگو ہم نے تمہاری طرف ایک ایسی کتاب بھیجی ہے جس میں تمہارا ہی ذکر ہے۔ کیا تم سمجھتے نہیں۔ کتنی ہی ظالم بستیاں ہیں جن کو ہم نے پیس کر رکھ دیا اور ان کے بعد دوسری کسی قوم کو اٹھایا۔ جب ان کو ہمارا عذاب محسوس ہوا تو لگے سرپٹ دوڑنے۔ کہا گیا بھاگو نہیں، جاؤ اپنے انہی گھروں اور عیش کے سامانوں میں جن کے اندر تم چین کر رہے تھے۔ شاید کہ تم سے پوچھا جائے۔ کہنے لگے ہائے ہماری کم بختی، بے شک ہم خطاوار ہیں۔ اور یہی پکارتے رہے یہاں تک کہ ہم نے انہیں کھلیان کر دیا۔ زندگی کا ایک شرارہ تک ان میں نہ رہا۔ ہم نے اس آسمان و زمین کو اور جو کچھ بھی ان میں ہے کچھ کھیل کے طور پر نہیں بنایا۔ اگر ہم کوئی کھلونا بنانا چاہتے اور بس یہی کچھ ہمیں کرنا ہوتا تو اپنے پاس ہی سے کر لیتے بلکہ ہم تو باطل پر حق کی چوٹ لگاتے ہیں جو اس کا سر توڑ دیتی ہے اور وہ دیکھتے دیکھتے مٹ جاتا ہے اور تمہارے لئے تباہی ہے ان باتوں کی وجہ سے جو تم بناتے ہو۔

زمین و آسمان میں جو مخلوق بھی ہے اللہ کی ہے اور جو (فرشتے)

Marfat.com

اس کے پاس ہیں وہ نہ اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر اس کی بندگی سے سرتابی کرتے ہیں اور نہ ملول ہوتے ہیں۔ شب و روز اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں۔ دم نہیں لیتے"۔

یہ سچائی اس قدر عالمگیر ہے کہ انسانی فطرت اپنی گہرائیوں کے اندر اس کا احساس رکھتی ہے، انسان کی سرشت اور اس کے اردگرد پھیلی ہوئی یہ پوری کائنات اُسے یہ بتا رہی ہے کہ یہ جہان حق اور صداقت پر قائم ہے، یہ صداقت قانون قدرت کا دوسرا نام ہے اور یہ ایک ہی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اس میں تعدد ممکن نہیں ہے۔ یہ مستقل اور دائم ہے، اس لئے اس میں تغیر و تبدل بھی ممکن نہیں ہے۔ اس حق کی بنیاد پر جو نظام قائم ہے اس میں کہیں بھی تضاد نہیں پایا جاتا کائنات کا یہ وسیع نظام محض بخت و اتفاق یا بغیر کسی مدبر کے یوں ہی نہیں چل رہا بلکہ اس کی پشت پر ایک مدبر ذات ہے، اس لئے یہ عالمگیر سچائی بدلتی ہوئی خواہشات اور خود سر رغبات پر بھی مبنی نہیں ہوتی بلکہ وہ ایک محکم، طے شدہ اور مقدر نظام کی شکل میں چل رہی ہے۔ جب بھی انسان اس کی فطرت و سرشت کے اندر پوشیدہ اس صداقت کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اس کی ذہنی دنیا میں ایک عجیب کشمکش برپا ہوتی ہے۔ یہ کشمکش اس لئے برپا ہوتی ہے کہ انسان شریعت اسلامیہ یعنی فطری نظام زندگی کو چھوڑ کر ہوائے نفس کو شریعت اور قانون سازی کا مرکز بنا لیتا ہے اور وہ اللہ کی عبودیت اس طرح نہیں بجا لاتا جس طرح یہ پوری کائنات بجا لا رہی ہے۔

آگے جا کر یہ کشمکش وسعت اختیار کر لیتی ہے افراد جماعتوں، اقوام اور نسلوں کے اندر اسی قسم کی کشمکش رونما ہو جاتی ہے۔ پھر پوری انسانیت اور اس کائنات کے اندر یہ کشمکش برپا ہوتی ہے اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کائنات کی قوتیں اور خزانے جو انسان کی بھلائی کے لئے پیدا کئے گئے تھے انسان کی تباہی اور بربادی کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔

Marfat.com

اس طرز فکر سے یہ واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ اس زمین میں شریعت اسلامی کے نفاذ کا مقصد صرف یہ نہیں ہے کہ ہمیں اس کا اجر صرف آخرت میں ملے گا اور دنیا میں اس کا کچھ فائدہ نہ ہوگا کیونکہ اسلامی نقطۂ نظر سے دنیا و آخرت ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں بلکہ وہ تکمیلی مرحلے ہیں۔ اور ان دونوں کے درمیان نظم و ضبط خود اسلامی شریعت ہی قائم کرتی ہے۔ جب کہ وہ انسان اور اس کائنات کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرتی ہے۔ غرض اس کائنات کے عالمگیر بعد اور اس کے طبیعی قوانین اور اسلامی نظام زندگی کے نفاذ کے نتیجے میں جو ربط اور توازن پیدا ہوگا اور پھر جس سعادت سے انسان دوچار ہوگا۔ اس کے فوائد صرف دور آخرت کے ساتھ خاص نہیں ہیں۔ اس جہاں میں بھی ان برکات کا تحقق ہو سکتا ہے کیونکہ دار دنیا دار آخرت کے لئے تکمیلی حیثیت رکھتا ہے۔

یہ ہے اسلامی کا مجموعی تصور اس پوری کائنات کے بارے میں اور پھر اس کائنات میں انسانی وجود کے بارے میں۔ یہ ایسا تصور ہے جو اپنی ماہیت اور حقیقت کے اعتبار سے، ان تمام تصورات سے ممتاز ہے جو آج تک اس کائنات کے بارے میں پائے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس تصور کائنات کو اپنانے کے بعد انسان کے کاندھوں پر وہ ذمہ داریاں آن پڑتی ہیں۔ جو دوسرے تصورات کے نتیجے میں نہیں پڑتیں۔

اس تصور کے نتیجے میں عائد ہونے والی پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ انسانی زندگی اور اس کائنات کے درمیان مکمل توافق ہو۔ اس قانون کے اندر جو انسان پر نافذ ہو اور اس قانون کے درمیان جو روح کائنات میں جاری و ساری ہے مکمل ہم آہنگی پائی جائے تاکہ انسان ہر پہلو سے اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبودیت میں داخل ہو سکے جیسا کہ یہ پوری کائنات ہے اور کسی شکل میں بھی انسان اپنی ذات کے لئے عبودیت کا دعوی نہ کرے۔

قرآن میں جہاں حضرت ابراہیم اور نمرود کے درمیان مجادلے کا ذکر ہوا ہے۔

وہاں خدا کی کامل عبودیت کا واضح اشارہ ملتا ہے۔ نمرود اس بات کا مدعی تھا کہ عبودیت اور حاکمیت کا کچھ حصہ اس کے لئے بھی ہے۔ لیکن اس بحث میں وہ کائنات کے لئے اپنا حق حکمرانی ثابت نہ کر سکا اور حضرت ابراہیم کے مقابلے میں اُسے شکست ہوئی۔ حضرت ابراہیم کے استدلال کا ماحصل یہ تھا کہ جو ذات اس پوری کائنات پر حکمران ہے وہی اس بات کی مستحق ہے کہ انسانوں پر اس کا حکم چلے اور نمرود اس کا کوئی جواب نہ دے سکا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهِیْمَ فِیْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۔ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ (البقرہ ۲۵۸)

کیا آپ کو اس شخص کا قصہ معلوم نہیں ہوا، جس نے حضرت ابراہیم سے مباحثہ کیا تھا اپنے پروردگار کے بارے میں، اس وجہ سے کہ خدا نے اُسے سلطنت دی تھی جب کہ اس سے ابراہیم علیہ السلام نے کہا میرا رب تو وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے اس نے کہا میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ حضرت ابراہیم نے کہا تو اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو مغرب سے نکال دے۔ اس پر وہ کافر متحیّر رہ گیا۔ اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰهِ یَبْغُوْنَ وَ لَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ اِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ۔ (آل عمران ۸۳)

کیا اللہ کے دین سے سوا کسی اور ضابطہ حیات کو چاہتے ہیں؟ حالانکہ جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں وہ اللہ کے سامنے سرفگندہ ہیں، خوشی سے یا بے اختیاری سے، اور سب خدا ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

Marfat.com

اسلام

اس دنیا میں انسان کی آزادی
اور حریت کی صرف
ایک

ہی

صورت ہے کہ معاشرہ میں حق حاکمیت صرف
اللہ کو حاصل ہو۔ اس نظریہ پر جو معاشرہ اور تہذیب
بھی قائم ہوگی صرف وہی ایک انسانی تہذیب ہوگی۔

صحیح تہذیب ہے

Marfat.com

اسلام ہی صحیح تہذیب ہے

اسلامی نقطۂ نگاہ سے معاشرے کی صرف ۲ دو قسمیں ہیں، اسلامی معاشرہ اور جاہلی معاشرہ اسلامی معاشرہ وہ ہوتا ہے کہ جس کا نظریۂ حیات، عبادت کے مراسم اور نظام زندگی اور قانون خالص اسلامی ہوں۔ اور انسان اخلاق اور زندگی کے ہر طرز عمل میں اس معاشرے کے افراد کے لئے اسلام ہی ضابطۂ حیات ہو، اس کے برعکس جاہلی معاشرہ وہ ہوتا ہے۔ جس میں اسلامی نظام زندگی نافذ نہ ہو اور وہاں اسلامی نظریۂ حیات، اسلامی افکار، اسلامی اقدار اور اسلامی اخلاقیات اور اسلامی طرز عمل غالب و نافذ نہ ہو۔

اس تعریف سے یہ بات از خود واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی معاشرہ وہ نہیں ہوتا، جس میں کچھ ایسے لوگ جمع ہو جائیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہوں اور اس میں اسلامی نظام زندگی رائج نہ ہو، اگرچہ یہ لوگ نماز و روزہ اور حج و زکوۃ کے پابند ہوں۔ نیز یہ بھی پیش نظر رہے کہ اس مطلوب اسلامی معاشرہ کا قیام بھی بعینہ انہی خطوط پر ہونا چاہیئے جن پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداءً قائم کیا تھا۔ کوئی شخص اگر اپنے لئے اسلامی نظام حیات کا کوئی نیا اور "ترقی یافتہ" ایڈیشن تیار کر لیتا ہے اور اُسے اسلامی نظام سے تعبیر کرتا ہے تو اس سے قطعاً یہ لازم نہیں آتا کہ یہ "جدید نظام" اسلامی نظام ہو جائے اور اس سے وجود میں آنے والا معاشرہ اسلامی معاشرہ ہو۔

Marfat.com

پھر جاہلی معاشرہ کی بھی ایک شکل نہیں ہوئی وہ مختلف صورتوں اور شکلوں میں قائم ہوتا ہے اور یہ سب کی سب جاہلی ہوتی ہیں۔ کبھی وہ ایک ملحد معاشرے کی شکل میں ہوتا ہے اور تاریخ انسانی کی مادی اور جدلی تعبیر کرکے، سائنٹیفک سوشلزم کو نظام زندگی قرار دیتا ہے۔ کبھی وہ ایسے معاشرے کی شکل میں ہوتا ہے کہ اگرچہ وہ منکر خدا نہیں ہوتا لیکن اس نے خدا کی خدائی کو آسمانوں کی حدود تک محدود کردیا ہوتا ہے اور زمین میں خداوند تعالیٰ کی حکمرانی اور اس کی شریعت کے نفاذ کی جگہ وہ خود اپنی حکمرانی کرتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ قدریں غالب نہیں ہوتیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کے لئے بنیادی قدریں قرار دیا تھا۔ اگرچہ ایسا معاشرہ لوگوں کو اجازت دیتا ہے کہ وہ گرجوں، کنیسوں اور مسجدوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، لیکن انہیں اس بات کا حق نہیں دیا جاتا۔ کہ وہ اپنی اجتماعی زندگی میں بھی اللہ تعالیٰ کی شریعت کے نفاذ کا مطالبہ کریں۔ اپنی اس روش کی وجہ سے اس قسم کا معاشرہ یا تو اللہ کے حق حکمرانی کا منکر ہوتا ہے اور یا اسے عملاً معطل کردیتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس بات کی تصریح کی ہے:

وھوالذی فی السماء الٰہ وفی الارض الٰہ (زخرف ۸۴)

اللہ وہ ہے جو آسمانوں میں بھی حاکم ہے اور زمین میں بھی حاکم ہے۔

اس لئے یہ معاشرہ ان معنوں میں دینی معاشرہ قرار نہیں پاتا جن پر (دین) کا لفظ سورۂ یوسف کی اس آیت میں استعمال ہوا ہے۔

ان الحکم الا للہ، امر الا تعبدوا الا ایاہ۔ ذٰلک الدین القیم۔

(یوسف ۴۰)

سلطنت اللہ ہی کی ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ صرف اسی کی اطاعت کرو۔ یہی ہے سیدھا طریق زندگی۔

اس لئے ایسا معاشرہ بھی جاہلی معاشرہ قرار پائے گا جو اسلامی نظام زندگی کو نافذ نہ کرتا ہو اور اللہ کی حکمرانی کا قائل نہ ہو۔ اگرچہ عبادت خانوں مساجد اور کنیسوں

Marfat.com

میں وہ اللہ کی بندگی کی اجازت دیتا ہو۔

اس بحث سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے اس مفہوم میں ایک اسلامی معاشرہ ہی صحیح معنوں میں ایک مہذب معاشرہ ہو سکتا ہے اور اس کے سوا جتنے بھی جاہلی معاشرے ہوں گے وہ غیر مہذب اور پسماندہ معاشرے ہوں گے۔ یہ ایک عظیم حقیقت ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس کی مزید وضاحت کروں۔

ایک دفعہ میں نے اپنی ایک زیر طبع کتاب کے متعلق اشتہار دیا۔ عنوان تھا "مہذب اسلامی معاشرے کی طرف" اس کے بعد مجھے خیال آیا اور میں نے مہذب کا لفظ اڑا دیا اور صرف "اسلامی معاشرے کی طرف" کو موضوع بحث بنایا۔ اس تبدیلی کو ایک الجزائری اہل قلم نے نوٹ کر لیا، جو فرانسیسی میں لکھتے ہیں اور کہا کہ "یہ اسلام کی مدافعت کا نفسیاتی ردعمل ہے"۔ مجھے بے حد افسوس ہے کہ ایک عرصہ تک اسی ناپختہ ردعمل کی وجہ سے میں خود بھی اس مشکل کے سامنے حقیقت پسندانہ مؤقف اختیار کرنے سے معذور رہا۔ نیز میں اس اہل قلم کو بھی معذور سمجھتا ہوں کیونکہ کبھی میں خود بھی انہی کی طرح تھا اور اسی نہج پر سوچتا تھا۔ جب پہلے پہل میں نے اس موضوع پر لکھنے کا ارادہ کیا تو مجھے وہی مشکل پیش آئی جو آج انہیں درپیش ہے اور مشکل یہ تھی کہ تہذیب و تمدن کی تعریف کیا ہے؟ اور اس کی ماہیت کیا ہے؟

اس وقت میری حالت بھی یہ تھی کہ میرے دل دماغ پر مغربی تہذیب و ثقافت کے اثرات کا زبردست دباؤ تھا۔ یہ اثرات اجنبی مصادر فکر سے آئے ہوئے تھے۔ میرے اسلامی احساسات سے انہیں کوئی میل نہ تھا۔ اگرچہ اس وقت بھی میں واضح اسلامی رجحانات رکھتا تھا لیکن اجنبی فکر و نظر کے یہ اثرات میرے اسلامی تصورات میں التباس پیدا کر دیتے تھے۔ تہذیب و تمدن کا مغربی تصور آڑے آتا تھا اور اسلامی نظریۂ حیات کی صحیح اور واضح تصویر میرے سامنے نہ آنے دیتا تھا۔

خدا کا مجھ پر یہ بڑا کرم تھا کہ بعد میں مسلم معاشرے کے بارے میں میرا تصور بالکل واضح ہوگیا اور میں نے سمجھ لیا کہ اسلامی معاشرہ ہی دراصل ایک مہذب معاشرہ ہوتا ہے اور اس عنوان میں اس کے ساتھ "لفظ مہذب" کی ضرورت نہیں ہے اور اس لفظ کے ملانے سے اس کے مفہوم میں کوئی اضافہ تو نہیں ہوتا البتہ نقصان یہ ہوگا کہ قاری کے ذہن میں تہذیب و تمدن کا مغربی تصور بیٹھ جائے گا، جو خود میرے لئے بھی اسلامی معاشرہ کی صحیح تصویر کشی سے مانع ہو رہا تھا۔

غرض مسئلہ دراصل یہ تھا کہ تہذیب کی صحیح تعریف کیا ہے؟ لہٰذا ضروری معلوم ہوا کہ اس حقیقت کی مزید وضاحت کر دی جائے۔

اس دنیا میں انسان کی آزادی اور حریت کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ معاشرہ میں حق حاکمیت صرف اللہ کو حاصل ہو اور اقتدار اعلیٰ صرف اس کے ہاتھ میں ہو اور ملک کے اندر اللہ کی شریعت بطور قانون نافذ ہو۔ صرف یہی ایک شکل ہے جس میں ایک انسان تمام دوسرے انسانوں کی غلامی سے نجات پا سکتا ہے اور اس نظریۂ حیات پر جو معاشرہ اور جو تہذیب بھی قائم ہوگی صرف وہی ایک خالص انسانی تہذیب ہو سکتی ہے۔ کیونکہ انسانی تہذیب کا سنگ اولین یہ ہے کہ اس میں انسان کو مکمل آزادی حاصل ہو اور معاشرے کے ہر فرد کو عزت اور شرف کا مقام حاصل ہو اور ظاہر ہے کہ جس معاشرے میں کچھ لوگ دوسروں کے ارباب بنے ہوئے ہوں ایسے معاشروں میں انسانی حریت اور انسانی شرف کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

یہ بھی پیش نظر رہے کہ شریعت سے مراد صرف قانون نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر تشریع کے لفظ سے صرف تقنین (lagislation) سمجھا جاتا ہے بلکہ اسلامی شریعت کا دائرہ کار بہت وسیع ہے اور اس میں طرز زندگی، تصور حیات، اعلیٰ اقدار، عادات واطوار سب کے سب اس میں شامل ہیں یہ سب

چیزیں قانون کے مفہوم میں بھی آتی ہیں اور لوگ مختلف دباؤ کی وجہ سے ان کی اطاعت کرتے ہیں اور جب صورت حال یہ ہو کہ لوگوں میں سے بعض کو انسانوں کے لئے قانون سازی کے اختیارات حاصل ہوں اور دوسروں کا یہ فرض ہو کہ وہ ان قوانین کی اطاعت کریں تو ایسا معاشرہ قطعاً ایک آزاد معاشرہ تصور نہ ہوگا بلکہ ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ اس معاشرے میں بعض لوگ دوسروں کے رب اور الٰہ بنے ہوئے ہیں۔ ایسا معاشرہ ایک پسماندہ معاشرہ ہوگا اور اسلامی اصطلاح میں اسے "جاہلی" معاشرہ کہا جائے گا۔

اس کے برعکس صحیح اسلامی معاشرہ میں صورت حال یہ ہوتی ہے کہ اس میں صرف ایک خدا تعالیٰ کو غالب اور برتر ہستی تسلیم کیا جاتا ہے اور لوگ تمام دوسرے انسانوں کی برتری اور غلامی سے نجات پاکر صرف ایک خدا کی غلامی میں داخل ہوتے ہیں اور اسی طرح وہ مکمل اور حقیقی آزادی سے ہم کنار ہو جاتے ہیں اور اس کے نتیجے میں جو تہذیب قائم ہوتی ہے وہ خالص انسانی تہذیب ہوتی ہے اور اللہ کے احکام کے مطابق اس میں ہر شخص کو آزادی اور شرف کا مقام حاصل ہوتا ہے اور عالم بالا کے اندر بھی ایسے لوگوں کے شرف کا اعلان ہوتا ہے۔

جب کسی معاشرہ میں اجتماعیت کی اساس انسانی افکار، تصور حیات اور نظام حیات ہوتا ہے اور ان تمام چیزوں کا سرچشمہ ایک خدا ہوتا ہے اور وہ مقتدر اعلیٰ ہوتا ہے وہی مرجع ہوتا ہے۔ اور اس نظریۂ حیات اور نظام حیات کا واضع کوئی انسان نہیں ہوتا جس نے اپنے لئے الٰہیت اور ربوبیت کے اعلیٰ اختیارات حاصل کر لئے ہوں بلکہ وہاں حاکم اور مقنن اللہ ہی ہوتا ہے تو ایسے معاشرے میں انسان کی نہایت اعلیٰ خصوصیات کا اظہار ہوتا ہے یعنی روحانی اور فکری خصوصیات کا۔ لیکن اس کے برعکس اگر کسی معاشرے میں اجتماعیت کا مدار رنگ، نسل یا قوم ہو یا اس کے علاوہ کوئی دوسرا رابطہ ہو تو ظاہر ہے کہ یہ چیزیں

انسان کی اعلیٰ اور برتر خصوصیات میں سے نہیں ہیں کیونکہ رنگ، نسل، قومیت اور وطنیت کے چلے جانے کے بعد بھی انسان بہرحال انسان ہی رہتا ہے جب کہ نظریۂ زندگی اور روحانیت ختم ہونے کے بعد انسان انسان ہی نہیں رہتا۔ اگر یہ چیزیں مدار اجتماعیت قرار پائیں تو انسان کی آزادی ختم ہو جاتی ہے پہلی صورت میں اُسے یہ آزادی رہتی ہے کہ اپنے عقائد و تصورات اور افکار و نظام زندگی بدل دے لیکن دوسری صورت میں وہ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ وہ اپنا رنگ و نسل، اور قومیت و وطنیت کو بدل سکے کیونکہ وہ اس بات پر قدرت نہیں رکھتا کہ اس کی ولادت اس کی منشا کے مطابق کسی خاص قوم اور نسل میں ہو۔ لہٰذا ایک مہذب معاشرہ صرف وہ معاشرہ ہو گا جس میں اجتماعیت کا دارو مدار آزادانہ اختیار تمیزی پر ہو کیونکہ جس معاشرے میں لوگ ایسی اجتماعیت کے پابند ہوں جو اُن کے ارادے اور اختیار تمیزی کے دائرے سے باہر ہو تو لوگ اس معاشرے میں غلام تصور ہوں گے اور ایسے معاشرے کو جہاں غیر اللہ کی غلامی ہو، اسلامی اصطلاح میں جاہلی معاشرہ کہا جاتا ہے۔

آج تک جتنے معاشرے ہو گذرے ہیں ان میں سے اسلامی معاشرہ ہی صرف ایسا ہوا ہے جس میں اجتماعیت کا مدار نظریۂ حیات پر ہوا ہے۔ یہاں نظریۂ حیات سیاہ فام، سفید رنگ، گورے زرد رنگ عربی، عجمی، فارسی، حبشی اور مختلف دوسری نسلوں کے درمیان ربط و تعلق کا مدار رہا ہے اور نظریۂ حیات ہی پر جمع ہو کر یہ تمام لوگ ایک اُمت قرار پائے جن کا حاکم صرف اللہ ہی تھا۔ حالت یہ تھی کہ تمام لوگ صرف اللہ کی بندگی اور اطاعت کرتے ہیں اور ان میں سے زیادہ معزز وہ ہوتا ہے جو زیادہ متقی ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے ان کے درمیان مکمل مساوات ہوتی ہے کہ ان کی زندگی ایک ایسے قانون کے مطابق بسر ہو رہی ہوتی ہے جس کا واضع اللہ ہوتا ہے اور کوئی انسان اس کا واضع نہیں ہوتا۔ نہ اس کام میں شریک ہوتا ہے۔

Marfat.com

اس لئے ہم صرف اسی معاشرے کو ایک ترقی یافتہ معاشرہ کہہ سکتے ہیں، جس میں انسان کی انسانیت ہی اعلیٰ قدر ہو اور انسانی خصائص ہی کو عزت اور شرف کا مقام حاصل ہو۔ لیکن اگر کسی معاشرے میں "مادیت" اعلیٰ قدر ہو، خواہ وہ کسی نظریے کی شکل میں ہو جب کہ مارکس نے "تاریخ کی مادی اور جدلی تشریح کی شکل میں پیش کیا، یا امریکہ اور برطانیہ کی "مادی پیداوار" کی شکل میں ہو۔ تو ایسے معاشرے میں اس مادیت کے مقابلے میں اعلیٰ انسانی قدروں کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ مادی قدروں کے مقابلے میں انسانی قدروں کو قربان کیا جاتا ہے اس لئے ایسے معاشرے کو ایک پسماندہ اور جاہلی معاشرہ ہی کہا جا سکتا ہے۔

لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ ایک اسلامی معاشرے میں مادی ترقیوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے بہر حال وہاں بھی مادی ترقیات کی ایک حیثیت ہے۔ نظری اعتبار سے اس طرح کہ بہر حال یہ کائنات مادے ہی سے بنائی گئی ہے۔ ہم اس میں رہتے ہیں اور اس سے متاثر بھی ہوتے ہیں اور مادی پیداوار کے لحاظ سے بھی مادہ ایک اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اسی صورت میں اللہ کی خلافت کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوا جا سکتا ہے۔ لیکن خواہ نظری اعتبار ہو یا پیداواری اور عملی اعتبار، اسلام مادیت کو اس قدر وقعت نہیں دیتا کہ اس کے مقابلے میں انسان کی انسانیت اور اس کی اعلیٰ قدریں پامال ہو جائیں اور انسان اپنی انسانی خصوصیات سے محروم ہو جائے۔ یا محض مادیت کے لئے انسان کی آزادی اور اس کی شرافت اور کرامت کو قربان کر دیا جائے، خاندانی نظام کو تباہ کر دیا جائے، عفت و ناموس کو برباد کر دیا جائے جیسا کہ مغرب کے اکثر معاشروں میں، محض مادی ترقی اور پیداوار میں اضافے کی خاطر ان خصوصیات کو پامال کیا گیا۔

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ وہی معاشرہ مہذب ہو گا جس میں اجتماعیت کا مدار انسان کی انسانی خصوصیات پر ہو، تو اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بھی اچھی

Marfat.com

طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ انسانی اقدار اور اعلیٰ اخلاق کوئی غامض اور ناقابل فہم مسائل نہیں ہیں اور نہ ہی یہ خصائص اور یہ اقدار ایسی ہیں جو ہر دور میں بدلتی رہتی ہوں اور ان کا ایک حال میں رہنا ممکن نہ ہو یا اس بات کا امکان نہ ہو کہ ان اقدار کا کسی ایک ماخذ سے اخذ کرنا ممکن نہ ہو، جیسا کہ آج کل تاریخ کی مادی تفسیر کرنے والے اور سائینٹفک سوشلزم کے حامی کرتے رہتے ہیں۔

حیات انسانی کے ان دو پہلوؤں کو دیکھتے ہوئے اب یہ فیصلہ کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ اعلیٰ اقدار اور اعلیٰ اخلاق وہی ہو سکتے ہیں جن کے نتیجے میں انسان کی وہ خصوصیات ابھریں جن میں انسان منفرد ہے اور کوئی دوسری جاندار چیز ان میں شریک نہیں ہے۔ رہیں انسان کی وہ خصوصیات جن میں اس کے ساتھ دوسرے جانور بھی شریک ہیں تو وہ قطعاً اعلیٰ اقدار اور بلند اخلاقیات کی اساس نہیں بن سکتیں۔ اس پہلو سے اس مسئلے کے گہرے مطالعہ سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ان دو نقطہ ہائے نظر میں واضح خط امتیاز موجود ہے اور انہیں باہم ملایا نہیں جا سکتا۔ متجددین اور سائینٹفک سوشلزم کے حامی حضرات ان دونوں میں التباس پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اگر ہمارا یہ نقطۂ نظر تسلیم کر لیا جائے تو پھر میں یہ کہوں گا کہ اعلیٰ انسانی اقدار اور بلند اخلاقیات کو زراعت وصنعت، سرمایہ داری واشتراکیت اور امارت وفقر کے محدود دائروں کے اندر بند نہیں کیا جا سکتا نہ انہیں کسی خاندان یا رنگ ونسل کے محدود دائروں میں بند کیا جا سکتا ہے۔ بدقسمتی سے آج کل اقدار واخلاق کو ان غلط نقطہائے نظر سے دیکھا جاتا ہے اور غلط بنیادوں پر استوار کیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت صرف یہ ہے کہ اخلاق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ اخلاق واقدار جو خالص انسانی خصائص پر مبنی ہوں اور ایک وہ اخلاق واقدار جو انسان کے خالص حیوانی خصائص پر مبنی ہوں اور اگر میں واضح اسلامی اصطلاح میں بات کروں تو ایک خالص اسلامی اخلاق واقدار ہوں گی اور اس کے مقابلے

Marfat.com

میں جاہلی اقدار و اخلاق ہوں گے۔ ان کے علاوہ بیچ میں کوئی تیسری قسم نہیں رہتی۔
جب انسان کی انسانیت ہی کی اساس پر اسلامی اقدار اور اسلامی اخلاق کی تعمیر ہوتی ہے تو یہ اقدار انسان کی نشوونما کے عمل میں انسان کو حیوان سے ممتاز کرتی چلی جاتی ہیں۔ ان اقدار و اخلاقیات کو جس معاشرے میں بھی رائج کیا جائے ان کی وجہ سے انسان کی انسانیت کو عروج نصیب ہوتا ہے خواہ وہ معاشرہ زرعی ہو، صنعتی ہو، بدوی ہو۔ غرض مویشی پالنے والا ہی کیوں نہ ہو۔ یہ اقدار اور اخلاقیات ہمیشہ انسان کو حیوانیت کے درجے سے اوپر رکھتی ہیں اور اُسے حیوانیت تک گرنے نہیں دیتیں۔

"اسلامی نقطۂ نظر سے انسان صرف اس صورت ہی میں ترقی کر سکتا ہے کہ کہ وہ حیوانیت سے ترقی کر کے انسانیت کی طرف بلند ہو۔ لیکن اگر صورت حال یوں ہو جائے کہ کسی مادی تہذیب کے نتیجے میں انسان کی انسانیت دب جائے اور حیوانیت اُبھر آئے تو اس معاشرہ کو ہم ترقی یافتہ معاشرہ نہیں کہہ سکتے اس معاشرے کو ہم ایک پسماندہ، غیر مہذب اور جاہلی معاشرہ ہی کہہ سکتے ہیں۔

جب کسی معاشرے کا سنگ اولین خاندان ہو اور خاندان کا وجود مرد وزن کے درمیان متوازن تقسیم کار پر ہو اور خاندان کا ہدف اول یہ ہو کہ وہ آنے والی نسلوں کی بھلائی کے لئے کوشاں ہو تو صرف ایسے معاشرے ہی کو ہم ایک مہذب معاشرہ کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ اس طرز پر تشکیل پانے والا خاندان ہی دراصل وہ نرسری ہوتا ہے۔ جہاں ان اعلیٰ انسانی اقدار اور بلند اخلاقیات کی نشوونما ہو سکتی ہے، جن کی طرف ہم نے گذشتہ صفحات میں اشارہ کیا ہے اور صرف اسی صورت میں ان اقدار کو اگلی نسلوں کی طرف منتقل کیا جا سکتا ہے۔ خاندانی تربیت کے بغیر ان اقدار اور اخلاقیات کی تشکیل کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے اس کے برعکس اگر معاشرت کا مدار آزادانہ جنسی تعلقات پر ہو اور انسانی نسل غیر قانونی

Marfat.com

تعلق مرد وزن کا نتیجہ ہو اور جنسی تعلقات کا قیام بھی محض لذت نفس اور تعیش کی خاطر ہو اور اس نتیجے میں کوئی خاندانی یا معاشرتی ذمہ داری عائد نہ ہوتی ہو اور عورت کا مصرف صرف یہ رہ جائے کہ وہ آرائش و زیبائش کرے اور سامان تعیش بنے، معاشرے میں فتنہ و فساد پھیلاتی پھرے اور اس کے کاندھوں پر کوئی ذمہ داری نہ ہو، آئندہ نسلوں کی تربیت وہ ترک کردے اور ائیر ہوسٹس اور ہوٹل کی خادمہ بن کر صنعتی پیداوار میں اضافہ کرنے لگے اور انسانیت کی صنعت کاری کے بجائے اس کا وظیفہ مادی صنعت قرار پا جائے تو اس کا نتیجہ صرف یہ نکل سکتا ہے کہ انسانیت پسماندگی اور بربریت کا شکار ہو اور اسلامی اصطلاح میں تمام معاشرہ پسماندگی اور جاہلیت کا شکار ہو جائے۔

یہ معلوم کرنے کے لئے کہ کوئی معاشرہ پسماندہ ہے یا ترقی یافتہ اور اسلامی ہے یا جاہلی، اس معاشرے کے خاندانی نظام اور اس میں قائم ہونے والے جنسی تعلقات کی نوعیت کا جائزہ نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ جن معاشروں میں صنفی تعلقات کا مدار حیوانی جذبات اور حیوانی اخلاقیات پر ہو وہ معاشرہ کسی صورت میں بھی ترقی یافتہ معاشرہ نہیں کہلایا جاسکتا۔ اگرچہ اس نے بے پناہ صنعتی اور مادی ترقی کرلی ہو کیونکہ صنعتی اور مادی ترقی انسانی ترقی کی ضامن نہیں ہوسکتی اور نہ ہی وہ اس بات کی دلیل ہوسکتی ہے۔

اس وقت دنیا میں جس قدر معاشرے موجود ہیں ان سے اعلیٰ انسانی قدریں ختم ہو چکی ہیں۔ ان سے وہ چیزیں ایک ایک کرکے ختم ہوگئی ہیں جن کے ذریعہ سے انسان کی انسانیت اور حیوانیت کے درمیان کسی قسم کا فرق کیا جاسکتا تھا۔ ان معاشروں میں آزادانہ جنسی تعلقات معیوب نہیں رہے یہاں تک کہ غیر فطری تعلقات بھی معیوب نہیں رہے۔ اخلاقی قدریں صرف اقتصادی معاملات کے محدود دائرے میں منحصر ہو کر رہ گئی ہیں اور بعض اوقات سیاست میں بھی ان کا لحاظ رکھا جاتا ہے بشرطیکہ مملکت کا مفاد اس میں ہو۔ انگلستان کے مشہور کرسٹائن کیلر

Marfat.com

اور پروفیمیو میں اگر کوئی چیز معیوب تھی تو وہ یہ نہ تھی کسی وزیر نے کسی عورت سے آزادانہ جنسی تعلقات کیوں قائم کئے بلکہ عیب صرف یہ تھا کہ کیلر روسی بحریہ کے افسر کی داشتہ بھی تھی اور اس صورت میں اس بات کا امکان تھا کہ سرکاری راز فاش ہو جائیں۔ ایک پہلو یہ بھی تھا کہ برطانوی پارلیمنٹ پر اس کا جھوٹ کھل گیا تھا۔ نیز وہ واقعات جو امریکی سینٹ میں پیش ہوئے اور دوسرے ایسے واقعات جو جاسوسی کے متعلق ہوئے اور ان ملازمین حکومت کے واقعات جو فرار ہو کر روس چلے گئے اور جن میں جنسی تعلقات کا عنصر شامل رہا، ان سب میں کسی نے محض جنسی تعلق کو عیب نہ سمجھا بلکہ جو چیز معیوب تھی وہ صرف یہ تھی کہ ان تمام صورتوں میں ریاست کے راز فاش ہوئے یا ان کے لئے خطرہ پیدا ہوا۔

ان جاہلی معاشروں کے اہل قلم، مفکر اور صحافی بار بار لڑکیوں اور بیویوں کو یہ نصیحت کرتے ہیں کہ آزادانہ جنسی اختلاط معیوب نہیں ہے۔ عیب اگر کوئی چیز ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ کوئی دوست اپنے دوست کو دھوکہ دے اور محبت میں خلوص نہ ہو۔ یہ مغربی مفکرین اس بات کو عیب سمجھتے ہیں کہ بیوی کو خاوند سے محبت نہ رہے لیکن پھر بھی وہ عفت اور پاکدامنی اختیار کرتے ہوئے دوسرے دوست کی تلاش ترک کر دے۔ بلکہ اس کا یہ اخلاقی فرض ہے کہ اپنے لئے ایک مخلص دوست کی تلاش جاری رکھے اور اپنے جسم کو ایسے مخلص دوست کے حوالے کر دے۔ مغربی اہل قلم نے بیسیوں ایسے ناول لکھے ہیں جن کا مرکزی مضمون یہی ہے۔ سینکڑوں اخباری مضامین اس موضوع پر لکھے جاتے ہیں۔ بے شمار کیریکٹر نکات و نکاہات اور کہانیوں کا مرکزی مضمون بھی یہی ہے اور مسلسل لوگوں کو یہی ہدایات دی جاتی ہیں۔ تو یہ سب وہ معاشرے ہیں جو انسانی خصائص کے نقطۂ نظر سے غیر مہذب معاشرے ہیں اور اسلامی نقطۂ نظر سے جاہلی معاشرہ ہیں۔

ہمیشہ انسانی ترقی ان خطوط پر ہوتی ہے کہ انسان نے اپنے حیوانی خصائص اور حیوانی جذبات و خواہشات کو ضبط کیا اور ان خواہشات کو جائز خاندانی حدود

Marfat.com

کے اندر محدود کر دیا اور نیز ان کو پابند بنا دیا گیا کہ ان خواہشات کو ایک خاص انسانی مقصد کے تحت پورا کیا جائے۔ مطمح نظر محض لذت اندوزی نہ ہو بلکہ مطلب یہ ہو کہ انسانوں کی آنے والی نسل اپنے انسانی خصائص اور اپنی تہذیب و تمدن کے لحاظ سے زیادہ ترقی یافتہ ہو اور ایسی نسلیں جن میں انسان کے انسانی خصائص زیادہ طاقت ور اور ترقی یافتہ ہوں، صرف اس صورت میں تیار ہو سکتی ہیں کہ ان کی تربیت خاندان کے محفوظ قلعے کے اندر ہوئی ہو اور ان کے حیوانی جذبات پر ضبط ہو اور وہ امن و استقرار کے دائرے کے اندر رہوں۔ نیز ان جذبات اور خواہشات کے ساتھ ساتھ انسانی فرائض بھی وابستہ ہوں اور کسی وقت بھی عارضی اثرات کی وجہ سے ان میں عدم توازن کی کیفیت پیدا نہ ہو۔ رہے ایسے معاشرے جن میں حیوانی جذبات و میلانات پر کوئی ضبط نہ ہو، جن میں جنسی بے راہ روی عام ہو اور اخلاقی بندشیں ڈھیلی ہوں اور تعیش اور لذت اندوزی کے سوا لوگوں کے سامنے کوئی اور مقصد اعلیٰ نہ ہو تو ایسے معاشرے میں کسی اعلیٰ نسل کی تربیت سرے سے ممکن نہیں ہے۔

یہ وہ بنیادی نکات ہیں جن کی وجہ سے میرا یہ دعویٰ ہے کہ اسلامی اخلاق اور اسلامی اقدار ہی انسانیت کے لئے مناسب ترین نظام حیات ہیں اور اسی نقطۂ نظر سے اسلام واحد تہذیب ہے اور اسلامی معاشرہ واحد مہذب معاشرہ ہے اور اس تہذیب اور معاشرے کے پاس ایسے عالمگیر اور اعلیٰ پیمانے ہیں جو کبھی متغیر اور متبدل نہ ہوں گے۔

اسلامی نقطۂ نگاہ سے ایک انسان مہذب تب کہلا سکتا ہے کہ جب وہ اس زمین پر اللہ کا نائب اور خلیفہ ہو، صرف اس کی بندگی و اطاعت کرے، اپنی پوری زندگی میں اسلامی نظام زندگی کی پیروی کرے اور اسلامی نظام زندگی کے مخالف تمام نظاموں کی قانونی حیثیت کا انکار کر دے۔ اس کی زندگی پر اللہ کی حکمرانی ہو اور تمام باطل نظاموں کو کسی قسم کی کوئی بالادستی حاصل نہ ہو، اس کی زندگی کی اعلیٰ اقدار اور اخلاقیات ہوں جنہیں اللہ نے وضع کیا ہے اس کے علاوہ تمام اقدار و اخلاق کو

Marfat.com

وہ ترک کر دے، وہ اس کارخانۂ قدرت کے تمام بھیدوں سے واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اپنے علم کو اس دنیاوی زندگی کی ترقی کے لئے استعمال کرے، زمین کے خام مواد اور دوسرے رزق جو اللہ نے یہاں ودیعت کر رکھے ہیں انہیں دریافت کرے، ان تمام طبیعی قوانین کی کھوج لگائے جن پر کائنات کے اسرار تک پہنچنا موقوف کر دیا گیا ہے اور بحیثیت خلیفۃ اللہ انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ ان اسرار تک رسائی حاصل کرے۔

کسی انسان یا کسی معاشرے کی زندگی میں تہذیبی دور اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب انسان خلیفۃ اللہ فی الارض کے اس منصب کی ذمہ داریوں کو اللہ کے عہد و پیمان کے مطابق مسلسل ادا کرتا رہے، وہ خام مواد دریافت کرے یا خود تیار کرے، صنعتیں قائم کرے، ہر میدان میں فنی مہارت اور تجربات بہم پہنچائے۔ ان تمام ترقیوں اور تجربوں کو کام میں لائے جو آج تک پوری انسانیت کو تاریخی طور پر ورثے میں ملے ہیں، جب ایک مسلم ان کاموں کو اللہ کا بندہ ہوتے ہوئے کرے، منصب خلافت کی ذمہ داریاں ادا کرتے ہوئے کرے اور اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ طریق کار کے مطابق کرے تو وہ صحیح معنوں میں مہذب کہلائے گا اور اسی نہج پر جو معاشرہ قائم ہو گا وہی صحیح معنوں میں مہذب معاشرہ کہلا سکے گا۔ رہیں صرف مادی ایجادات تو وہ اسلامی نقطۂ نظر سے تہذیب نہیں ہیں۔ مادی ایجادات تو خالص جاہلی معاشرے کے اندر بھی ہو سکتی ہیں۔ قرآن کریم میں جہاں بھی ان مادی ترقیوں کا ذکر ہوا ہے تو وہ جاہلی معاشروں کے بیان کے ضمن میں ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ وَإِذَا بَطَشْتُم بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُم بِمَا تَعْلَمُونَ أَمَدَّكُم بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ وَجَنَّاتٍ وَعُيُونٍ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ (شعراء ۱۲۷ ۔ ۱۳۵)

Marfat.com

یہ تمہارا حال کیا ہے کہ ہر اونچے مقام پر لاحاصل ایک یادگار عمارت بنا ڈالتے ہو اور بڑے بڑے قصر تعمیر کرتے ہو گویا تمہیں ہمیشہ رہنا ہے۔ اور جب کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو، تو جبار بن کر ڈالتے ہو، پس تم لوگ اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ ڈرو اس سے جس نے وہ کچھ تمہیں دیا ہے جو تم جانتے ہو۔ تمہیں جانور دیئے، اولادیں دیں، باغ دیئے اور چشمے دیئے۔ مجھے تمہارے حق میں ایک بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔

اَتُتْرَكُوْنَ فِيْمَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ

(الشعراء ۱۴۶، ۱۵۲)

کیا تم ان سب چیزوں کے درمیان، جو یہاں ہیں، یوں ہی اطمینان سے رہنے دیئے جاؤ گے ان باغوں اور چشموں میں، ان کھیتوں اور نخلستانوں میں، جن کے خوشے رس بھرے ہیں۔ تم پہاڑ کھود کھود کر فخریہ ان میں عمارتیں بناتے ہو۔ اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ ان بے لگام لوگوں کی اطاعت نہ کرو جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں اور کوئی اصلاح نہیں کرتے۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰىٓ اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (انعام ۴۴، ۴۵)

پھر جب انہوں نے اس نصیحت کو، جو انہیں دی گئی تھی، بھلا دیا تو ہم نے ہر طرح کی خوشحالیوں کے دروازے ان کے لئے کھول دیئے یہاں تک کہ جب وہ ان بخششوں میں جو انہیں عطا کی گئی تھیں خوب

Marfat.com

مگن ہو گئے تو اچانک ہم نے انہیں پکڑ لیا اور اب حال یہ تھا کہ وہ ہر چیز سے مایوس تھے اس طرح ان لوگوں کی جڑ کاٹ کر رکھدی گئی جنہیں نے ظلم کیا تھا اور تعریف ہے اللہ رب العلمین کے لئے۔

حَتّٰۤی اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّیَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَیْهَاۤ اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَیْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِیْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ

(یونس ۲۴)

بمصر عین اس وقت جبکہ زمین اپنی بہار پر تھی اور کھیتیاں بنی سنوری کھڑی تھیں اور ان کے مالک سمجھ رہے تھے کہ اب ہم ان سے فائدہ اٹھانے پر قادر ہیں، یکایک رات کو یا دن کو ہمارا حکم آگیا اور ہم نے اُسے ایسا غارت کر کے رکھدیا کہ گویا کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔

لیکن جیسا کہ ہم پہلے کہہ آئے ہیں اسلام مادے کو نظر انداز بھی نہیں کرتا اور نہ ہی مادی ایجادوں کی اہمیت سے انکار کرتا ہے، بلکہ وہ ترقی کے اس رنگ کو بھی اللہ کی نعمت قرار دیتا ہے بشرطیکہ وہ اللہ کے تجویز کردہ نظام حیات کے مطابق ہو بلکہ وہ تو، اپنی اطاعت کی صورت میں، خود اپنے بندوں کی اس نعمت کی خوشخبری دیتا ہے:

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا وَّیُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ وَیَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّیَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا۔

(نوح ۱۰-۱۲)

اور میں نے کہا تم اپنے پروردگار سے معافی مانگو بے شک وہ بڑا معاف کر دینے والا ہے کثرت سے تم پر بارش بھیجے گا اور تمہارے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہارے لئے باغ لگا دے گا اور نہریں بہا دے گا۔

Marfat.com

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰی آمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَکَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَلٰکِنْ کَذَّبُوْا فَاَخَذْنَاهُمْ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ (الاعراف ۔ ۹۶)

اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے مگر انہوں نے تو جھٹلا دیا لہٰذا ہم نے اس بری کمائی کے حساب میں انہیں پکڑ لیا۔

غرض اسلامی نقطۂ نظر سے اصل اہمیت اس اصول کو حاصل ہے جس کے مطابق صنعتی اور مادی میدان میں ترقی ہو رہی ہوتی ہے، نیز ان اقدار کو دیکھا جاتا ہے جو اس مادی اور صنعتی معاشرے میں غالب ہوتی ہیں اور جن سے ایک خالص انسانی تہذیب کے مخصوص عناصر ترکیبی تشکیل پاتے ہیں۔

اسلامی معاشرے کے آغاز کا طریق کار اور اس کی عضوی تشکیل کا مزاج ہی اُسے ایک منفرد معاشرہ بنا دیتے ہیں اور اُس پر وہ نظریات منطبق نہیں ہوتے جو کسی جاہلی معاشرے کے آغاز اور اس کی عضویاتی تشکیل کی تفسیر کرتے ہیں۔ اسلامی معاشرہ ایک تحریک کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے اور تحریک ہی اس کی جان ہوتی ہے۔ یہی تحریک ہے جو اس معاشرے میں اشخاص کی قدر و قیمت اور مقام متعین کرتی ہے اور اس کے مطابق ان کے فرائض اور ذمہ داریاں متعین ہوتی ہیں۔ وہ تحریک جس سے اسلامی معاشرے کا آغاز ہوتا ہے جس کا منبع اس کرۂ ارض سے باہر ہوتا ہے اس پر انسان کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہوتا یعنی یہ تحریک اس عقیدے کی شکل میں آتی ہے جو اللہ کی جانب سے انسانوں کے پاس آیا ہوتا ہے۔ یہ عقیدہ دراصل وہ تصور حیات ہوتا ہے جو انسان کو اس کے وجود، زندگی، انسانی تاریخ اور اعلیٰ انسانی اقدار کے بارے میں ایک مخصوص فکر و نظر دیتا ہے اور اس فکر و نظر کو عمل میں لانے کے لئے وہ ایک خاص طریق کار کا تعین بھی کرتا ہے۔ غرض اسلامی تحریک کا پہلا محرک نہ نفس انسانی ہوتا ہے اور نہ ہی اس کائنات کا کوئی اور مادی سبب ہوتا ہے بلکہ اس تحریک کا آغاز زمین کی حدود سے آگے اور انسانی دائرہ علم و

اختیار سے باہر ایک عظیم ذات سے ہوتا ہے۔ یہ ہے اسلامی معاشرے کا مزاج اور اس کی ترکیب کی پہلی خصوصیت یعنی جن تصورات پر اس کا ارتقار ہوتا ہے وہ انسانی دائرہ اختیار سے باہر ہوتے ہیں۔

غرض ذات باری ہی وہ قدرتی اور غیبی طاقت ہے جس سے تحریک اسلامی کا آغاز ہوتا ہے اور اس کا آغاز ان حالات میں ہوتا کہ انسانوں کو اس کے بارے میں توقع بھی نہیں ہوتی۔ ابتدا میں اس تحریک کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی لیکن جو قدم اٹھتا ہے وہ دراصل ایک نئے معاشرے کا آغاز ہوتا ہے۔ معاشرے کے آغاز کے ساتھ ساتھ، انسانی عمل بھی شروع ہو جاتا ہے یعنی وہ پہلا انسان جو اس غیبی تحریک پر ایمان لے آتا ہے، اس کے ایمان لانے ہی قانونی طور پر اسلامی معاشرے کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔ کیونکہ اس عقیدے کو قبول کر کے وہ مسلم اُسے اپنی ذات تک محدود نہیں رکھتا بلکہ وہ اُسے لے کر اُٹھتا ہے اور ایک تحریک برپا کر دیتا ہے۔ کیونکہ اسلامی نظریۂ حیات اور اسلامی احکامات کا یہ قدرتی تقاضا ہے نیز عالم بالا کی جس ذات نے اس فرد کے دل میں جس نئی روح کا القار کیا ہے اس کا یہ منصوبہ ہوتا ہے کہ یہ فرد اس روح کو لیکر اُٹھے اور اُسے مسلسل آگے بڑھاتا چلا جائے۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں، ہر فرد سے عالم بالا کا یہ تقاضا ہوتا ہے۔

اور جب یہ عقیدہ اور نظریۂ حیات اپنانے والوں کی تعداد تین ہو جاتی ہے تو یہ نظریۂ حیات ان سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اب ایک علیحدہ معاشرہ ہیں اور یہ معاشرہ اب اس وقت کے موجودہ معاشرہ سے بالکل جُدا ہے جو اس عقیدے اور نظریۂ حیات کو قبول نہیں کرتا۔ اور جس میں وہ اقدار حیات غالب نہیں ہیں جن کے لئے اسلامی تحریک کا آغاز ہوا ہے۔ اسلامی معاشرے کے وجود کے لئے بس تین افراد کافی ہیں اس کے بعد تین دس، دس سو، سو ہزار اور ہزار دس ہزار ہوتے چلے جائیں گے۔ اس طرح اسلامی معاشرہ کا ظہور ہوتا ہے اور وہ پختہ سے پختہ تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

Marfat.com

ایک اسلامی معاشرے کے ارتقاء کے دوران کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ یہ اسلامی معاشرہ اپنے نئے عقائد و تصورات، اعلیٰ اقدار اور اخلاقیات اور اپنے وجود اور شکل کے لحاظ جس جاہلی معاشرے سے کٹ کر آتا ہے، اس سے اس کی مڈبھیڑ بھی ہو جاتی ہے۔ اس طرح اسلامی معاشرے کے نقطۂ آغاز سے لے کر اس کے ظہور تک اور پھر مستقل تشکیل تک جو تحریک چلتی ہے اس کے دوران اس معاشرے کے ہر فرد کی قدر و قیمت اچھی طرح ظاہر ہو جاتی ہے اور معاشرے میں اُسے ایک خاص وزن اور ایک خاص مقام مل جاتا ہے۔ یہ وزن اور یہ مقام خالص اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق متعین ہوتا ہے۔ اس طرح اسلامی معاشرے میں ہر فرد کا مقام معاشرے کے تمام دوسرے افراد کو معلوم ہوتا ہے اور وہ اُسے تسلیم کرتے ہیں باوجودیکہ نہ وہ خود اس مقام کے بارے میں کچھ سوچتا ہے اور نہ ہی اعلان و مطالبہ کرتا ہے۔ بلکہ فرد کی حالت تو یہ ہوگی کہ اس کے نظریات اور معاشرے کی بلند اقدار کا دباؤ یہ ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو کم ظاہر کرے اور ان نظروں سے اپنے آپ کو پوشیدہ رکھے اور دوسری جانب وہ تحریک جو اسلامی نظریۂ حیات کے مطابق برپا ہوتی ہے وہ اس قدر بالغ النظر ہوتی ہے کہ اُس کی نگاہ سے کوئی جوہر قابل پوشیدہ رہ نہیں سکتا۔ کیونکہ اس معاشرے کے ہر فرد کے لئے ضروری ہے کہ وہ متحرک ہو، اس کے عقائد و نظریات میں حرکت ہو، اس کا خون جوش مار رہا ہو، پورا معاشرہ متحرک ہو اور اس کی عضویاتی تشکیل بھی متحرک ہو، کیونکہ جاہلیت نے اس معاشرے کو گھیرا ہوا ہوتا ہے اور خود نفس انسانی اور اس کے ماحول پر جاہلیت چھائی ہوئی ہوتی ہے۔ تحریک کے کارکنوں کے ذہنوں میں اس کے آثار بھی موجود ہوتے ہیں۔ اور یہ معرکہ مسلسل جاری ہوتا ہے اور ایک عرصہ تک سخت جدوجہد قائم رہتی ہے اس لئے تحریکی عمل کے دوران اور تحریکی معرکوں کے اندر، خود بخود ہر شخص کا مقام متعین ہو جاتا ہے۔ ہر شخص کے فرائض متعین ہو جاتے ہیں۔ اس نئے معاشرے کی عضویاتی تشکیل ہی سے اس کے افراد کے

Marfat.com

درمیان فرائض کی مناسب اور متوازن تقسیم کردینی ہے۔ یہ اٹھان اور آغاز، یہ مسلسل تحریکیت اور اسلامی معاشرے کی ایسی عضویاتی تشکیل اس کی اہم خصوصیات ہیں اور یہی اس کے وجود ترکیبی اس کی تشکل و مزاج اور اس کے تفصیلی نظام کو ممتاز اور متعین کرتی ہیں اور ان خصوصیات ہی کی وجہ سے اسلامی نظام معاشرت کے روشن پہلو مستقل اور دوامی نوعیت اختیار کر لیتے ہیں۔ پھر ان کے ساتھ اجنبی افکار و نظریات میل نہیں کھاتے اور اسلامی نظام کو اس کے مزاج کے خلاف خطوط پر مطالعہ ہی نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی اس نظام کو دوسرے جاہلی نظاموں کے خطوط پر نافذ کیا جاسکتا ہے۔

یہ اسلامی معاشرے جس کی ہم نے تعریف کی ہے یہ محض تاریخی صورت نہ تھی، جس کا ذکر محض ماضی کی یادوں کے ضمن میں کر دیا جائے۔ بلکہ یہی مسلمانوں کی موجودہ حالات کی پکار ہے اور یہی ان کے مستقبل کی امید ہے۔ یہ وہ نصب العین ہے کہ آج ہو یا کل، پوری انسانیت کی نگاہیں اس کی طرف اُٹھنے والی ہیں۔ یہی انسانیت کو جاہلیت کے گڑھوں سے نکال سکتا ہے جن میں اس وقت دنیا کی پوری قومیں گری ہوتی ہیں۔ خواہ وہ صنعتی اور مادی لحاظ سے ترقی یافتہ اقوام ہوں یا ہر لحاظ سے پسماندہ اقوام ہوں۔

پھر ہم نے اس ضمن میں جن اقدار کا تذکرہ کیا ہے وہ خالص انسانی اقدار ہیں اور یہ اس قدر ممتاز ہیں کہ پوری انسانی تاریخ میں ان تک انسانیت کو صرف اسلامی تہذیب کے دور عروج ہی میں رسائی حاصل ہوئی۔ یہ بات آپ کے پیش نظر رہے کہ اسلامی تہذیب کو ہم اپنے خاص مفہوم میں استعمال کرتے ہیں جن سے مراد اعلیٰ انسانی اقدار کی تہذیب ہے اس سے مراد محض سائنسی، صنعتی اور اقتصادی ترقی نہیں ہے۔

اس بحث میں ہم نے جن انسانی اقدار کا ذکر کیا ہے وہ محض مثالی یا خیالی اقدار نہیں ہیں بلکہ سب کی سب واقعی اور عملی اقدار ہیں اور ان کا تعین اور حصول محض

Marfat.com

انسانی جدوجہد کے نتیجے میں ممکن نہیں ہے۔ بلکہ عالم بالا کی راہنمائی ضروری ہے۔ ان اقدار کو اسلامی نظام حیات میں جن معنوں میں لیا گیا ہے وہ ایسے ہیں جو ہر دور میں قابل عمل ہیں۔ قطع نظر اس طرز زندگی اور حالات سے جو کسی معاشرے میں پائے جاتے ہیں۔ معاشرے میں صنعتی، اقتصادی اور علمی ترقی ہو یا نہ ہو یہ اقدار قابل عمل ہیں۔ کیونکہ اسلامی اقدار خود اسلامی نظریہ حیات کے تقاضے کے طور پر زندگی کے ہر میدان میں ترقی کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں۔ بلکہ جن ممالک میں ایسی ترقیاں سرے سے ناپید ہوتی ہیں اسلامی تہذیب ان میں بھی اپنا کام بند نہیں کرتی۔ وہ ہر مقام اور ہر نسل میں قائم ہو سکتی ہے کیونکہ اس کی اساس انسان کی بلند اقدار پر ہوتی ہے، رہے مادی حالات تو ان کی کوئی حد نہیں ہے کیونکہ ہر معاشرے میں مادی ترقی ان ذخائر (POTENTIOL) کے لحاظ سے ہوتی ہے جو فعلاً اس میں موجود ہوتے ہیں اور وہ معاشرہ انہیں کام میں لاتا ہے۔

بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ اسلامی معاشرہ اپنے حجم اور زندگی کی نوعیت کے لحاظ کوئی جامد معاشرہ نہیں ہوتا نہ ہی کوئی تاریخی صورت حال ہوتی ہے۔ البتہ اسلامی تہذیب میں مخصوص ثابت تاریخی اقدار مشعل راہ ضرور ہوتی ہیں اور ان کو بھی ہم تاریخی ان معنوں میں نہیں کہتے کہ وہ تاریخ کے کسی خاص دور سے مختص ہیں۔ یا یہ کہ کسی خاص تاریخی دور کی پیداوار ہیں یا یہ کہ زمان و مکان سے ان کا کوئی تعلق ہے بلکہ ان کا تعلق خالص ربانی سرچشمے سے ہے انسانی دائرہ اختیار اور حدود کار سے بہت دور اور مادی وجود سے کہیں آگے۔ البتہ ان کا وقوع تاریخ کے ایک دور میں ہوا۔ عناصر ترکیبی اور شکل و صورت کے لحاظ سے اسلامی تہذیب کی نوعیتیں مختلف ہو سکتی ہیں، لیکن وہ اصول اور اقدار حیات جن پر اس تہذیب کا قیام ہے، ان میں اختلاف نہیں ہو سکتا کیونکہ ان اصولوں اور اقدار حیات پر ہی دراصل پوری تہذیب استوار ہوتی ہے مثلاً ایک اللہ کی بندگی اور اطاعت نظریاتی بنیادوں پر اجتماعیت، انسان کی انسانیت کو مادیت پر ترجیح، ان اقدار

Marfat.com

کی سربلندی جو انسان کی حیوانیت کے بجائے اس کی انسانیت کی نشوونما دیتی ہوں، خاندان نظام کا احترام اور اللہ کی ہدایات اور شرائط کے مطابق خلافت فی الارض اور اس خلافت میں اسلامی نظام حیات کی ترویج اور تنفیذ۔ یہ ہیں وہ بنیادی اقدار جو کہیں بھی نہیں بدل سکتیں۔

ان اصولوں اور اقدار پر جو بھی تہذیب قائم ہو وہ اسلامی تہذیب ہوگی۔اس کی شکل و صورت ،اس وقت کی مادی صنعتی ،اقتصادی اور علمی ترقیوں کی نسبت سے مختلف ہوسکتی ہے کیونکہ اسلامی تہذیب ہمیشہ ان خام وسائل(Potential) کو استعمال کرتی ہے ،جو اس معاشرے میں موجود ہوتے ہیں۔اس لئے یہ ناگزیر ہے کہ اس کی ظاہری شکلیں مختلف ہوں اور شکل و صورت کے لحاظ سے یہ لچک اس لئے رکھی گئی ہے تاکہ ہر معاشرے اور سوسائٹی میں اسلامی تہذیب و تمدن کا قیام ممکن ہو اور ہر سوسائٹی کے لئے یہ ممکن ہو کہ وہ اسلامی تہذیب کو اپنا سکے۔ اور اسلامی مفاہیم سے مستفید ہو سکے۔لیکن اسلامی تہذیب کے خارجی اور صوری پہلو میں جو لچک رکھی گئی ہے اس کا اثر ان اسلامی نظریات پر نہیں ہوتا جن پر اس کی بنیاد رکھی گئی ہوتی ہے اور جن سے اس تہذیب کا ظہور قدرتی طور پر ہو رہا ہوتا ہے۔ یہ عقائد غیر متبدل ہوتے ہیں۔نیز یہ لچک ایسی بھی نہیں ہے جس کے نتیجے میں اسلامی اقدار ہی کو بدل دیا جائے اور وہ نئی شکل اختیار کرلیں۔لچک اور "تجدد" میں بہرحال بڑا فرق ہے۔

مثلاً ایک وقت وہ تھا کہ اسلام عریاں افریقی قبائل میں تہذیب کی شمع روشن کر رہا تھا۔اسلام کے آتے ہی یہ سب ننگے لوگ لباس میں ملبوس ہو گئے یہ تبدیلی اسلامی احکام کا براہ راست نتیجہ تھی۔ دوسری طرف کاہل اقوام میں اسلامی تہذیب کے پھیلنے سے وہ متحرک ہوگئیں یہ بھی اسلامی تہذیب اور اسلامی احکامات کا قدرتی تقاضا ہے کہ لوگ کاہلی کو چھوڑ کر ہمہ گیر جدوجہد میں لگ جائیں ،قدرت کے تمام وسائل کو دریافت کریں اور ان کو انسانیت کی بھلائی کے لئے استعمال

Marfat.com

کریں۔ ایک تیسرے پہلو سے اسلامی تہذیب نے ان قبائل پر اثر ڈالا جو منتشر تھے انہوں نے ایک امت کی شکل اختیار کرلی اور سب لوگ انسانوں کی غلامی سے نکل کر صرف اللہ غلامی میں داخل ہوئے۔ یہ ہیں اسلامی تہذیب کے مختلف مظاہر۔ غرض اسلامی تہذیب جس سوسائٹی میں بھی داخل ہوتی ہے وہ اس کے موجودہ حالات اور وسائل کو کام میں لاتی ہے۔ اس طرح مختلف سوسائٹیوں میں اسلام کے اثرات مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں اور جہاں جو خام مواد اُسے ملتا ہے وہ اُسے کام میں لاتی ہے۔ اس طرح اسلامی تہذیب ایک ایسی انسانی تہذیب ہے جس کا قیام کسی معاشرے کی علمی ترقی، اقتصادی خوشحالی اور صنعتی ترقی کے کسی خاص درجے پر موقوف نہیں ہوتا۔ ہاں یہ ضرور ہوتا ہے کہ ترقی کی جس حالت اور درجے میں جہاں اسلام کا وُرُود ہوتا ہے وہ اس حالت کو مزید ترقی دیتا ہے۔ سوسائٹی کے مقاصد بلند ہوجاتے ہیں اور کہیں اگر ترقی و تہذیب کا نام و نشان نہ ہو تو اسلام وہاں ابتدائی کام شروع کردیتا ہے۔ لیکن یہ کام ہر حال میں اسلامی تہذیب کے اُن اصولوں اور اعلیٰ اقدار کی بنیاد پر ہوتا ہے جو ناقابلِ تغیر ہوتے ہیں اور اسلامی معاشرہ کا خاص مزاج، بہر حال قائم رہتا ہے اور اس کی مخصوص عضویاتی تشکیل بعینہٖ اسی طرح ہوتی ہے جس طرح ابتداءً اسلامی معاشرے کا آغاز ہوا تھا۔ یہ تمام خصائص قائم رہتے ہیں اور اسلامی معاشرے کو دوسرے جاہلی معاشروں سے ممتاز کرتے ہیں۔ اس طرح اسلامی معاشرے کی تعبیر ہم "اللہ کے رنگ" سے کرسکتے ہیں۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً

(البقرہ، ۱۳۸)

یہ ہے اللہ کا رنگ! اور اس کے رنگ سے اور کس کا رنگ اچھا ہوگا؟

Marfat.com

اسلامی نظریۂ حیات

اور

ثقافت

○ جن باتوں کا تعلق اس کائنات کے عمومی تصور، اعتقادی حقائق، اخلاق وسلوک اعلیٰ اقدار، حسن و قبیح کے پیمانوں سے ہے۔

یا

○ جن باتوں کا تعلق اسلام کے اجتماعی نظام، اقتصادیات، سیاسیات اور ان کے اصول و مبادی سے ہے۔

یا

○ جن کا تعلق حیات انسانی کے محرکات، انسانی تاریخ کی مسلسل حرکت اور اسکی تعبیر سے ہے۔

ان سب باتوں میں ایک مومن صرف ایک ہی مصدر و منبع سے فیض یاب ہو سکتا ہے اور صرف خدا وند قدوس کی ہدایات سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور ان میدانوں میں مسلمان صرف ان افراد سے استفادہ کریگا جن کی امانت و دیانت پر اسے اعتماد ہو۔

Marfat.com

Marfat.com

اسلامی نظریۂ حیات اور ثقافت

اسلام کی بنیاد کلمۂ طیبہ پر ہے اور اس کے پہلے جزء کا مفہوم یہ ہے کہ بندگی اور غلامی صرف اللہ کے لئے ہے اور یہ مفہوم دوسری جگہ کلمۂ شہادت میں ادا کیا گیا ہے۔ اشھد ان لاالٰہ الااللہ کلمہ طیبہ کے پہلے جزء کو پڑھتے ہی فطری طور پر ذہن انسانی میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر اللہ کی بندگی اور غلامی کا طریقۂ عمل کیا ہے؟ تو اس کا جواب یوں دیا گیا کہ محمد رسول اللہ یعنی سنت رسول ہی وہ واحد طریقہ ہے جس پر چل کر ہم اللہ کی بندگی کر سکتے ہیں کیونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول اور پیغمبر ہیں۔ اس بات کی پوری وضاحت ہم اس سے قبل ایک عنوان، "کلمہ طیبہ ہی نظام حیات ہے"۔ کے تحت کر چکے ہیں۔ جہاں ہم کہہ آئے ہیں کہ ہر قسم کی بندگی خواہ اس کا تعلق نظریہ حیات سے ہو یا مراسم عبادت سے ہو یا دستور و قانون سے ہو صرف اللہ کے لئے مخصوص ہے۔ کسی مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ اللہ کے سوا کوئی اور الٰہ بھی ہو سکتا، کوئی مسلمان اللہ کے سوا کسی اور کے سامنے مراسم عبودیت بجا نہیں لا سکتا اور کوئی مسلمان اللہ کے سوا کسی اور کو حاکم اور شہنشاہ نہیں سمجھ سکتا۔ وہاں ہم عقائد و نظریات، مراسم عبودیت اور حاکمیت الٰہیہ جیسے مسائل کو اچھی طرح واضح کر چکے ہیں اور یہاں ہم یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ حاکمیت کا مفہوم کیا ہے اور ثقافت کے ساتھ اس کے تعلق کی نوعیت کیا ہے۔

اسلامی نظریۂ حیات میں حاکمیت کا مفہوم صرف یہ نہیں ہے کہ قانون صرف اللہ کا چلے گا اور اختلاف کی صورت میں اللہ اور رسول کے فیصلے کی طرف رجوع ہوگا۔ بلکہ حاکمیت کا مفہوم قانون و شریعت سے کہیں وسیع تر ہے۔ اس کا تعلق صرف اصول قانون، قانونی نظام اور اس سے پیدا ہونے والے حالات ہی سے نہیں ہے کیونکہ حاکمیت کا یہ محدود تصور اسلامی تصور حیات سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اسلامی نظریۂ حاکمیت کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر وہ

حکم جو اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کو منظم کرنے کے لئے دیا ہے وہ شریعت الٰہی ہے۔ اس میں بیک وقت اخلاقی اصول قانونی اصول، مراسم عبادت کے اصول، تصوف و سلوک کے اصول، علم معرفت کے اصول اور اسلامی اعتقادات اور نظریات کے تمام اصول سب کے سب شامل ہیں۔ غرض حقیقت الوہیت کے اسلامی تصور کے مطابق اس کائنات کی ظاہری شکل اور باطنی ماہیت، زندگی کے ظاہر و باطن، وجود انسانی کی اصل حقیقت اور دوسری تمام حقیقتوں کے ساتھ انسان کے تعلقات کی نوعیت اور ان حقائق کے باہمی ربط اور انسانی تصورات اور انسانی اعتقادات کے ایک ایک جزء میں شریعت اسلامی کا ظہور ہوتا ہے۔ پھر یہ شریعت بیک وقت سیاسی، اجتماعی اور اقتصادی نظاموں کے اندر ظاہر ہوتی ہے۔ زندگی کے ہر مظہر میں شریعت الٰہی کے اس ظہور کا مطلب یہ ہے کہ بندگی پوری کی پوری اللہ کے لئے مختص ہو جائے اور زندگی کے کسی شعبے میں بھی اللہ کے سوا کوئی اور الٰہ نہ ہو۔

یہ شریعت جب قانون و دستور کے میدان میں کام کرتی ہے تو انسانی زندگی کے تمام قانونی پہلوؤں پر حاوی ہو جاتی ہے اور کسی گوشے کو بھی نہیں چھوڑتی۔ (عام طور پر شریعت کے اس حصے ہی کو شریعت کہا جاتا ہے، حالانکہ جس طرح ہم نے اوپر بیان کیا اسلامی نظریۂ حیات کے مطابق شریعت کا مفہوم اس سے وسیع تر ہے)

جب یہ شریعت اخلاقی ضوابط اور تصوف و سلوک کے میدان میں آتی ہے تو اعلیٰ اقدار اور حسن و قبیح کے اعلیٰ پیمانے متعین کرتی ہے۔ یہ اقدار اور اخلاقی پیمانے اس معاشرے پر غالب ہو جاتے ہیں اور انہی کی روشنی میں اجتماعی زندگی میں انسانوں اور دوسری چیزوں اور تاریخی واقعات کی قدر و قیمت متعین ہوتی ہے۔

جب یہ شریعت علم و معرفت کے میدان میں جولانی دکھاتی ہے تو اس کے اصول اور اساسی نظریات تمام فکری اور فنی سرگرمیوں کا محور بن جاتے ہیں اور ان تمام سرگرمیوں کی تہ میں اسی کی معنویت کارفرما ہوتی ہیں۔

غرض قانون و شریعت میں صرف اللہ کی حاکمیت کا مسئلہ تو پہلے بھی کافی حد تک واضح

Marfat.com

ہو چکا ہے۔ کیونکہ اخلاقی اصول اور تصوف وسلوک کے قواعد وضوابط جو اسلامی نظام میں معاشرے پر غالب ہوا کرتے ہیں بہر حال وہ اس وقت کے اعتقادی تصورات اور قانون نظام کے زیر اثر ہوتے ہیں اور ان کے بارے میں بھی راہنمائی اسی مصدر سے حاصل کی جاتی ہے جس مصدر سے اعتقادات اور تصورات ماخوذ ہوتے ہیں اور جس سے قانونی نظام صادر ہوتا ہے۔ لیکن یہ کہ خالص فکری امور میں بھی اسلامی تصور حیات ہی سے راہنمائی حاصل کی جائے اور اسی میدان میں بھی اسی ربانی سرچشمے کی طرف رجوع کیا جائے یہ سب کے لئے ایک انوکھی بات ہوگی۔ بلکہ ان لوگوں کے لئے بھی جو بہر حال کسی درجے میں اسلامی لٹریچر سے بھی واقف ہیں اور اُسے پڑھتے بھی ہیں۔

انسان کی ادبی سرگرمیوں کے بارے میں ہمارے ہاں ایک مستقل کتاب شائع ہو چکی ہے[1] جس میں اس مسئلے پر اسی نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے کہ تمام ادبی سرگرمیاں دراصل انسان کے تصورات تاثرات اور اس کے ردعمل کا اظہار ہوتی ہیں اور وہ یہ بتاتی ہیں کہ لکھنے والے کے ذہن میں حیات انسانی، اس کائنات اور اس کی اصلیت کے بارے میں کیا تصورات ہیں۔

غرض اسلامی تصور حیات ہی کی وجہ سے ایک مسلم کا ذہن اس میدان میں بھی متحرک ہوتا ہے اور یہ تصورات ہی ادبی تخلیقات کا اصل سبب ہوتے ہیں۔ یہ تصور حیات ایک مسلم ادیب کو یہ سکھاتا ہے کہ اس کائنات، اس میں حیات انسانی اور بالخصوص انسانی ذہن کی حقیقت کیا ہے۔ کائنات، حیات انسانی اور عقل انسانی کا اپنے خالق سے کیا ربط ہے۔ انسان کی کیا حقیقت ہے؟ اس کائنات میں اس کا کیا مقام ہے؟ اس کے وجود کی اصل غرض وغایت کیا ہے۔ اس کے فرائض کیا ہیں؟ اور اس کی زندگی کی بلند اقدار کیا ہیں؟ یہ تمام چیزیں بتمامہا اسلامی تصور حیات میں موجود ہوتی ہیں اور محض ذہنی تصور کی شکل میں بھی نہیں بلکہ ایک زندہ، فعال، مؤثر، محرک، غالب اور فیصلہ کن حقیقت کی شکل میں موجود ہوتی ہیں اور ایک ادیب کو متاثر کرتی ہیں۔

[1] جس کتاب کا میں نے ذکر کیا ہے وہ محمد قطب کی کتاب "ادب اسلامی کا منہاج" ہے۔

Marfat.com

یہ مسئلہ کہ انسان کی ادبی اور فکری سرگرمیاں بھی اسلامی تصور حیات کے تحت آ جائیں اور اس طرح انسان مکمل طور پر صرف ایک اللہ کی غلامی میں آ جائے ایک ایسا مسئلہ ہے جسے تفصیل سے بیان کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ ہمارے زمانے کے اہل علم کے لئے یہ بات بالکل انوکھی ہے۔ حتیٰ کہ وہ لوگ بھی جو حاکمیت اور تشریع اور تصوف و سلوک میں اللہ کی وحدانیت پر حتمی یقین رکھتے ہیں اس بارے میں واضح تصور نہیں رکھتے اور ان کا ذہن بھی صاف نہیں ہے۔

سائنسی علوم اور عمرانی علوم

جن باتوں کا تعلق اس کائنات کے عمومی تصور، اعتقادی حقائق، اخلاق و سلوک اعلیٰ اقدار اور حسن و قبیح کے پیمانوں سے ہے یا جن باتوں کا تعلق اسلام کے اجتماعی نظام، اقتصادیات سیاسیات اور ان کے اصول و مبادی سے ہے یا جن کا تعلق حیات انسانی کے محرکات، انسانی تاریخ کی مسلسل حرکت اور اس کی تعبیر سے ہے، ان سب باتوں میں ایک مومن صرف ایک ہی مصدر و منبع سے فیضیاب ہو سکتا ہے اس میدان میں ایک مسلمان صرف خداوند کریم کی ہدایت سے استفادہ کرے گا اور یہ چیزیں صرف انہی لوگوں سے لے گا جن کی دیانت اور امانت پر اُسے پورا بھروسہ ہو گا۔ اُسے ان کے تقویٰ پر اعتماد ہو گا اور وہ ہوں گے بھی ایسے لوگ جن کی عملی زندگی اسلامی نظام حیات کے مطابق گزر رہی ہو۔

رہے وہ خالص علوم مثلاً کیمیا، طبیعات، حیاتیات، طب، صنعت، زراعت، خالص تنظیمی امور، فنی طریق کار، فنون حرب اور اس قسم کے تمام دوسرے شعبے تو ان میں ایک مسلم مسلم سے بھی استفادہ کر سکتا ہے اور غیر مسلموں سے بھی۔ اگرچہ اسلامی معاشرہ کے قیام کے بعد ان میدانوں میں بھی بنیادی پالیسی یہی ہو گی کہ فرض کفایہ کے طور پر کچھ مسلمان اُن شعبوں میں بھی جلد از جلد مہارت حاصل کریں ورنہ اس صورت میں تمام معاشرہ گناہگار ہو گا۔ ایک مسلم معاشرے کا یہ فرض ہو گا کہ وہ ایسی فضا پیدا کرے جس میں ایسی صلاحیتوں کا حصول ممکن ہو۔ وہ پھلیں پھولیں اور نتیجہ خیز ثابت ہوں۔ ہاں جب تک یہ سہولتیں مہیا نہیں ہوتیں اس وقت تک ایک مسلم کے لئے جائز ہے کہ وہ اس قسم کے

Marfat.com

خالص علوم اور سائنس غیر مسلموں سے حاصل کرے اور جن جن اقوام نے بھی اس میدان میں کام کیا ہے ان سے استفادہ کرے۔ کیونکہ یہ خالص سائنسی شعبے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں آتے ہیں جس میں آپ فرماتے ہیں اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ۔ "تم اپنے دنیاوی امور میں زیادہ علم رکھتے ہو" اس کی وجہ یہ ہے کہ ان امور کا مسلمانوں کے تصور حیات، تصور انسانیت، تصور کائنات، انسان کے مقصد وجود اور اس کے فرائض کے تصورات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان علوم میں اس بات سے بحث نہیں ہوتی کہ اس کائنات کا خالق کون ہے اور انسان کا اس خالق سے کیا تعلق ہے۔ نیز عقائد و شریعت زندگی کی انفرادی یا اجتماعی تنظیم سے بھی ان کا کوئی علاقہ نہیں ہے۔ نیز یہ علوم اخلاق و آداب، عادات و تقالید، اعلیٰ اقدار اور اخلاقی پیمانوں سے بھی بحث نہیں کرتے جن سے کسی معاشرے کے خدوخال متعین ہوتے ہیں۔ اس لئے ان علوم سے یہ خطرہ نہیں رہتا کہ ان سے کسی مسلمان کے نظریات خراب ہو جائیں گے۔

لیکن جن امور کا تعلق انسان کی اجتماعی یا انفرادی زندگی سے ہے مثلاً یہ کہ انسان کی حقیقت کیا ہے؟ انسانی تاریخ کی تعبیر کیا ہے؟ یہ کائنات کس طرح وجود میں آئی؟ اس پر زندگی کس طرح نمودار ہوئی؟ خود انسان کو زندگی کس طرح نصیب ہوئی (یعنی پہلا انسان کس طرح پیدا ہوا۔ کیونکہ یہ بحث خالص سائنس، کیمیا، طبیعات فلکیات اور طب کا موضوع نہیں ہے) تو یہ امور بھی شریعت و قانون، عقائد و اصول کی طرح انسانی زندگی اور اس کی تمام سرگرمیوں کی تنظیم کرتے ہیں اور ان کا عقیدے اور نظریۂ حیات سے تعلق ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ان امور کے بارے میں ایک مسلمان صرف مسلمان ہی سے استفادہ کرے جس کے دین اور تقویٰ پر اُسے مکمل بھروسہ ہو۔ اُسے یقین ہو کہ اس کا استاد اس بارے میں صرف خدا اور رسول کی تعلیمات پر اعتماد کرتا ہے۔ یعنی اہمیت اس بات کی ہے کہ یہ تمام چیزیں بڑی خوش اسلوبی سے ایک مؤمن کے ذہن میں بیٹھ جائیں اور وہ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لے کہ اللہ کی عبودیت اور کلمہ طیبہ اور کلمۂ شہادت کا یہی تقاضا ہے۔

اس میں شک نہیں ہے کہ ایک مؤمن ہر حال میں جاہلیت کی تمام سرگرمیوں سے اپنے

Marfat.com

آپ کو باخبر رکھے گا، لیکن اس لئے نہیں کہ درج بالا موضوعات پر وہ جاہلیت سے کچھ بھی استفادہ کرے بلکہ صرف اس لئے کہ جاہلیت کی سرگرمیاں اور اس کی ضلالتیں اس کی نظر میں ہوں اور مؤمن کو علم ہو کہ وہ جاہلی نظام کو کس طرح اسلامی نظام میں بدل سکتا ہے اور کن ذرائع سے وہ اہل جاہلیت کو اسلام نظریہ حیات اور اسلام نظام زندگی میں داخل کر سکتا ہے۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ہمارے دور میں جس قدر فلسفے رائج ہیں، انسانی تاریخ کی جو تعبیریں ہو رہی ہیں، غرض علم النفس کے تمام اصولوں اور تعبیروں، تمام اخلاقی فلسفوں، مذاہب کے تقابلی مطالعوں اور تمام اجتماعی اور نظریاتی فلسفوں کی تعبیروں کا رجحان جاہلی اور لادینی ہے یہ تمام علوم و فنون جاہلیت قدیمہ یا جاہلیت جدیدہ سے متاثر رہے ہیں اور ان تمام علوم کی تدوین اور تشکیل اس طرح ہوئی ہے کہ ان کے بنیادی اصول بالعموم مذہب دشمنی پر مبنی ہیں اور بالخصوص اسلام سے تو ان علوم و فنون اور فلسفوں کو سخت عناد رہا ہے۔ مشاہدات، شماریات اور براہ راست معلومات کو اس کلیے سے مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ان سے جو نتائج اخذ کئے جاتے ہیں اور ان کی اساس پر انسانوں کے جو ذہن بنائے جا رہے ہیں وہ سب قابل رد ہیں۔

غرض مذکورہ بالا علمی اور فکری سرگرمیوں کی حیثیت اور خالص سائنسز مثلاً کیمیا، طبیعات، فلکیات حیاتیات اور طب وغیرہ کی حیثیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یہ حیثیت اس وقت ہو گی۔ جب ان علوم کو خالص علوم رہنے دیا جائے۔ لیکن اگر کوئی شخص ان علوم سے غلط اور خود ساختہ نتائج اخذ کرنا شروع کر دے اور ان علوم کو ایک ذہنی اور فکری فلسفہ بنا دے تو بھی یہ علوم ہمارے لئے قابل قبول نہ ہوں گے۔ مثلاً ڈارون نے علم حیاتیات کو بنیاد بنا کر ایک غلط مابعد الطبیعاتی فلسفہ پیش کیا، جس کی نہ ضرورت تھی اور نہ ہی اس کا استدلال قطعیت پر مبنی تھا۔ اس نے یہ کام محض انسان کے سفلی جذبات کی تسکین کی خاطر کیا۔ اس نے یہ دعویٰ کیا کہ زندگی اور اس کے ارتقاء کے لئے عالم طبیعات سے باہر کسی قوت کو تسلیم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

غرض دینی و فکری اور نظریاتی اور مافوق الطبیعاتی مسائل میں خداوند قدوس نے جو کچھ

Marfat.com

بیان فرما دیا ہے وہ ایک مسلم کے لئے کافی اور شافی ہے۔ خصوصاً جب کہ ان میدانوں میں آج تک انسانوں نے جو کاوشیں کی ہیں وہ نہایت کمزور اور مضحکہ خیز ہیں اور یہ مسائل ایسے ہیں جن کا تعلق ہمارے ایمان اور اللہ تعالیٰ کی کامل بندگی جیسے نازک اور اہم مسائل سے ہے۔

یہ بات کہ "ثقافت ایک انسانی ورثہ ہے اس کا نہ کوئی وطن ہے، نہ مذہب ہے اور نہ قومیت ہے" جب تک اس کا تعلق خالص علوم یا ان کی عملی تطبیق سے ہو تو یہ درست ہے۔ لیکن جب ثقافت اپنے اصل حدود کار سے آگے بڑھ کر مابعد الطبیعاتی مسائل میں دخل دینا شروع کر دیتی ہے اور ان علوم سے کچھ نتائج اخذ کرتی ہے تو پھر یہ عالم انسانی کی میراث نہیں رہتی۔ مثلاً نفس انسانی، اس کی کارکردگی اور تاریخ کے بارے میں ان علوم سے جو نتائج اخذ کئے جاتے ہیں وہ ایک مخصوص زاویہ نگاہ کے مطابق ہوتے ہیں یا فن و ادب اور ذہن و شعور کے بارے میں ان فنون اور علوم کی بنیاد پر جو تعبیریں اختیار کی جاتی ہیں وہ بھی ہمارے لئے قابل قبول نہیں ہیں۔ خالص علوم سے غلط نتائج اخذ کرنا دراصل عالمی یہودیت کی ایک گہری چال ہے۔ یہودیوں نے یہ منصوبہ اس لئے بنایا ہے تاکہ وہ اپنے راستے سے تمام رکاوٹیں دور کر دیں اور ان رکاوٹوں میں سے ایک بڑی رکاوٹ مذہبی عقائد ہیں۔ تمام انسانوں کو نظریاتی اور فکری لحاظ سے گمراہ کر کے یہودی پوری دنیا پر چھانا چاہتے ہیں۔ یہ ایک نہایت ہی گہری چال ہے اور اس میں عالمی یہودیت بڑی رازداری سے اپنا کھیل کھیل رہی ہے۔ اس کا آغاز انہوں نے سودی کاروبار سے کیا۔ سودی کاروبار کے ذریعہ انہوں نے پوری انسانیت کی محنت کا نچوڑ بین الاقوامی مالی اداروں کی طرف منتقل کرنا شروع کیا اور یہ ادارے یہودی ادارے تھے۔

ثقافت کی دو قسمیں

لیکن اسلامی تصور حیات کے مطابق خالص علوم اور ان سے اخذ کردہ علمی نتائج سے بھی قطع نظر ثقافت کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک وہ ثقافت ہے جو خالص اسلامی تصور حیات پر مبنی ہوتی ہے اور دوسری جاہلی ثقافت ہے جس کی بنیاد دوسرے جاہلی نظریات پر ہوتی ہے۔ اور تمام جاہلی نظریات کا مابہ الاشتراک یہ ہے کہ ان میں انسانی نظر و فکر ہی کو خدائی کا درجہ حاصل

Marfat.com

ہوتا ہے اور یہ فکر اپنے تمام کاموں میں اللہ رب العلمین سے بے نیاز ہوتی ہے۔ جب کہ اسلامی ثقافت الہٰی آ ورحیات کی بنیاد پر فکر انسانی کے تمام حقیقی اور فکری شعبوں پر حاوی ہوتی ہے۔ اس کے اصول، اس کی خصوصیات اور اس کا طریق کار ایسا ہے کہ وہ انسان کی ثقافتی سرگرمیوں اور فکری تگ و دو کو ہمیشہ زندہ اور متحرک رکھتا ہے۔

یہ بات پیش نظر رہے کہ خالص علوم (سائنس) میں "تجربی" طرز استدلال، جس کی اساس پر پوری مغربی تہذیب قائم ہوئی خود مغرب کا کارنامہ نہیں ہے بلکہ اس کا آغاز اندلس اور مشرق کی اسلامی یونیورسٹیوں سے ہوا اور یہ طرز استدلال اور اس کے اصول مسلمانوں نے اسلامی تعلیمات سے اخذ کئے کیونکہ اسلام نے اس کائنات، اس کی واقعی صورت حال اور اس کے اندر پوشیدہ ذخائر اور قوتوں کے بارے میں انسان کو ایک خاص تصور دیا ہے۔ اس کے بعد یورپ کی تحریک علمی نشاۃ ثانیہ نے اس طرز استدلال کو اپنایا اور اُسے ترقی دے کر بام عروج تک پہنچا دیا جب کہ مشرقی دنیا میں یہ استدلال منجمد ہو کر متروک ہوگیا کیونکہ مشرق میں ترقی اسلامی نظام حیات کے باعث ہوئی تھی۔ جوں جوں مسلمانوں نے اسلامی تعلیمات کو ترک کیا وہ علمی دنیا میں بھی پیچھے رہ گئے۔ مشرقی اقوام کی اس ترقی معکوس کے کچھ اسباب تو خود ان کی معاشرت میں تھے اور خارجی سبب یہ ہوا کہ یہودیت اور عیسائیت نے مل کر مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات سے دور کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اہل مغرب نے تجربی استدلال اخذ کرتے وقت اس میں یہ تصرف کیا کہ اس کے ماخذ یعنی اسلامی نظریۂ حیات سے اس کا ربط ختم کر دیا اور اُسے خالص لادینی بنا دیا۔ وجہ یہ تھی کہ اہل مغرب نے اپنے علماء اور فضلاء پر بے حد مظالم کئے اس لئے ان کے علماء نے علم کو مذہب سے علیحدہ رکھا۔ کلیسا نے خدا کے نام پر اہل علم پر جو مظالم ڈھائے ان کی وجہ سے لوگ خود کلیسا سے تنگ آ گئے تھے۔

اس تجزیہ کا اثر یہ ہوا کہ یورپ کے تمام فکری نتائج، اسلامی نظریۂ حیات کے بالکل برعکس ایک نئی شکل اختیار کر گئے اور ایک خالص جاہلی تہذیب و ثقافت مختلف نظریات کی شکل میں لے آئے۔ یہ نتائج نہ صرف یہ کہ اسلامی نظریۂ حیات سے دور جا پڑے بلکہ

مسلمانوں کے بغض عناد کی وجہ سے انہیں اسلام دشمنی کی اساس پر مرتب کیا گیا۔ اس لئے مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ فکر و نظر اور نظریۂ حیات کے میدان میں صرف اسلامی مراجع اور سرچشموں کی طرف رجوع کریں اور اگر کوئی بذات خود اسلامی مراجع پر دسترس نہ رکھتا ہو تو اُسے چاہیئے کہ وہ کسی ایسے شخص سے استفادہ کرے جس کی دیانت و امانت پر اُسے اعتماد ہو۔

وہ امور جو انسانی فکر و نظر پر اثر انداز ہوتے ہیں اور جن سے اس کائنات کے بارے میں انسانی نقطۂ نظر متعین ہوتا ہے یا انسان کا تصورِ حیات، اس کا طرزِ عمل اس کا طور طریقے، اس کے اخلاق و عادات، اعلیٰ اقدار اور نفس انسانی اور اس کی سرگرمیاں متعین ہوتی ہیں ان سب شعبوں کے بارے میں اسلام علم اور صاحب علم کے درمیان تفریق کا قائل نہیں ہے۔ اس لئے اسلامی نقطۂ نظر سے ان علوم کے بارے میں کسی مسلم کو یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ غیر مسلموں سے یہ علوم حاصل کرے۔ البتہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ کسی غیر مسلم سے یا کسی غیر متقی مسلم سے کیمیا، طبیعات، فلکیات، طب، صنعت، زراعت، اور تنظیم وغیرہ سیکھے جائیں اور یہ بھی صرف ان حالات میں جب ان موضوعات پر مسلم ماہرین دستیاب نہ ہوں جیسا کہ آج کل عموماً ترقی پذیر مسلم ممالک کی حالت ہے۔ جو اسلامی نظریہ حیات اسلامی افکار اور اسلامی نظریۂ خلافت سے دور ہو گئے ہیں اور جنہیں ایسی فنی مہارتوں کی اشد ضرورت ہے۔ لیکن ایک صحیح مسلم اس بات کو ہرگز ہرگز برداشت نہیں کر سکتا کہ وہ اپنے اصولی عقائد، اپنے نظریات اور افکار کے بنیادی عناصر ترکیبی، قرآن و سنت، فقہ و تفسیر، حدیث و اصول حدیث، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، اسلام کے نظریۂ تاریخ اسلامی تاریخ، اسلام کے اجتماعی نظریات، اسلامی نظام حکومت، اسلام کے سیاسی نظام، اس کی سیاسی پالیسی، فن و ادب کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر اور ایسے ہی دوسرے تمام اساسی مسائل میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی کوئی مسلم کسی غیر اسلامی مصدر یا معلم سے استفادہ کرے بالخصوص کسی ایسے غیر مسلم سے جس کے تقویٰ اور دیانت و امانت پر اُسے کوئی بھروسہ نہیں ہو سکتا۔

Marfat.com

یقین کیجئے کہ راقم الحروف پورے چالیس سال تک مطالعہ کرتا رہا ہے۔ اس کا پہلا کام یہ تھا کہ انسانی علم و معرفت کے بارے میں وافر معلومات فراہم کرے۔ چنانچہ اپنے مخصوص مضمون میں بھی اور دوسرے میدانوں میں بھی اس نے محض تسکین شوق کے لئے وافر معلومات فراہم کیں۔ اس کے بعد جب وہ اپنے عقائد و نظریات کے اصل مصادر کی جانب پلٹا تو اس نے اس پورے عرصے میں جو کچھ پڑھا تھا، علم و معرفت اور فن و ادب کے ان عظیم الشان ذخائر کے مقابلے میں وہ اُسے حد درجہ حقیر نظر آیا اور اس کے سوا چارہ بھی کیا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ اس چہل سالہ عمر رفتہ پر نادم نہیں ہے کیونکہ اس دوران اس نے جاہلیت کو کما حقہٗ پہچان لیا۔ اُسے اپنی گم گشتگی، ضلالت چھپنے، پیچیدگی، ابہام، ادعار اور کبر و غرور کا حق الیقین ہو گیا۔ لہٰذا اس ذاتی تجربے کی بنا ر پر راقم الحروف کا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ ایک صحیح مسلمان بیک وقت ان دو متضاد مصادر فکر سے ہدایت نہیں پا سکتا۔

سطور بالا میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ صرف میری ذاتی رائے نہیں ہے جسے بلا دلیل یہاں ظاہر کرنا مقصود ہو بلکہ یہ معاملہ حد درجہ اہمیت کا حامل ہے اور اس کی نوعیت یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کی رائے زنی کرنے کا کوئی موقعہ ہی نہیں ہے۔ اس بارے میں کوئی مسلم کسی قسم کی رائے زنی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے وہ خود خداوند قدوس اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح فرمان پر مبنی ہے اور مسلمانوں کا یہ شیوہ ہے کہ وہ اختلافی امور میں خدا اور رسول کو اپنا حکم بناتے ہیں۔ اس لئے ہمیں بھی چاہیئے کہ اس مسئلہ میں خدا اور رسول کے صریح احکامات کی پیروی کریں اور وہ یہ ہیں۔

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۖ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔

اہل کتاب میں سے اکثر لوگ یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح تمہیں ایمان سے پھیر کر پھر کفر کی طرف پلٹا لے جائیں۔ اگرچہ حق ان پر ظاہر ہو چکا ہے مگر اپنے نفس کے حسد کے بنا ءپر تمہارے لئے ان کی یہ خواہش ہے۔ اس لئے جواب میں تم عفو و درگزر سے کام لو یہاں تک کہ اللہ خود ہی اپنا فیصلہ

(بقرہ : ۱۰۹) نافذ کردے مطمئن رہو کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ (بقرہ : ۱۲۰)

یہودی اور عیسائی تم سے ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک کہ تم ان کے طریقے پر نہ چلنے لگو۔ صاف کہدو کہ راستہ بس وہی ہے جو اللہ نے بتایا ہے۔ ورنہ اگر اس علم کے بعد، جو تمہارے پاس آچکا ہے تم اُن کی خواہش کی پیروی کی تو اللہ کی پکڑ سے بچانے والا کوئی دوست اور مددگار تمہارے لئے نہیں ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ۔ (آل عمران : ۱۰۰)

اے ایمان والو! اگر تم نے ان اہل کتاب میں سے ایک گروہ کی بات مانی تو یہ تمہیں ایمان سے پھر کفر کی طرف پھیر لے جائیں گے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ حافظ ابو یعلی حماد کے واسطہ سے شعبی سے حضرت جابر کی یہ روایت نقل کرتے ہیں۔

لا تسئلوا اهل الكتاب عن شيئ فانهم لن يهدوكم و قد ضلوا انكم اما ان تصدقوا بباطل واما ان تكذبوا بحق وانه والله لو كان موسى حيا بين اظهركم ما حل له الا ان يتبعني۔

اہل کتاب سے کچھ نہ پوچھو کیونکہ وہ آپ کو کسی قسم کی ہدایت نہیں دے سکتے جب کہ وہ خود گمراہ ہیں۔ اگر آپ ان سے ہدایت لیں گے تو یا کسی باطل کی تصدیق کریں گے یا کسی حق کو جھٹلا دیں گے۔ خدا کی قسم آج اگر حضرت موسیٰ بھی آپ کے درمیان زندہ ہوتے تو اس کے لئے بھی میرے اتباع کے سوا کوئی چارۂ کار نہ ہوتا۔

جب خود خداوند قدوس اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، مسلمانوں کے بارے میں

Marfat.com

یہود و نصاریٰ کی پالیسی متعین کر دیں اور قطعیت کے ساتھ اس کی نشاندہی کر دیں تو اس کے بعد ان کی یہ خوش فہمی محض ایک احمقانہ فعل ہو گا کہ یہ لوگ بھی کسی خالص اسلامی مسئلے پر بحث و تمحیص میں مخلص ہو سکتے ہیں ان لوگوں کو اسلامی نظریہ حیات، اسلامی تاریخ، اسلام کے اجتماعی نظام، اسلام کی سیاسی تعلیمات اور اسلام کی اقتصادی تعلیمات سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ نہ ان سے اس بارے میں یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ ان مسائل میں مسلمانوں کی کوئی صحیح راہنمائی کریں گے۔ قرآن و سنت کی ان صریح ہدایات کے باوجود بھی اگر کوئی شخص ان اقوام سے ایسی توقعات رکھتا ہے تو وہ حد درجہ غافل اور بلید الذہن ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ اِنَّ ھُدَی اللّٰہِ ھُوَ الْھُدٰی (کہ اللہ کی راہنمائی ہی صحیح راہنمائی ہے) قطعی طور پر متعین کر دیتا ہے کہ مسلمانوں کے لئے صرف ایک ہی مرجع ہے یعنی اللہ کی ہدایت اور اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ ضلالت ہے بلکہ اس کے سوا کسی اور مصدر میں سرے سے کوئی ہدایت ہی نہیں ہے نحوی قواعد کی رو سے یہ بات "ھو" لفظ حصر کے اضافے سے بھی معلوم ہوتی ہے لہٰذا اس نص کے مفہوم میں نہ تو کوئی شبہ ہے اور نہ ہی اس میں کسی قسم کی تاویل کی جا سکتی ہے۔

ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے اللہ کی یاد سے اعراض کر رکھا ہے اور اپنی دوڑ دھوپ کو صرف دنیاوی امور تک ہی محدود کر دیا ہے، یہ لوگ کسی کو بھی دولت یقین نہیں دے سکتے۔ ایسے لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیجئے کیونکہ ان کے پاس جنس یقین موجود ہی نہیں ہے۔ وہ خود بے یقینی میں مبتلا ہیں۔ علم حقیقی تک رسائی کے بجائے وہ اس ظاہری دنیا کی نمود و نمائش میں لگے ہوئے ہیں یہ بھی ایک قطعی حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

فَاَعْرِضْ عَمَّنْ تَوَلّٰی عَنْ ذِکْرِنَا وَلَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا ذٰلِکَ مَبْلَغُھُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِہٖ وَھُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اھْتَدٰی (نجم، ۲۹، ۳۰)

تو جو ہماری یاد سے روگردانی کرے اور صرف دنیاوی ہی کی زندگی کا خواہاں ہو

Marfat.com

اس سے تم بھی منہ پھیر لو۔ ان کے علم کی یہی انتہا ہے۔ تمہارا پروردگار اس کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کے رستے سے بھٹک گیا اور اس سے بھی خوب واقف ہے جو رستے پر چلا۔

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غَافِلُوْنَ۔

یہ دنیا کی ظاہری زندگی کو ہی جانتے ہیں اور آخرت کی طرف سے غافل ہیں۔

غرض جو شخص ذکر الٰہی سے غافل ہے، صرف دنیاوی مال متاع اس کا مطلوب ہے اور وہ صرف ظاہری چیزوں ہی کا علم رکھتا ہے (اور بدقسمتی سے آج کل ہمارے اکثر علماء کا یہی حال ہے) تو ایسا شخص اس قابل نہیں کہ ایک مسلم اس سے اپنی زندگی کے معاملات میں راہنمائی حاصل کرے کیونکہ اس شخص کے پاس محض ظاہری علم ہے اور یہ مطلوب مؤمن نہیں ہے۔ البتہ مادیات کے میدان میں ایسے علماء سے بے شک استفادہ کیا جا سکتا ہے لیکن مادیات کے بارے میں بھی عمومی افکار اور نفس انسانی اور اس کے فکری متعلقات، تصور زندگی اور نظریۂ حیات کے بارے میں ایسے لوگوں سے کسی قسم کی راہنمائی حاصل نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ دنیاوی علم وہ علم نہیں ہے جس کی طرف قرآن مجید کی اس آیت میں اشارہ ہے "کیا وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں اور جو علم نہیں رکھتے برابر ہو سکتے ہیں؟" بعض لوگ اس آیت کو اپنے سیاق و سباق سے کاٹ کر اس کے اور معنے لیتے ہیں پوری آیت کے مطالعے سے حقیقت حال پوری طرح واضح ہو جاتی ہے:

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ (زمر:۹)

("بھلا مشرک اچھا ہے) یا وہ جو رات کے وقتوں میں زمین پر پیشانی رکھ کر اور کھڑے ہو کر عبادت کرتا ہے اور آخرت سے ڈرتا اور اپنے پروردگار کی رحمت کی اُمید رکھتا کہو بھلا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو نہیں رکھتے دونوں برابر ہو سکتے ہیں اور نصیحت تو وہی پکڑتے ہیں جو عقلمند ہیں"۔

وہ جو راتوں کو جاگتا ہے۔ اللہ کے سامنے رکوع کرتا ہے اور سر بسجود ہوتا ہے اور اللہ سے ڈرتا ہے اور ہر وقت اس کی رحمت کا طلبگار رہتا ہے وہی درحقیقت علم بھی رکھتا

ہے اور یہی وہ علم ہے جو اللہ کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور ایک انسان کے دل میں اللہ کا خوف پیدا کرتا ہے۔ اس آیت میں علم سے مراد وہ ملحدانہ علم نہیں ہے جو انسان کی فطرت کو مسخ کر دیتا ہے اور اُسے بے دین بنا دیتا ہے۔

یہ بات ذہن میں رہے کہ علم صرف عقائد و نظریات، دینی فرائض اور شریعت تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ علم کے تمام شعبے اس میں شامل ہیں۔ ایک طرف اس کا تعلق اللہ کے دین کے بنیادی اصولوں سے ہے اور نظریۂ خلافت فی الارض سے اس کا ربط ہے اور دوسری طرف سے تمام قوانین فطرت اور طبیعات سے اس کا ربط ہے جب کہ فرائض واجبات اور احکام شریعت سے وہ متعلق ہے لیکن علم کا جو شعبہ اپنے نظریاتی بنیادوں سے کٹ جائے وہ علم ہی نہیں رہتا۔ کیونکہ آیت بالا ایسے علم کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ ایمانیات اور فلکیات حیاتیات، طبیعات، کیمیا، طبقات الارض، اور تمام دوسرے خالص علوم کے درمیان ایک خاص ربط ہے۔ یہ تمام چیزیں بھی معرفت کردگار کا ایک خاص ذریعہ ہیں۔ بشرطیکہ انسان کی بے لگام ہوائے نفس ان کو معرفت باری تعالیٰ کے مقاصد سے بیرانہ کر دے۔ یہ پوری انسانیت کی بدقسمتی تھی کہ جب اندلس کی یونیورسٹیوں سے متاثر ہو کر صحیح علم کی روشنی یورپ تک پہنچی اور وہاں علمی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوا تو کلیسا نے اپنی جابرانہ پالیسی کے بل بوتے پر اس کا راستہ روکنا چاہا۔ تمام اہل علم کے خلاف یہ جابرانہ پالیسی بڑی سختی سے اختیار کی گئی۔ لیکن کلیسا اس تحریک کا راستہ نہ روک سکا۔ تحریک کی کامیابی کے بعد اس فکری تحریک میں کلیسا کا بغض بطور ریڈ ولانیفک شامل رہا اور آج تک موجود ہے۔ ترقی کرتے کرتے یہ کلیسا دشمن مزاج مطلق مذہب کی دشمنی کی شکل اختیار کر گیا۔ یہ مزاج خالص علمی بحثوں، فوق الطبیعاتی فلسفوں اور فکر و نظر کے تمام شعبوں میں سرایت کر گیا[1]۔

تو جب یہ بات یقینی طور پر ثابت ہو گئی کہ یورپ کا طرز فکر اور اس فکر کا پیدا کردہ تمام علمی ذخیرہ ابتدا ہی سے مذہب دشمنی پر مبنی ہے تو پھر یہ بات خود بخود ثابت ہو جاتی ہے۔ کہ یہ تمام فکری نتائج اسلامی نظریۂ حیات کے خلاف عناد اور کینہ پروری پر مبنی ہیں۔ بار ہا یہ

---

[1] تفصیل کیلئے دیکھئے میری کتاب، "روشن مستقبل صرف اسلام کا ہے" کی فصل "غیر فطری افتراق"۔

دیکھا گیا ہے کہ اہل مغرب نے اسلامی نظریۂ حیات کو ختم کرنے کے لئے ، ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت علمی کام کئے اور آج بھی وہ مسلسل اس کام میں مصروف ہیں اور کوشش کر رہے ہیں کہ اسلامی نظریۂ حیات کی امتیازی خصوصیات کو ایک ایک کر کے ختم کر دیا جائے۔

اب اگر اس پوری صورت حال سے با خبر ہوتے ہوئے بھی ہم اہل مغرب کے مدون علوم سے استفادہ کریں گے تو یہ ہماری خطرناک غلطی ہو گی بلکہ ہمارا انجام نا مسعود ہو گا۔ بے شک اس وقت ہم مجبور ہیں کہ فنی شعبوں اور خالص سائنس کے شعبوں میں ہم اہل غرب سے استفادہ کریں۔ لیکن یہ بات ہمارے پیش نظر رہنی چاہیئے کہ یہ استفادہ خالص علوم کے اندر ہونا چاہیئے اور مغرب کے کسی فلسفے سے متاثر نہ ہونا چاہیئے کیونکہ اہل غرب کے تمام علوم و فنون بنیادی طور پر مذہب دشمنی پر مبنی ہیں اور اسلامی نظریۂ حیات سے تو ان مغربی علوم و فنون کو بے حد عناد ہے اور اگر ہم نظریۂ حیات کے میدان میں ان سے متاثر ہوئے تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اسلامی نظریۂ حیات کا چشمہ صافی گدلا ہو جائے گا۔

Marfat.com

مسلمان کی قومیت اور اس کا عقیدہ

مسلم کا ملک جس کے ساتھ اُسے محبت ہوتی ہے اور اس کے دفاع میں وہ اپنی جان دیتا ہے وہ زمین کا کوئی ٹکڑا نہیں ہوتا۔ اس کی قومیت جس سے اس کا تعارف ہوتا ہے کسی مملکت کی قومیت نہیں ہوتی۔ اور اس کا خاندان جس کا وہ جزو ہوتا ہے وہ کوئی ایسا خاندان نہیں ہوتا جس سے اس کا محض خونی رشتہ ہو۔ اس کا علَم جس کے نیچے وہ لڑتا ہے، وہ کسی قوم کا علم نہیں ہوتا۔ اس کی کامیابی جس پر وہ خوش ہوتا ہے وہ کسی ایک لشکر کی کامیابی نہیں ہوتی

بلکہ یہ سب چیزیں ایک عالمگیر نصب العین اور کچھ بلند ترین مقاصد کے لئے ہوتی ہیں

Marfat.com

مسلمان کی قومیت اور اس کا عقیدہ

اسلام نے اس انسانیت کو ربط و تعلق کے نئے پیمانے عطا کئے۔ اس نے انسانوں کو اعلیٰ اقدار اور حسن و قبیح کے پیمانوں کا ایک نیا تصور دیا اور اس سمت کا بھی تعین کر دیا جس سے انسانوں نے اپنے لئے حسن و قبیح کے معیاروں اور اعلیٰ اقدار کا تعین کرنا تھا۔ چنانچہ اس نے انسان کو دوبارہ اپنے رب کی طرف لوٹایا اور یہ سبق سکھایا کہ جس طاقت نے تمہیں وجود بخشا ہے اسی سے تم اچھائی و برائی کے اصول اور اعلیٰ اقدار کے تعین میں مدد لو اور وہی اس بات کی مستحق بھی ہے کیونکہ انسان اسی ذات کے ارادے سے عالم وجود میں آیا اور اسی کی طرف لوٹ کر اُسے جانا ہے اسلام نے لوگوں کو یہ سکھایا کہ حقیقی تعلق صرف ایک ہے جو لوگوں کو اللہ سے جوڑے رکھتا ہے جب یہ تعلق قائم ہو جاتا ہے تو اس کے بعد کسی قسم کا کوئی تعلق برقرار نہیں رہتا ہے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ (مجادلہ: ۲۲)

جو لوگ اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں تم ان کو خدا اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے۔ خواہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان ہی کے لوگ ہیں۔

اسلامی نقطۂ نظر سے اللہ کی جماعت صرف ایک ہے اور اس کے سوا تمام جماعتیں شیطان اور طاغوت کی جماعتیں ہیں۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ

جن لوگوں نے ایمان کا راستہ اختیار کیا ہے وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں۔

Marfat.com

فَقَاتِلُوْا اَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيْفًا (النساء: ۷۶)

پس شیطان کے ساتھیوں سے لڑو اور یقین جانو کہ شیطان کی چالیں حقیقت میں نہایت کمزور ہیں۔

نیز یہ کہ راہ ہدایت صرف ایک ہے جو اللہ تک پہنچاتی ہے اور باقی تمام راہیں گمراہی پہ منتج ہوتی ہیں:

اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ (انعام: ۱۵۳)

نیز اس کی ہدایت یہ ہے کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے لہٰذا تم اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ اس راستے سے ہٹا کر تمہیں پراگندہ کر دیں گے۔

یہ کہ انسانوں کے لئے سچا اور حقیقی نظام حیات صرف ایک ہے اور وہ ہے اسلامی نظام حیات اور اس کے علاوہ تمام نظامہائے حیات جاہلیت ہیں۔

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَمَنْ اَحْسَنُ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (مائدہ: ۵۰)

تو کیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں، حالانکہ جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں ان کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

یہ کہ شریعت صرف اللہ کی شریعت ہے اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ ہوائے نفس کے سوا کچھ نہیں ہے۔

ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (جاثیہ: ۱۸)

اس کے بعد اب اے نبی ہم نے تم کو دین کے معاملے میں ایک صاف شاہراہ پر قائم کیا ہے لہٰذا تم اسی پر چلو اور ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو جو علم نہیں رکھتے۔

یہ کہ حق صرف ایک ہے اور اس کے سوا سب گمراہی ہے:

فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلَالُ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ (یونس، ۳۲)

پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا باقی رہ گیا؟ آخر یہ تم کدھر پھرائے جا رہے ہو۔

یہ کہ دارالاسلام بھی ایک ہے۔ وہ خطۂ ارض جس میں اسلامی حکومت قائم ہوتی ہے اس کی حکومت کا کام صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی شریعت کی نگہبانی کرے، اللہ کے حدود "میں شریعت نافذ ہو"

وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ
بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ
وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ
وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ
فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ
وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا
بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ اِلَّا
تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي
الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ۝ وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ
الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ
وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا
وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ
مِنْكُمْ ۔

(الانفال: ۷۲-۷۵)

ہجرت کرنے والوں کو جگہ دی اور ان کی مدد کی وہی دراصل ایک دوسرے کے ولی ہیں۔ رہے وہ لوگ جو ایمان تو لے آئے مگر ہجرت کر کے دارالاسلام میں نہیں آئے تو ان سے تمہارا ولایت کا کوئی تعلق نہیں ہے جب تک کہ وہ ہجرت کر کے نہ آ جائیں۔ ہاں اگر وہ دین کے معاملے میں تم سے مدد مانگیں تو ان کی مدد کرنا تم پر فرض ہے۔ لیکن کسی ایسی قوم کے خلاف نہیں جس سے تمہارا معاہدہ ہو۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُسے دیکھتا ہے۔ جو لوگ منکرِ حق ہیں وہ ایک دوسرے کی حمایت کرتے ہیں اگر تم ایک دوسرے کی حمایت نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد برپا ہو جائے گا۔

جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑے اور جدوجہد کی اور جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی وہی سچے مؤمن ہیں۔ ان کے لئے خطاؤں سے درگذر ہے اور بہترین رزق ہے اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے۔ اور ہجرت کر کے آ گئے اور تمہارے ساتھ مل کر جدوجہد کرنے لگے وہ بھی تم ہی میں شامل ہیں۔

اس طرح اسلام آیا اور روزِ روشن کی طرح آیا۔ جزم اور قطعیت کے ساتھ آیا۔ وہ محض اس لئے آیا تا کہ انسان کو وطنیت، رنگ و نسل اور خاک و خون کے رشتوں اور بندھنوں سے چھڑائے۔ اس لئے اسلام کی نظر میں ایک مسلم کا وطن وہی ہے جس میں

Marfat.com

شہریت نافذ ہوتی ہے اس کے اور اپنانے وطن کے درمیان رشتہ اخوت محض تعلق باللہ کی بنیادوں پر استوار ہوتا ہے اور مسلم کی شہریت اور قومیت صرف اس کا عقیدہ ہی ہوتا ہے جو اُسے دارالاسلام میں اُمت مسلمہ کا ایک جزو بنا دیتا ہے۔ چنانچہ ایک مسلمان کی قرابت داری ہوتی ہے جس کی کونپلیں اللہ کی ذات پر یقین رکھنے سے پھوٹتی ہیں اور اس یقین کے بعد ہی اس کی ذات اور اس کے اسلامی خاندان کے درمیان تعلق پروان چڑھتا ہے۔ لہٰذا حقیقی باپ، ماں، بھائی، بیوی اور خاندان کے دوسرے لوگ، ایک مسلم کے قرابت دار صرف اس وقت ہو سکتے ہیں جب وہ اخوت کے پہلے رشتے یعنی عقیدۂ توحید میں منسلک ہو جائیں اس عقیدے کو اپنانے کے بعد ہی اُن سے صلہ رحمی ہو سکتی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ	اے لوگو رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان
الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ	سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور
وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ	اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورت
مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً	دنیا میں پھیلائے۔ اس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ	دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو
بِهٖ وَالْاَرْحَامَ۔	اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے
(النساء:۱)	پرہیز کرو۔

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اختلاف عقیدہ کی وجہ سے اپنے والدین کے ساتھ معروف طریقے کے مطابق حسن سلوک بھی نہ کیا جائے۔ یہ اس وقت تک جائز ہے جب تک وہ اسلام کے مخالف محاذ میں شامل نہیں ہو جاتے۔ اگر والدین بھی اسلام دشمنی کی پالیسی پر گامزن ہوں تو ان کے ساتھ کسی قسم کی صلہ رحمی نہیں ہے۔ حضرت عبداللہؓ اور ان کے باپ عبداللہ ابن اُبی رئیس المنافقین کا باہمی تعلق ہمارے لئے بہترین مثال ہے اور اس مقصد کی واضح تشریح کرتا ہے۔

ابن جریر نے اپنی مسند میں ابن زیاد سے روایت کی ہے، کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ (بیٹے) کو بلایا اور فرمایا دیکھتے نہیں تمہارا باپ عبداللہ بن اُبی

Marfat.com

(رئیس المنافقین) کیا کیا باتیں کرتا ہے؟" انہوں نے عرض کیا رسول خدا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں فرمائیے وہ کیا کہتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: "وہ کہتا ہے کہ جب یہ مدینے لوٹیں گے تو ہم میں سے معزز لوگ ذلیل لوگوں کو شہر سے نکال دیں گے" حضرت عبداللہ نے فرمایا: "اے رسول خدا! خدائے واحد کی قسم اس نے بالکل سچ کہا ہے۔ خدا شاہد ہے کہ آپ معزز ہیں اور وہ ذلیل ہے اور خدا کی قسم جب آپ مدینہ پہنچیں تو اگر خدا اور رسول کی مرضی یہ ہو کہ میں اپنے باپ کا سر لا کر پیش کر دوں تو میں اس میں ایک لمحہ کا توقف نہ کروں گا حالانکہ مدینہ کے تمام لوگ جانتے ہیں کہ اپنے والدین سے اچھا سلوک کرنے والا مجھ سے زیادہ اور کوئی نہیں ہے" رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں"۔ جب لشکر اسلام مدینہ پہنچا تو حضرت عبداللہؓ تلوار لے کر شہر کے باہر باپ کے انتظار میں کھڑے ہو گئے۔ جب وہ آئے تو پوچھا: "آپ نے یہ کہا ہے کہ جب ہم مدینہ لوٹیں گے تو ہم میں سب سے معزز لوگ ذلیل لوگوں کو نکال دیں گے۔ خدا کی قسم! عنقریب تجھے معلوم ہو جائے گا کہ عزت و شرف کا مالک تو ہے یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور اس کے بعد انہوں نے کہا "خدا کی قسم مدینہ آپ کو صرف رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کی اجازت سے پناہ دے سکتا ہے اور آپؐ کی اجازت ہی سے آپ اس میں داخل ہو سکتے ہیں"۔ اس پر رئیس المنافقین چلایا۔: "اے قوم خزرج میری مدد کو پہنچو! میرا بیٹا اور وہ مجھے خود اپنے شہر و مکان میں داخل ہونے سے روک رہا ہے"۔ اس پر حضرت عبداللہ نے کہا: "خدا کی قسم یہ صرف رسول خدا کی اجازت سے داخل ہو سکتے ہیں" اس پر مزید لوگ جمع ہو گئے اور اس معاملے میں حضرت عبداللہ کو سمجھانے لگے چنانچہ انہوں نے پھر قسم کھا کر کہا کہ یہ صرف خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے داخل ہو سکتے ہیں۔ اس پر یہ لوگ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ اے رسول خدا عبداللہ مدینہ کے باہر اپنے باپ کو روکے کھڑا ہے۔ آپ نے حکم بھیجا کہ اُسے آنے دیں۔ جب حضور کا حکم پہنچا تو فرمایا "اگر آپؐ کا حکم ہے تو سر آنکھوں پر"۔

اس طرح جب عقیدے کا رشتہ استوار ہو جائے گا تو تمام مسلم بھائی بھائی بن جائیں

گے۔ اگرچہ ان کے خونی رشتے جدا ہوں۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔ میں "حصر" کا لفظ استعمال ہوا ہے مطلب یہ ہے کہ صرف مؤمن ہی باہمی بھائی ہو سکتے ہیں اخوت کے تمام دوسرے رشتے کچھ بھی نہیں:

اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ آوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ (انفال: ۷۲)

جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنی جانیں لڑائیں اور اپنے مال کھپائے اور جن لوگوں نے ہجرت کرنے والوں کو جگہ دی اور ان کی مدد کی وہی دراصل ایک دوسرے کے ولی ہیں۔

یہ ایسی اخوت اور ولایت ہے جو نسلاً بعد نسل چلی آتی ہے۔ اس اُمت کے ابتدائی لوگوں اور آخری لوگوں کو باہم مربوط کر دیتی ہے اور بعد میں آنے والوں کو اپنے اسلاف سے جوڑ دیتی ہے اور اس رشتے کی تہ میں صرف محبت، دوستی اور مضبوط جذبہ اخوت کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔

وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ وَلَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْا وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وَالَّذِیْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا

اور ان لوگوں کے لئے بھی جو مہاجرین سے پہلے ہجرت کے گھر میں مقیم ہیں اور ایمان میں مستقل رہے اور جو لوگ ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں ان سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان کو ملا اس سے اپنے دل میں کچھ خواہش اور خلش نہیں پاتے اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو اور جو شخص حرص نفس سے نجات پا گیا تو ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔

اور ان لوگوں کے لئے بھی جو ان مہاجرین کے بعد آئے اور دعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار

Marfat.com

الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۔

(حشر: ۹-۱۰)

ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما اور مؤمنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ و حسد نہ پیدا ہونے دے۔ اے پروردگار تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے سامنے اسی نقطۂ نظر کو انبیاء کے ذی شرف گھرانے سے کئی مثالیں دے کر واضح فرماتے ہیں، جو مسلمانوں سے پہلے مختلف ادوار میں قافلۂ ایمان کے سالار رہے ہیں۔

وَنَادَىٰ نُوحٌ رَّبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنتَ أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ قَالَ يَا نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنِّي أَعِظُكَ أَن تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ قَالَ رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ وَإِلَّا تَغْفِرْ لِي وَتَرْحَمْنِي أَكُن مِّنَ الْخَاسِرِينَ

(ہود: ۴۵-۴۷)

نوح نے اپنے رب کو پکارا۔ کہا: "اے رب میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب حاکموں سے بڑا اور بہتر حاکم ہے" جواب میں ارشاد ہوا۔ "اے نوح، وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں ہے وہ تو ایک بگڑا ہوا کام ہے۔ لہٰذا تو اس بات کی مجھ سے درخواست نہ کر جس کی حقیقت تو نہیں جانتا، میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے آپ کو جاہلوں کی طرح نہ بنا لے۔" نوح نے فوراً عرض کیا، "اے میرے رب! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ وہ تجھ سے مانگوں جس کا مجھے علم نہیں۔ اگر تو نے مجھے معاف نہ کیا اور رحم نہ فرمایا تو میں برباد ہو جاؤں گا۔

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي

اور یاد کرو جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ ان سب میں پورا

Marfat.com

جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ
وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ
عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ۔
(بقرہ: ۱۲۴)

اتر گیا تو اس نے کہا میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ ابراہیم نے عرض کیا: اور کیا میری اولاد سے بھی یہی وعدہ ہے؟" اس نے جواب دیا: "میرا وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں ہے"۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ
اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا
وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ
مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ
الْاٰخِرِ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ
قَلِیْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰی عَذَابِ
النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ
(بقرہ: ۱۲۶)

اور یہ کہ ابراہیم نے دعا کی: "اے میرے رب، اس شہر کو امن کا شہر بنادے اور اس کے باشندوں میں سے جو اللہ اور آخرت کو مانیں انہیں ہر قسم کے پھلوں کا رزق دے"۔ جواب میں اس کے رب نے فرمایا: "اور جو نہ مانے گا، دنیا کی چند روزہ زندگی کا سامان تو میں اُسے بھی دوں گا مگر آخر کار اُسے عذاب جہنم کی طرف گھسیٹوں گا اور وہ بدترین ٹھکانا ہے۔

جب ابراہیم علیہ السلام دیکھتے ہیں کہ ان کا خاندان اور ان کے والد ضلالت پر مصر ہیں تو وہ انہیں چھوڑ دیتے ہیں۔

وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّیْ
عَسٰۤی اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ
رَبِّیْ شَقِیًّا (مریم: ۴۸)

اور میں آپ لوگوں سے اور خدا کے سوا جن کو آپ پکارتے ہیں کنارہ کش ہوتا ہوں اور اپنے پروردگار کو پکاروں گا۔ امید ہے کہ میں اپنے پروردگار کو پکار کر محروم نہ رہوں گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

تمہارے لئے ابراہیم اور ان کے رفقاء کی

Marfat.com

فِیْ اِبْرَاھِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ
اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَاٰؤُا
مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَیْنَنَا وَ
بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا
حَتّٰی تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ۔
(ممتحنہ : ۴)

نیک چال چلنی ایک نمونہ ہے۔ جب انہوں نے اپنی قوم کے نیک لوگوں سے کہا کہ ہم تم سے اور ان بتوں سے جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو بے تعلق ہیں اور تمہارے معبودوں کے کبھی قائل نہیں ہو سکتے اور جب تک تم خدائے واحد پر ایمان نہ لاؤ ہم میں تم میں کھلم کھلا عداوت اور دشمنی رہے گی۔

کہف کے نوجوان اپنے خاندان، اپنی قوم اور اپنی مادر وطن کو محض اس لئے چھوڑ دیتے ہیں تاکہ وہ خالص خدائی نظام زندگی کو اختیار کر سکیں اور اپنے عقیدے کو بچا کر اللہ کی طرف بھاگ جائیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ خاندان، قبیلے اور مادر وطن میں ان کے لئے اور ان کے عقیدے کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔

اِنَّهُمْ فِتْیَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَ
زِدْنٰهُمْ هُدًی وَّرَبَطْنَا عَلٰی
قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا
رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ
نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ
قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا هٰۤؤُلَآءِ قَوْمُنَا
اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً
لَوْلَا یَاْتُوْنَ عَلَیْهِمْ بِسُلْطٰنٍ
بَیِّنٍ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی
عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ
وَمَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا
اِلَی الْكَهْفِ یَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ

وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لے آئے تھے اور ہم نے ان کو ہدایت میں ترقی بخشی تھی ہم نے ان کے دل اس وقت مضبوط کر دیئے تھے جب وہ اُٹھے اور انہوں نے اعلان کر دیا کہ ہمارا رب تو بس وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ ہم اُسے چھوڑ کر کسی دوسرے معبود کو نہ پکاریں گے۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو بالکل بے جا بات کریں گے پھر انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا "یہ ہماری قوم تو رب کائنات کو چھوڑ کر دوسرے خدا بنا بیٹھی ہے اور یہ اگر اپنے اس عقیدے پر کوئی واضح دلیل کیوں نہیں لاتے

مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا (کہف: ۱۳، ۱۶)

آخر اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے؟ اب جب کہ تم ان سے اور ان کے معبود ان غیر اللہ سے بے تعلق ہو چکے ہو تو چلو اب فلاں غار میں چل کر پناہ لو۔ تمہارا رب اپنی رحمت کا دامن وسیع کرے گا اور تمہارے کام کے لئے سر و سامان مہیا کر دے گا۔

دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ حضرت نوح اور حضرت لوط کی بیویوں اور ان کے شوہروں کے درمیان محض عقیدے کی بنیاد پر فرق کرتے ہیں۔ اور ارشاد ہوتا ہے :-

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتَاهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ (تحریم : ۱۰)

خدا نے کافروں کے لئے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال بیان فرمائی ہے، دونوں ہمارے دو نیک بندوں کے گھر میں تھیں اور دونوں نے ان سے خیانت کی، تو خدا کے مقابلے میں ان عورتوں کے کچھ بھی کام نہ آئے اور ان کو حکم دیا گیا کہ اور داخل ہونے والوں کے ساتھ تم بھی دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔

اور فرعون کی عورت دوسرے محاذ پر

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ

اور مومنوں کے لئے ایک مثال تو فرعون کی بیوی کی بیان فرمائی کہ اس نے خدا سے التجا کی کہ اے میرے پروردگار میرے لئے بہشت میں اپنے پاس ایک گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کے اعمال سے نجات بخش

Marfat.com

دے اور ظالم لوگوں کے ہاتھ سے مجھ کو مخلصی عطا فرما۔ (تحریم : ۱۱)

غرض قرآن کریم میں روابط اور تعلقات کی کئی مثالیں پائی جاتی ہیں اور یہ مختلف النوع ہیں۔ قصۂ نوح میں باپ بیٹے کا تعلق ہے۔ قصۂ ابراہیم میں ایک شخص اور مادر وطن کا تعلق ہے اور اصحاب الکہف کے قصے میں خاندان، قبیلے اور ملک سب کی مثال ہے حضرت نوح اور حضرت لوط اور فرعون کی بیویوں کے قصے میں رشتۂ زوجیت کی مثال ہے۔

اس طرح پیروان حق اور پیغمبران خدا کا یہ قافلہ رواں دواں ہے اور ہمارے سامنے روابط و تعلقات کا یہ اونچا معیار پیش کرتا ہے۔ بالآخر امت وسط کی باری آتی ہے۔ یہ تمام تجربے، نمونے اور بکثرت مثالیں اسکے سامنے ہیں۔ وہ بھی اس ربانی طریق زندگی کو اختیار کر لیتی ہے۔ ایک گھرانا اور ایک خاندان ہوتا ہے لیکن عقیدے کے اختلاف کی وجہ سے اس میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ نظریاتی رشتوں کے مقابلے میں مادی رشتوں کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ سب کے سب رشتے ٹوٹ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلام مبارک میں مؤمنین کے بارے میں فرماتے ہیں۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔

(مجادلہ ۲۲)

جو لوگ خدا پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں تم ان کو خدا اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے خواہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان ہی کے لوگ ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں خدا نے ایمان تحریر کر دیا ہے اور فیض غیبی سے ان کی مدد کی ہے۔ اور وہ ان کو بہشتوں میں جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہیں داخل کرے گا۔ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ خدا ان سے خوش اور وہ خدا سے خوش ہوں گے۔ یہی گروہ خدا کا لشکر ہے یاد رکھو کہ خدا ہی کا لشکر مراد حاصل کرنے والا ہے۔

Marfat.com

جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے چچا ابولہب اور آپ کے چچازاد بھائی ابوجہل کے درمیان کفر و اسلام کا نزاع پیدا ہوا۔ اور اس کے نتیجے میں مہاجرین نے بدر کے میدان میں اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے جنگ کی اور انہیں قتل کیا تو یہ وہ وقت تھا جب مہاجرین اور انصار کے درمیان نظریاتی تعلقات استوار ہوئے تو وہ ایک خاندان اور بھائی بھائی بن گئے تھے۔ پھر عرب مسلمانوں اور ان کے غیر عرب بھائیوں کے درمیان مضبوط رشتے قائم ہوئے صہیب رومی، بلال حبشی اور سلمان فارسی عربوں کے بھائی بن گئے۔ قبائلی عصبیتیں، نسلی عصبیتیں اور ملکی عصبیتیں دب گئیں اور اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دَعُوْهَا فانھا مُنْتِنَۃٌ "پرے پھینکو اسے کیونکہ یہ پلید ہے" اور دوسری جگہ فرمایا لیس منا من دعا الی عصبیۃ ولیس منا من قاتل علی عصبیۃ ولیس منا من مات علی عصبیۃ۔ "وہ ہم میں سے نہیں ہے جس نے عصبیت کی طرف لوگوں کو بلایا اور وہ ہم میں سے نہیں ہے جو عصبیت پر لڑا اور وہ بھی ہم میں سے نہیں ہے جو عصبیت پر مرا"، اس طرح اس گندگی یعنی عصبیت کی ناپاکی کا دور دورہ ختم ہوا۔ اس کے ساتھ ہی نسلیت اور قومیت کا نعرہ بھی ختم ہوا اور نسل اور وطن کی گندگی سے انسانیت کو رہائی نصیب ہوئی۔ وہ رنگ و نسل اور قوم وطن کی تنگ حدود سے باہر آگئی اور آسمانوں کی بلندیوں تک پہنچ گئی اس دن سے کوئی ملک اور کوئی سرزمین مسلمانوں کا وطن نہ رہا بلکہ ان کا وطن دارالاسلام بن گیا۔ وہ دارالاسلام جس پر مسلم کا عقیدہ حکمرانی کرتا ہو صرف اللہ کی شریعت وہاں نافذ ہو۔ پھر ایک مسلم اس میں پناہ بھی لیتا ہے اور اس کی حفاظت کرتا ہے اور اس کی وسعت اور بچاؤ کے لئے جان تک بھی لڑا دیتا ہے اور جو شخص بھی اسلامی عقیدے میں داخل ہو جائے اور اللہ کی شریعت کو قبول کرے بس وہ خود بخود دارالاسلام کا شہری بن جاتا ہے اور جو شخص بھی اسلامی شریعت کو بطور اجتماعی نظام قبول کر لیتا ہے خواہ وہ عقیدے کو نہیں بھی اپناتا، مثلاً اہل کتاب اور ذمی وہ بھی دارالاسلام کے شہری ہو جاتے ہیں اور وہاں رہ سکتے ہیں ..... رہی وہ سرزمین جس پر اسلامی نظریات غالب نہ ہوں۔ نہ وہاں اسلامی شریعت حکمران ہو ، تو وہ مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے دارالحرب ہے ..... اسی طرح ذمی اور معاہد کے لئے بھی وہ دارالحرب

Marfat.com

اگر کفر و اسلام کے درمیان معرکہ ہو تو ایسی سرزمین کے خلاف ایک مسلمان اپنی جان تک لڑا دے گا اگرچہ خود اس کا خاندان اور اس کے رشتہ دار وہاں رہتے ہوں، وہ اس کی مادرِ وطن بھی ہو۔ اس کی جائیداد وہاں ہو اور دوسرے دنیاوی منافع بھی اسی سے وابستہ ہوں۔

مکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی جائے پیدائش تھی۔ آپ کا خاندان آپ کے رشتہ دار، اسی طرح آپ کے صحابہ کے خاندان، ان کے گھر اور رشتہ دار مکہ ہی میں تھے۔ جنہیں انہوں نے خیر آباد کہدیا تھا۔ لیکن یہ سرزمین اس وقت تک آپ اور آپ کے ساتھیوں کے لئے دارالاسلام نہ قرار پائی جب تک وہ اسلام کے زیرِ نگیں نہ آگئی اور اس میں اللہ کی شریعت نافذ نہ ہوگئی۔

یہ ہے صحیح اسلام۔ اسلام صرف زبانی کلمے کا نام نہیں ہے۔ جسے ایک دفعہ ادا کر دیا جائے۔ نہ اسلام کسی ایسی سرزمین میں پیدا ہو جانے کا نام ہے جس پر اسلامی جھنڈا لہرا رہا ہو اور اس کا نام اسلامی ہو۔ نہ وہ کسی ایسی وراثت کا نام ہے جو مسلمانوں والدین سے پائی جاتی ہو۔ اسلام تو یہ ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

(النساء : ۶۵)

نہیں، اے محمد! تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں۔ پھر جو کچھ فیصلہ تم کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں، بلکہ سراسر تسلیم کر لیں۔

بس یہی صحیح اسلام ہے اور جس ملک میں یہ نظام رائج ہو صرف وہی دارالاسلام ہے۔ اسلام کسی رشتے، کسی جنس اور کسی قوم کا نام نہیں ہے نہ کسی قبیلے، خاندان اور سرزمین کا نام ہے۔

اسلام نے انسانیت کو ان خاکی رشتوں کی تنگیوں سے نکال کر آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیا۔ یہ خونی رشتے دراصل حیوانی رشتے ہوتے ہیں اور اللہ کو مطلوب یہ تھا کہ انسان کو انسانی بلندیوں تک پہنچایا جائے۔

مسلم کا ملک جس کے ساتھ اُسے محبت ہوتی ہے اور اس کے دفاع میں وہ اپنی

Marfat.com

جان دیتا ہے، وہ زمین کا کوئی ٹکڑا نہیں ہوتا۔ اس کی قومیت جس سے اس کا تعارف ہوتا ہے کسی مملکت کی قومیت نہیں ہے، اور اس کا خاندان جس کا وہ جزو بن جاتا ہے اور اس کی حمایت کرتا ہے وہ کوئی ایسا خاندان نہیں ہوتا جس سے اس کا محض خونی رشتہ ہو۔ اس کا وہ عَلَم جس کے نیچے وہ لڑتا ہے کسی قوم کا عَلَم نہیں ہوتا۔ اس کی کامیابی جس پر وہ خوش ہوتا ہے وہ کسی ایک لشکر کی کامیابی نہیں ہے۔ بلکہ یہ سب چیزیں ایک عالم گیر نصب العین اور کچھ بلند ترین مقاصد کے لئے ہوتی ہیں۔ جن کی وضاحت سورہ النصر میں کی گئی ہے۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا۔ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا۔ (النصر)	جب خدا کی مدد آپہنچی اور فتح حاصل ہوگئی اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ غول کے غول خدا کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرو اور اس سے مغفرت مانگو بے شک وہ معاف کرنے والا ہے۔

اس وقت ایک مسلم کی بڑی کامیابی اور فتح یابی یہی ہے کہ وہ تمام جھنڈوں کو چھوڑ کر صرف اسلامی جھنڈے کے نیچے لڑے، وہ صرف اللہ کے دین کے غلبے کی خاطر لڑے اور اس کے سوا کوئی اور غرض اس کے پیشِ نظر نہ ہو، وہ اس قسم کے دارالاسلام کے لئے لڑے اور اس کے سوا کسی اور "ملک" کے لئے نہ لڑے۔ یعنی مالِ غنیمت، حصولِ شہرت، حمایتِ ملک، حمایت قوم اور حمایت خاندان و اولاد میں سے کوئی ایک جذبہ بھی اس کے اس کام کے لئے محرک نہ ہو۔ ہاں اگر اولاد کے دین و ایمان کو خطرہ لاحق ہو تو اس صورت میں ان کی حمایت کی جا سکتی ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ کسی نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ایک شخص ناموری، بہادری اور حمیت کے جذبے سے لڑتا ہے ان میں سے کونسا جذبہ فی سبیل اللہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا من قاتل لتکون کلمۃ اللّٰہ ھی العلیا فھو فی سبیل اللّٰہ۔ "جو اس غرض کے لئے لڑا کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو تو صرف یہ فی سبیل اللہ ہے"۔

یاد رہے صرف یہی وہ مقصد وحید ہے جس کے لئے لڑتے ہوئے انسان کو شہادت

Marfat.com

کا مرتبہ نصیب ہوتا ہے۔ اس کے سوا کسی اور مقصد کے لئے، کسی حمایت کے ساتھ لڑنے سے شہادت کا اسلامی مرتبہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

یاد رکھیئے کہ ہر وہ سرزمین جو اسلامی نظریات سے برسرِ پیکار ہے، وہ مسلمانوں کو ان کے دین سے دور کرتی ہے اور اس کی شریعت کو ختم کر رہی ہے، وہ ایک مسلمان کے لئے دار الحرب ہے اگرچہ اس کے اندر اس کا خاندان، اس کا قبیلہ، اس کی قوم اور اس کا مال و تجارت موجود ہو ——— اور ہر وہ سرزمین جس میں اسلامی نظریۂ حیات قائم ہے اور شریعت اسلامی حکمران ہے، وہ دار الاسلام ہے اگرچہ اس میں ایک مسلم کا خاندان، قبیلہ، قوم اور اس کی تجارت اور دولت نہ ہوں۔ مسلمان کا وطن وہ ہے جس میں اس کے نظریات، نظامِ حیات اور اللہ تعالیٰ کی شریعت کی حکمرانی ہو۔ ایسا ہی ملک اس قابل ہے کہ وہ کسی مسلمان کا وطن ہو۔ غرض مسلمان کی قومیت اس کا عقیدہ اور اس کا نظامِ حیات ہے اور یہی وہ رشتہ ہے جو شانِ انسانیت کے لائق ہے، اور تمام انسانوں کے حسبِ حال ہے۔

خاندان، قبیلے، قوم، رنگ، نسل اور وطنیت کی عصبیت دراصل ایک محدود اور پسماندہ عصبیت ہے۔ یہ وہ جاہلی عصبیت ہے جس سے انسانیت اپنے روحانی دورِ انحطاط ہی میں متعارف ہوئی اور جسے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے "ناپاک" کہا کیونکہ اس سے بدبو آتی ہے اور انسان کراہیت محسوس کرتا ہے۔

جب یہودیوں نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ اپنی قوم اور نسل کے لحاظ سے اللہ کا پسندیدہ گروہ ہیں تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سختی سے اس دعوی کی تردید کی اور بیان کیا کہ تمام اقوام و ممالک میں اور تمام ادوار میں اللہ کے ہاں اعلیٰ اقدار اور حسن و قبح کا پیمانہ صرف ایمان اور عمل صالح رہا ہے۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَا

اور یہودی کہتے ہیں: یہود ہو تو راہ راست پاؤ گے اور عیسائی کہتے ہیں: عیسائی ہو، تو ہدایت ملے گی۔ ان سے کہو: "نہیں"، بلکہ سب کو چھوڑ کر ابراہیم کا طریقہ اختیار کرو جو حنیف ہیں اور

أُنزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ
وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ
وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَ
مَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ
لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَ
نَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ فَإِنْ آمَنُوا
بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا
وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي
شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ
وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ صِبْغَةَ
اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ
صِبْغَةً وَنَحْنُ لَهُ عَابِدُونَ
(بقرہ : ۱۳۶-۱۳۷)

ابراہیم مشرکوں میں سے نہ تھے۔ مسلمانو! کہو کہ:
"ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس ہدایت پر جو ہماری طرف نازل ہوئی ہے اور جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، اور اولاد یعقوب کی طرف نازل ہوئی تھی اور جو موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے تمام پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئی تھی۔ ہم ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے مسلم ہیں۔
پھر اگر وہ اسی طرح ایمان لائیں جس طرح تم لائے ہو۔ تو ہدایت پر ہیں اور اگر منہ پھیریں تو کھلی بات ہے کہ وہ ہٹ دھرمی میں پڑ گئے ہیں۔ لہٰذا اطمینان رکھو کہ ان کے مقابلے میں اللہ تمہاری حمایت کے لئے کافی ہے۔ وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ کہو اللہ کا رنگ اختیار کرو۔ اس کے رنگ سے اچھا اور کس کا رنگ ہوگا اور ہم اس کی بندگی کرنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اسلامی نقطۂ نظر سے اسلامی قومیت یا امت مسلمہ وہ ہوتی ہے جو اللہ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو اور اس کے افراد کے درمیان رنگ، قوم، نسل اور وطن کی بنیاد پر کوئی امتیاز نہ ہو۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ
تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ
عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ۔

اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لئے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو۔ بدی

Marfat.com

(آل عمران: ۱۱۰) سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

یعنی وہ امت جس کے آغاز میں حصہ لینے والے لیڈروں میں حضرت ابو بکر صدیقؓ، بلال حبشیؓ، صہیب رومیؓ اور سلمان فارسیؓ جیسے لوگ شامل ہوں جن کا تعلق مختلف نسلوں سے ہو بعد کے ادوار میں بھی اس کا نظام اسی طرز پر چلتا رہے اور اس کی قومیت اس کا نظریہ حیات ہو، اس کا ملک دار السلام ہو اور اس میں حاکم صرف اللہ ہو اور دستور اس کا قرآن کریم ہو۔

◎ ——— ◎ ——— ◎

جو لوگ بھی دعوت اسلامی کے علمبردار ہیں اُن کا یہ فرض ہے کہ وہ ملک، قومیت، میت اور اخوت کا بلند تصور پیش نظر رکھیں اور یہ تصور ان کے ذہن میں اس قدر واضح اور ستھرا ہو کہ اس میں جاہلی تصورات کی ذرہ بھر آمیزش نہ ہو، ان کے عقیدے میں شرک خفی کا شائبہ تک بھی نہ ہو۔ وہ اپنی سرزمین، نسل، قوم اور نسب کو اللہ کا شریک قرار دے کر الہ نہ بنا لے۔ اسی طرح خود غرضی اور نفع اندوزی بھی اس کی نظروں میں الہ کا درجہ اختیار نہ کرلے۔ یہی وہ چیزیں ہیں جسے اللہ ترازو کے ایک پلڑے میں رکھدیتا ہے اور ایمان اور اس کے تقاضوں کو دوسری جانب رکھدیتا ہے اور پھر انسانوں کو اختیار دیتا ہے کہ وہ جسے چاہیں اختیار کریں۔

قُلْ اِنْ كَانَ آبَاۤؤُكُمْ وَاَبْنَاۤؤُكُمْ	اے نبی کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے
وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ	بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں
وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ	اور تمہارے عزیز و اقارب اور تمہارے وہ
تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ	مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمہارے وہ کاروبار
تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ	جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے
اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ	اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں تم کو
سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ	اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ کی
اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي	جدوجہد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں

الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ (توبہ: ۲۴) تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے اور اللہ فاسق لوگوں کی راہنمائی نہیں کرتا۔

غرض دعوت اسلامی کے علمبرداروں کے ذہن میں اسلام و جاہلیت کا واضح فرق، دارالاسلام اور دارالکفر کی واضح تعریف ہونی چاہیئے۔ اس بارے میں ان کے دل دماغ میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہ ہونا چاہیئے۔ آج کل ان نظریات کے بارے میں لوگوں کے تصورات واضح نہیں ہوتے اور وہ شکوک و شبہات کا شکار ہوتے ہیں۔

جس زمین پر اللہ کی شریعت کی حکمرانی نہ ہو، اس میں اسلامی نظام حیات نافذ نہ ہو وہ مسلم سرزمین نہیں کہلا سکتی دارالاسلام صرف وہی ہوگا جہاں اسلامی نظام زندگی اور مکمل اسلامی قانون نافذ ہو۔ اس میں کوئی نرمی نہیں ہو سکتی یا تو ایمان ہے اور یا کفر ہے۔ یا اسلام ہوگا اور یا جاہلیت رہے گی اور یا حق ہوگا اگر حق نہ ہو تو جو کچھ بھی ہوگا باطل ہوگا۔ ولیس بعد الحق الا الضلال۔

دُور رس تبدیلی

اس وقت پورے کرۂ ارض پر جاہلیت چھائی ہوئی ہے اور اس جاہلیت کو چھوڑ کر اسلامی نظام زندگی میں داخل ہونا دراصل عظیم اور دور رس انقلاب ہے اور جاہلیت کے مقابلے میں اسلامی نظام حیات اعلیٰ وارفع ہے۔ پوری انسانیت عملاً جاہلیت کا شکار ہے اور چند معمولی اور جزوی تغیرات کے نتیجے میں اس سے نجات ملنا مشکل ہے۔ اس کیلئے ایک عظیم اور وسیع تر انقلاب کی ضرورت ہے اور وہی اس سے ہمیں نجات دلا سکتا ہے۔ اور یہ ہے انسانی نظام حیات سے خدائی نظام زندگی کی طرف انقلاب! مخلوق کے نظام سے خالق کے نظام کی طرف رجوع اور انسانی غلامی سے نکل کر خداوند قدوس کی غلامی کی طرف واپسی۔

Marfat.com

Marfat.com

دور رس تبدیلی

دعوت اسلامی کے مخاطب خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم، دونوں صورتوں میں یہ اہم حقیقت داعی کے پیش نظر رہنی چاہیئے کہ اسلام اس پوری کائنات اور اس کے اندر مکمل انسانی زندگی کے بارے میں ایک مخصوص تصور پیش کرتا ہے۔ یہ تصور ایک جامع تصور ہے، اس کی اپنی خصوصیات ہیں اور اس کے نتیجے میں فطری طور پر خود بخود پوری زندگی کے لئے ایک نظام تجویز ہو جاتا ہے۔ یہ نظام زندگی کے تمام شعبوں اور انسانوں کے باہمی تعلقات کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور تمام تفصیلات میں اس نظام کے مخصوص اثرات کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ ہے ایک اہم حقیقت اسلام کا مزاج اور اس کی تاریخ اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ ہم اُسے ہر وقت پیش نظر رکھیں۔

زندگی کا یہ اسلامی تصور ان تمام جاہلی تصورات سے مختلف ہے اور ان کے عین ضد ہے جو اس زندگی کے بارے میں قدیم سے قدیم زمانوں سے لے کر آج تک قائم کئے گئے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ بعض اوقات، چند جزئیات میں اسلامی تصور حیات اور جاہلی تصورات زندگی کے درمیان اتفاق بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن اسلامی تصورات حیات میں ان جزئیات کا استنباط جن کلی اصولوں سے ہوا ہوتا ہے وہ ان اصولوں سے بالکل مختلف اور جداگانہ ہوتے ہیں جو جاہلی تصور حیات کے حاملین کے پیش نظر ہوتے ہیں۔

اسلام کے پیش نظر، یہ مقصد سب سے اولیت رکھتا ہے کہ اس کرۂ ارض پر ایک ایسے نظام زندگی کو قائم کیا جائے جو اپنی تمام تفصیلات اور نتائج میں زندگی کے اسلامی تصور کی عکاسی کرتا ہو اور اس تصور کا عملی نمونہ ہو۔ اس مقصد کے حصول کے

لئے اسلام ایک تحریک اور ایک امت کو برپا کرتا ہے تاکہ وہ کسی خطۂ زمین پر اس نظام زندگی کو قائم کر کے دکھا دے اور بطور ماڈل اور نمونہ اُسے انسانوں کے سامنے پیش کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (آل عمران ۱۱۰)

اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لئے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (الحج ۴۱)

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے منع کریں گے اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

اسلام اور جاہلیت

ہمیں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ اسلام اس لئے نہیں آیا کہ اس کرۂ ارض پر جو جاہلی نظام زندگی رائج اور قائم ہیں وہ ان کے ساتھ ایک طرح کی مصالحت کرے۔ یا ان جاہلی اوضاع و اطوار کو گوارا کرے جو اپنی جگہ رائج ہو گئے ہیں۔ اسلامی تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ اس نے پہلے جاہلیت کے ساتھ نرمی برتی ہے، نہ آج وہ اس کا روادار ہے اور نہ ہی وہ مستقبل میں ایسی کوئی مصالحت کر سکتا ہے۔ جاہلیت بہر حال جاہلیت ہے اور وہ نام ہے اسلامی نظام زندگی سے انحراف اور خدائے واحد کی بندگی اور غلامی سے سرتابی کا۔ اس میں زندگی کے ضوابط و قوانین، عادات و اطوار، اعلیٰ اقدار اور اخلاقی پیمانوں کا مصدر اور سرچشمہ خدائے قدوس نہیں ہوتا بلکہ اس کا ظہور کچھ دوسرے مصادر اور دوسرے سرچشموں سے ہوتا ہے اور اسلام بہر حال اسلام ہے اور اس کے پیش نظر یہ ہے کہ وہ تمام انسانوں کو اس جاہلیت سے نکال

Marfat.com

کر اپنے دائرہ میں داخل کرے۔ اس لئے یہ ہرگز ممکن نہیں ہے کہ اسلام و جاہلیت میں کسی قسم کی مصالحت ہو سکے۔

جاہلیت کی حقیقت یہ ہے کہ اس میں انسان انسان کی غلامی کرتا ہے کچھ لوگ دوسروں کے لئے ضابطے اور قوانین بناتے ہیں۔ یہ ایسے ہوتے ہیں جن کی اجازت (sanction) اللہ نے نہیں دی ہوتی۔ یہ انسانی قانون سازی مختلف ادوار میں مختلف شکلوں میں رہی ہے لیکن اسلام کی حقیقت یہ ہے کہ اس میں تمام لوگ صرف ایک خدا کے بندے ہوتے ہیں۔ وہ صرف ایک ہی رب العزت کے مطیع ہوتے ہیں اور اسی سے اپنی زندگی کے لئے ضوابط و قوانین، عقائد و تصورات، اعلیٰ اقدار اور حسن و قبیح کے پیمانے اخذ کرتے ہیں اور اس طرح یہ انسان اپنے آپ کو تمام دوسرے انسانوں کی غلامی سے چھڑا لیتے ہیں۔

یہ ہے وہ بنیادی اور بدیہی حقیقت جو اسلامی تصور حیات، اس کی تاریخ اور اس کے کردار سے دو اور دو چار کی طرح واضح طور پر معلوم ہوتی ہے۔ لہذا جب بھی اور جہاں بھی ہم لوگوں کو اسلامی نظام زندگی کی دعوت دیں، خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم، ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم ان کے سامنے اس حقیقت کو کھول کر بیان کر دیں۔

اسلامی تصور حیات کے مطابق اسلام اور جاہلیت کے درمیان کسی قسم کی آمیزش نہیں ہو سکتی، عقائد و تصورات کے نقطۂ نظر سے بھی اور اس عملی اور خارجی نظام کے لحاظ سے بھی جو اس تصور اور اعتقاد پر مبنی ہوتا ہے۔ پس یا تو اسلام ہوگا اور یا جاہلیت ہوگی۔ ان کے بیچ میں کوئی ایسا نظام نہیں ہے جو آدھا اسلام ہو اور آدھا جاہلیت اور اسلام اُسے قبول بھی کر لے۔ اس سلسلے میں اسلام کا یہ نقطۂ نظر بالکل اٹل اور واضح ہے کہ سچائی صرف ایک اور ایک ہے اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ گمراہی ہے اور یہ کہ حق و باطل ایک دوسرے کے بالکل متضاد ہیں اور ان کا باہمی التباس یا ان کے درمیان آمیزش نہیں ہو سکتی۔ یا تو اللہ کی حکمرانی ہوگی یا جاہلیت کی، یا اللہ کی شریعت چلے گی اور یا ہوائے نفس کا قانون چلے گا۔ اس بارے میں قرآنی آیات، بالکل واضح ہیں۔

Marfat.com

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ۔

(مائدہ : ۴۹)

اور پھر ہم تاکید کرتے ہیں کہ جو حکم خدا نے نازل فرمایا ہے، اسی کے مطابق ان میں فیصلہ کرنا اور ان کی خواہش کی پیروی نہ کرنا اور ان سے بچتے رہنا کہ کسی حکم سے جو خدا نے تم پر نازل فرمایا ہے یہ کہیں تمہیں بہکا نہ دیں۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ

(الشوریٰ : ۱۵)

اے محمد تو دین کی طرف لوگوں کو بلاتے رہنا اور جیسا تم کو حکم ہوا، اسی پر قائم رہنا اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا۔

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ

(قصص : ۵۰)

پھر اگر یہ تمہاری بات قبول نہ کریں تو جان لو کہ یہ صرف اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں اور اس سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو خدا کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش کے پیچھے چلے بے شک خدا ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ (جاثیہ : ۱۸)

پھر ہم نے تم کو دین کے کھلے رستے پر قائم کر دیا تو اسی پر چلے چلو اور نادانوں کی خواہشوں کے پیچھے نہ چلنا۔ یہ خدا کے سامنے تمہارے کسی کام نہ آئیں گے اور ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں اور خدا پرہیزگاروں کا دوست ہے۔

Marfat.com

أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ (مائدہ : ۵۰)

کیا یہ جاہلیت کے حکم کے خواہشمند ہیں اور جو یقین رکھتے ہیں ان کے لئے خدا سے اچھا حکم کس کا ہے۔

بات یہ ہے کہ انسان صرف دو طرز عمل ہی اختیار کر سکتا ہے۔ یا تو وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کرے گا اور یا خود اپنی ہوائے نفس کا مطیع ہو گا۔ اس کے سوا تیسری کوئی صورت نہیں ہے۔ اسلام کی حکمرانی ہے یا جاہلیت کی، حکم الٰہی کی یا تو اطاعت ہے اور یا اس کا انکار ہے اور یہ بات جب قرآن و سنت کی صریح نصوص سے ثابت ہے تو اس بارے میں مزید بحث و مباحثے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اس صورت حال کے پیش نظر اسلام نے اپنے اوپر فرض کر لیا ہے کہ وہ انسانی قیادت کے منصب سے جاہلیت کو ہٹا دے اور خود قیادت پر قبضہ کر کے اسلامی نظام زندگی کو رائج کرے۔ اسلامی نظام زندگی ایک مستقل نظام ہے اور اس کی اپنی مخصوص صفات و خصوصیات ہیں۔ اس کا نصب العین یہ ہے کہ اس نظام کے ذریعہ وہ ایک مخصوص قیادت فراہم کر کے انسانیت کو آرام اور سہولت اور ہمہ گیر بھلائی فراہم کرے۔ یہ بھلائی صرف اس صورت میں انسان پا سکتا ہے۔ کہ اُسے اپنے خالق کی طرف لوٹا دیا جائے اور انسان کی چال چلن اور اس کائنات کی رفتار کے درمیان مکمل ہم آہنگی پیدا ہو جائے۔ اس طرح اسلام بشریت کو وہ مقام دینا چاہتا ہے۔ جو اس کے شایان شان ہو، وہ مقام جو اللہ نے اس کے لئے پسند کیا ہے۔ یعنی اللہ کی غلامی اور ہوائے نفس کی قید سے رہائی۔ جیسا کہ فارس کی فوجوں کے کمانڈر انچیف رستم نے حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ لوگ کیوں اٹھ کھڑے ہوئے ہیں تو آپ نے جواب دیا:

"اللہ نے ہمیں اس لئے برپا کیا ہے تاکہ ہم لوگوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات دے کر صرف اللہ کی غلامی میں داخل کریں اور دنیا کی تنگیوں سے نکال کر آخرت کی وسعتوں کی طرف لے جائیں اور دوسرے ادیان کے ظالمانہ نظامہائے حیات سے نکال کر اسلام کے عادلانہ نظام زندگی میں داخل کریں"۔

غرض اسلام کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ لوگوں کی نفسانی خواہشات پوری کرتا رہے، ان کے غلط تصورات، غلط نظام زندگی، مضرت رساں اوضاع واطوار اور جاہلی عادات وتقالید کی حوصلہ افزائی کرے، خواہ یہ چیزیں ابتدائے اسلام کے دور سے تعلق رکھتی ہوں یا زمانۂ مابعد کی پیداوار ہوں، مشرق میں رائج ہوں یا مغرب کے ثمرات ہوں۔ اسلام کا ہدف اولین یہ ہے کہ ان سب چیزوں کو ختم کر دیا جائے، ان کے آثار تک مٹا دیئے جائیں اور زندگی کی تعمیر نئے سر سے سے اسلامی اصولوں کے مطابق کی جائے۔ ایک نئی زندگی پیدا ہو، نشوونما پائے اور وہ اس قدر مربوط ہو کہ وہ ہر وقت اپنے محور کے گرد گھوم رہی ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسلامی نظام حیات میں کچھ جزئیات، جاہلیت کی کچھ جزئیات سے مماثل ہوں۔ لیکن اپنی حقیقت کے لحاظ سے یہ جزئیات اسلامی نظام حیات کے اصل محور سے اس قدر جڑی ہوئی ہوتی ہیں کہ ان کا جاہلیت سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ فروعات اور اجزاء میں یہ مماثلت محض اتفاقی ہوتی ہے۔ رہے نظام کے اصل الاصول اور جڑیں تو وہ بالکل جدا ہوتی ہیں۔ ایک کی جڑ اور اصول اللہ کی حکمرانی ہے اور دوسرے کا اصل الاصول ہوائے نفس کی حکمرانی اور انسان کی غلامی ہے۔

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا (اعراف ۵۸)

اور جو زمین اچھی ہوتی ہے وہ اپنے رب کے حکم سے خوب پھل پھول لاتی ہے اور جو زمین خراب ہوتی ہے۔ اس سے ناقص پیداوار کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔

جاہلیت خواہ قدیمہ ہو یا جدیدہ وہ ایک شجر خبیثہ ہے۔ اس کے خبث کے مظاہر اور اشکال مختلف ہو سکتی ہیں لیکن اپنی جڑوں اور بیج کے لحاظ سے تمام جاہلیتیں متحد الاصل ہوتی ہیں۔ جاہلیت کا بیج اور اس کی جڑیں اور اس کا اصل الاصول عبارت ہے خود غرض اور مطلب پرست لوگوں کی خواہشات سے، جو اپنی جہالت اور اغراض کے دائرے سے باہر قدم رکھنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ ان کے پیش نظر ہمیشہ چند

Marfat.com

افراد، کچھ طبقات، بعض اقوام یا مخصوص ممالک کی مصلحتیں ہوتی ہیں۔ یہ مصلحت عدل و انصاف اور بھلائی و صداقت پر غالب آجاتی ہے۔ ایسے حالات ہوتے ہیں جن میں آسمانی شریعت آتی ہے اور باطل کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیتی ہے اور لوگوں کے لئے ایک ایسا نظام زندگی وضع کیا جاتا ہے جس میں جاہلیت کا شائبہ تک نہیں ہوتا، ان لوگوں کی خواہشات نفسانیہ کا اس میں ذرہ بھر دخل نہیں ہوتا نہ ہی اس میں کسی مخصوص فرد، گروہ، یا قوم کی مصلحت کارفرما ہوتی ہے۔

یہ ہے وہ بنیادی امتیاز جو الہٰی نظام زندگی اور انسانی نظام زندگی کے درمیان پایا جاتا ہے اور یہ ایسا فرق ہے جس کی وجہ سے دونوں نظاموں کے درمیان اتحاد یا مسالمت ممکن نہیں ہے۔ ان کے درمیان مکمل تضاد ہے اور یہ ممکن نہیں ہے کہ کچھ اسلام ہو اور کچھ جاہلیت اور دونوں کو ملا کر ایک نظام حیات مرتب کر لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے شرک کی قطعی ممانعت کی ہے اور جس طرح اس کی ذات میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا، اسی طرح اس کی حاکمیت میں بھی کسی کو شریک نہیں کیا جا سکتا۔ یہ دونوں شرک حرام ہیں اور اسلامی نظام زندگی میں ان کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

دعوت دین کے کام کے آغاز سے بھی پہلے ہمارے دلوں میں دین کا یہ تصور بالکل واضح ہونا چاہیئے اور اس میں کسی قسم کا شک اور تردد جائز نہیں ہے۔ لوگوں پر یہ بات واضح ہونا چاہیئے کہ جب وہ اسلامی نظام زندگی کو اپنائیں گے تو وہ ان کی پوری زندگی کو بدل دے گا، مسلمان ہونے والوں کا تصور حیات اور اسلوب زندگی بدل جائے گا اور ان کی موجودہ زندگی سے وہ انہیں اعلیٰ اور برتر زندگی بخش دے گا جس کا وہ کبھی تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔ اس زندگی کے عوض انہیں اعلیٰ زندگی اور ان افکار کے عوض انہیں اعلیٰ نصب العین دیا جائے گا، جو انسانیت کے مقام سے زیادہ مناسب اور قریب تر ہوگا اور اس جاہلیت کو بالکل ختم کر دیا جائے گا جس میں وہ اس وقت گھرے ہوئے ہیں الا یہ کہ جاہلیت کا کوئی جزوی پہلو اسلامی نظام حیات سے مطابقت رکھتا ہو۔ لیکن اپنے مزاج کے اعتبار سے اسلامی جزئیات کا یہ پہلو بھی جاہلی جزئیات سے مختلف ہوتا کیونکہ ایک جاہلی

Marfat.com

نظام کا ہر جزء اس نظام کے کلیات سے ربط رکھتا ہے اور اسلامی نظام حیات کا ہر جزء بھی اسلامی کلیات سے ربط رکھتا ہے اور ظاہر ہے کہ اسلامی اصولوں اور جاہلی اصولوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے مثلاً سائنس اور ٹیکنالوجی کو لیجیے کہ اسلام ان کا مخالف نہیں ہے اور انہیں ترقی دینے کا خواہاں ہے مگر اسلامی نظام میں اور غیر اسلامی نظام میں ان چیزوں کی افادیت مختلف ہو جاتی ہے۔

واضح اعلان لوگوں کو واضح طور پر بتا دینا چاہیئے کہ اسلامی نظام حیات کوئی ایسا نظام نہیں ہے جسے لوگوں نے وضع کیا ہو۔ وہ تمام انسانی نظامہائے حیات سے بنیادی اختلاف رکھتا ہے۔ وہ بذات خود ایک مکمل نظام زندگی ہے اس کا مستقل وجود ہے، اپنے علیحدہ تصورات ہیں اور اپنا ایک مخصوص نظام عمل ہے۔ صرف یہی ایک نظام زندگی ہے جو انسانیت کو خیر و برکت کی دولت سے نواز سکتا ہے۔ وہ ہر قسم کی غلطیوں اور کمزوریوں سے پاک و صاف ہے، غایت درجے متوازن اور مناسب ہے اور براہ راست رب العزت کی بارگاہ سے تجویز ہو کر آیا ہے۔

جب ہمارے دل و دماغ میں اسلام کی یہ حقیقت بیٹھ جائے تو بڑی قوت اور بڑی خود اعتمادی سے ہمیں چاہیئے کہ ہم ہر بات میں اس کا اظہار کریں اور جب بھی ہم لوگوں کے سامنے واضح طور پر یہ تصور حیات پیش کریں گے تو ہمارے دلوں میں لوگوں کے ساتھ ہمدردی پیدا ہو جائے گی۔ ہمارا رویہ اس شخص کا سا ہو گا جو اپنے آپ کو حق پر سمجھتا ہے اور دوسروں کو باطل پر۔ ہمارا رویہ اس ڈاکٹر کا سا ہو جائے گا جو بڑی ہمدردی اور شفقت سے آگے بڑھتا ہے اور دکھی انسانیت کا علاج کرتا ہے۔ اس طرح اس میں ایک صحیح داعی کی سی لگن پیدا ہو جائے گی اور اُسے یقین ہو گا کہ ہدایت وہی ہے جو وہ پیش کر رہا ہے اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ سب گمراہی ہے۔

مداہنت حرام ہے ہمارے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم اسلامی تعلیمات کو چھپائیں۔ نہ یہ جائز ہے کہ ہم اپنے اردگرد چھائے ہوئے غلط تصورات سے متاثر ہوں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم بالکل دو ٹوک بات کریں۔ اور لوگوں

Marfat.com

سے بالکل صاف صاف الفاظ میں یہ کہدیں: "لوگو! جس جاہلیت میں تم پڑے ہوئے ہو وہ ناپاک ہے اور ہم تمہیں صاف کرنا چاہتے ہیں۔ جس طور طریقے کے مطابق تم زندگی بسر کر رہے ہو وہ گندہ اور فرسودہ ہے اور اللہ چاہتا ہے کہ تمہیں اس گندگی سے نجات دے۔ اس وقت جو زندگی تم بسر کر رہے ہو وہ گھٹیا درجے کی زندگی ہے اور اللہ چاہتا ہے کہ تمہیں اعلیٰ درجے کی زندگی عطا کرے۔ تم بدبختی، شقاوت اور بدحالی میں مبتلا ہو اللہ تم پر رحم اور شفقت کرنا چاہتا ہے تاکہ تم سعید اور خوش قسمت بن جاؤ۔۔۔ لوگو! اسلام تمہارے تصور حیات، تمہارے طرز عمل اور تمہاری زندگی کے طور طریقوں کو بدل دینا چاہتا ہے۔ وہ تمہیں نئی اور اعلیٰ اقدار دینا چاہتا ہے۔ وہ تمہیں بالکل نئی زندگی دینا چاہتا ہے۔ یہ زندگی ایسی ہوگی کہ تم اپنی موجودہ زندگی کو بھول جاؤ گے بلکہ اس پر لعنت بھیجو گے۔ وہ تمہیں زندگی کا ایک نیا نظام دے گا جس کے مقابلے میں تم سارے نظاموں کو حقیر سمجھو گے، وہ تمہیں زندگی کی نئی اقدار دے گا جو تمام قدروں سے اعلیٰ وارفع ہوں گی۔"

لوگو! اہل باطل اس وقت پوری کوشش کر رہے ہیں کہ تمہیں اسلام سے دور رکھیں وہ اس کے لئے بھی پوری کوشش کر رہے ہیں کہ دنیا کے کسی حصے میں بھی اسلام نظام زندگی قائم نہ ہو جائے، لہٰذا یہ تمہاری ہی بدقسمتی ہے کہ تم اسلامی نظام حیات کے لئے راضی نہیں ہوتے لیکن تم دشمن کے دھوکے میں آگئے ہو اور ہم تو دیکھ رہے ہیں کہ قرآن وسنت کی روشنی میں اسلامی نظام حیات زندہ وتابندہ نظام ہے اور ہمارا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ روشن مستقبل صرف اسلام ہی کا ہے۔"

یہ ہے وہ انداز جس کے مطابق ہمیں چاہیئے کہ ہم لوگوں سے مخاطب ہوں۔ ان کے سامنے اسلام پیش کریں۔ اسی طریقے کے مطابق اسلام نے سب سے پہلے لوگوں کو مخاطب کیا تھا۔ جہاں بھی اسلام کے لئے کام کیا گیا۔ یہی طریق کار رہا، خواہ فارس ہو یا روم ہو یا جزیرۃ العرب ہو۔

یہ دوغلا پن کامیاب نہ ہوگا

اسلام نے اس پوری انسانیت پر نہایت بلندی سے نگاہ ڈالی ہے، اس

نے لوگوں کو نہایت رحمت اور شفقت سے خطاب کیا۔ اور جو کہنا چاہا صاف صاف کہا۔ بغیر کسی اجمال، بغیر کسی تردد کے پورے یقین کے ساتھ کہا کیونکہ اس نے جو کچھ کہا وہی حقیقت تھی اور اظہار حقیقت میں اسلام کا مزاج بھی یہی تھا۔ اس نے یہ نہ کہا کہ وہ لوگوں کے نظام، زندگی میں چند جزوی تبدیلیاں چاہتا ہے اور بس۔ اسلام نے یہ بھی نہیں کہا کہ اسلام بھی وہی نظام ہے جو ملک کے اندر رائج ہے اور جس پر وہ فی الوقت چل رہے ہیں بلکہ اس نے پہلے ہی سے مکمل انقلاب کا نعرہ بلند کیا۔ لہٰذا ان لوگوں کا طریق کار اسلامی نہیں ہے جو آج کل اسلامی ناموں سے کام کر رہے ہیں کبھی وہ اسلامی جمہوریت کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔ کبھی وہ اسلامی سوشلزم کا نام لیتے ہیں۔ کبھی وہ یہ کہتے ہیں کہ موجودہ اقتصادی نظام چند جزوی تبدیلیوں سے اسلامی نظام حیات بن سکتا ہے یہ اور اس قسم کی تمام دوسری کوششیں دراصل اخفائے حق کی کوششیں ہیں اور جاہلیت کو گوارا کرنے کی کوششیں ہیں۔

لیکن ایسی کوئی بھی کوشش ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اس وقت پورے کرۂ ارض پر جاہلیت چھائی ہوئی ہے اور اس جاہلیت کو چھوڑ کر اسلامی نظام زندگی میں داخل ہونا دراصل ایک عظیم اور دوررس انقلاب ہے اور جاہلیت کے مقابلے میں اسلامی نظام حیات اعلیٰ اور ارفع ہے۔ پوری انسانیت عملاً جاہلیت کا شکار ہے اور چند معمولی اور جزوی تغیرات کے نتیجے میں اس سے نجات ملنا مشکل ہے۔ اس کے لئے ایک عظیم اور وسیع تر انقلاب کی ضرورت ہے اور وہی نجات دے سکتا ہے اور یہ ہے انسانی نظام حیات سے خدائی نظام زندگی کی طرف انقلاب، مخلوق کے نظام سے، خالق کے نظام کی طرف رجوع اور انسانوں کی غلامی سے نکل کر خداوند قدوس کی غلامی کی طرف واپسی۔

یہ ہے اصل حقیقت اور ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم اس کا اعلان صاف صاف کر دیں تاکہ اس بارے میں لوگوں کے دلوں میں کوئی شبہ نہ رہے۔

اس میں شک نہیں ہے کہ بعض اوقات لوگ اس بات کو ناپسند کرتے بعض لوگ اس سے بدکتے ہیں اور بعض لوگ اس انقلاب کے تصور تک سے خائف ہو جاتے ہیں دعوت اسلامی کے پہلے مرحلے میں بھی یہ چیزیں لوگوں نے محسوس کی تھیں وہ

Marfat.com

ڈرے، بدکے اور انہوں نے کراہت محسوس کی۔ نیز انہیں اس بات سے اذیت پہنچی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے معبودوں کی تحقیر کرتے ہیں۔ ان کے عقائد کو غلط کہتے ہیں۔ آن کی عادات واطوار اور ان کے نظام حیات کو باطل کہتے ہیں اور ایسے لوگوں کو یہ گلہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے اس باطل نظام زندگی کو چھوڑ کر نئی عادات اطوار، نئے افکار و خیالات اور بالکل ایک نیا نظام حیات اختیار کر لیا ہے۔ اور نئی اقدار اور نئے تصور حیات کو لے کر ہم سے علیحدہ ہو گئے ہیں۔ ان کی زندگی ہماری زندگی سے مختلف اور ان کا راستہ ہمارے راستے سے جدا ہو گیا ہے۔

لیکن جس چیز سے وہ بدکتے تھے اور ان کی حالت یہ تھی کَاَنَّھُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَۃٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَۃٍ (المدثر ۵۰، ۵۱) "گویا گدھے ہیں کہ بدک جاتے ہیں، شیر کے ڈر سے بھاگے ہوئے" ان سب نے آخر کار اُسے قبول کر لیا۔ حالانکہ اس سے قبل وہ اپنی پوری قوت سے اسلام کے خلاف لڑ چکے تھے، مسلمانوں کو انہوں نے سخت سے سخت تکالیف پہنچائیں تھیں اور مدینہ میں چلے جانے کے بعد ان کے خلاف بڑی سے بڑی جنگیں لڑی تھیں۔

اس وقت دعوت اسلامی کو جن حالات سے سابقہ در پیش ہے دور اول میں وہ اس سے اچھی اور بہتر پوزیشن میں نہ تھی۔ جب حضور اکرم نے مکہ مکرمہ میں اس دعوت کا آغاز فرمایا تو تب بھی یہ ایک نامعلوم اور انوکھی دعوت تھی اور اس وقت کے صاحب جاہ و اقتدار لوگوں نے اُسے شعب ابی طالب میں محصور کیا تھا۔ پورے عالم انسانیت میں یہ دعوت انوکھی تھی۔ بڑی بڑی شہنشاہیتوں کے درمیان گھری ہوئی تھی، جن سے اس دعوت کے اصول ٹکرا رہے تھے۔

لیکن ان سب حالات کے باوجود دعوت اسلامی اپنے اندر بے پناہ قوت رکھتی تھی۔ آج بھی وہی قوت ہے جو دعوت اسلامی کے اندر پائی جاتی ہے۔ اس قوت کا مصدر اور منبع دعوتِ اسلامی کے اعلیٰ مقاصد اور اس کی ذاتی خوبیاں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انتہائی نامساعد حالات میں بھی دعوت اسلامی اپنا کام جاری رکھے ہوئے ہوتی ہے۔

اس کے نام لیوا دعوت اسلامی کی سچائی سے سرشار ہوتے ہیں۔ دعوت اسلامی اس کائنات کے فطری اصولوں سے ہم آہنگ ہوتی ہے اور بڑی سے بڑی طاقت بھی دیر تک فطرت کا مقابلہ نہیں کر سکتی کیونکہ انسانیت اقتصادی، اجتماعی، علمی، عقلی اور فنی ترقی کے جس دور میں بھی ہو تحریک اسلامی ہر دور میں اس کی ترقی پذیر راہنمائی کرتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنی صاف گوئی اور صداقت کے بل بوتے پر عظیم مادی طاقتوں کا مقابلہ بھی کرتی ہے۔ وہ اپنے مؤقف پر اس قدر جمی ہوئی ہوتی ہے کہ اپنے اصولوں میں ذرہ بھر کمی بیشی کی روادار بھی نہیں ہوتی۔ وہ جاہلی میلانات اور نفسانی خواہشات کی پرورش نہیں کرتی۔ دعوت اسلامی ہمیشہ حق کا اعلان صاف صاف لفظوں میں کر دیتی ہے اور لوگوں کو خبردار کر دیا جاتا ہے کہ دعوت اسلامی دراصل خیر و برکت اور رحمت خداوندی کی دعوت ہے۔

نفس انسانی کا خالق اللہ ہے۔ وہی جانتا ہے کہ انسانی دل دماغ میں اس نے کیا کیا کمالات اور رجحانات رکھے ہیں۔ وہ ذات اچھی طرح جانتی ہے کہ بغیر لاگ ولپیٹ کے صاف صاف اعلان حق کے اثرات کیا ہوتے ہیں اور کس طرح انسانیت اس پر لبیک کہتی ہے۔

نفس انسانی میں یہ استعداد پوری طرح موجود ہے کہ وہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف مکمل طور پر منتقل ہو جائے بعض اوقات اس کے لئے محض جزوی تبدیلی کی نسبت مکمل انقلاب سہل ہوتا ہے ایک نظام حیات سے آگے بڑھ کر اس کی نسبت کسی اعلیٰ، کامل اور زیادہ پاکیزہ نظام حیات کو اپنا لینا ایک ایسا عمل ہے جس کے لئے نفسیاتی استدلال میں گنجائش موجود ہے۔ لیکن اگر اسلامی نظام زندگی کلی تبدیلی کے دعوی سے دستبردار ہو جائے اور انسانی زندگی میں چند جزوی تغیرات اور کچھ معمولی تبدیلیوں پر قانع ہو جائے تو پھر عوام الناس کے لئے یہ ضروری نہیں رہتا کہ وہ اُسے قبول کریں۔ کیونکہ موجودہ نظام بہرحال قائم نظام ہوتا ہے۔ حالات پرسکون ہوتے ہیں اور انسانی طبائع کے لئے مالوف ہوتے ہیں۔ نیز اسلامی اصلاحات کی طرح ان نظاموں میں بھی اصلاح ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اس صورت میں انسانی دماغ یہی سوچے گا کہ اُسے اکھاڑ پھینکنے اور اس کی جگہ دوسرا کوئی

Marfat.com

نظام لانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے جب کہ یہ دوسرا مجوزہ نظام ہے بھی سابق قائم شدہ نظام کے مماثل ومشابہ اور بڑی بڑی خصوصیات دونوں کی ایک ہیں۔

ایک دوسرا گروہ ایسا ہے کہ جو اسلام کو اس طرح پیش کرتا ہے کہ گویا وہ ملزم ہے۔ یہ لوگ بطور وکیل صفائی اس کا دفاع کرتے ہیں ایسے لوگوں کا انداز بیان کچھ ایسا ہوتا کہ "جی اسلام کے خلاف جو اعتراضات کئے جارہے ہیں وہ تو مغربی نظام میں بھی موجود ہیں، اور یہ کہ اسلام وہی کچھ چاہتا ہے جو مغربی تہذیب چودہ سو سال بعد کر رہی ہے" کس قدر برا ہے یہ دفاع اور کس قدر توہین آمیز ہے یہ وکالت!

حقیقت یہ ہے کہ اسلام اپنے کسی فعل کے لئے ہرگز یہ جواز پیش نہیں کرتا کہ خود جاہلیت میں بھی یہ فعل مشروع ہے۔ نہ اس کے لئے جاہلیت کے غیرفطری افعال و تصرفات کبھی معیار ہوئے ہیں۔ اس وقت دنیا میں جس قدر تہذیبیں ہیں وہ اپنے مزاج اور اپنے اجتماعی نظم کی وجہ سے جاہلی تہذیبیں ہی ہیں۔ اسلامی تہذیب کے مقابلے میں یہ نہایت گھٹیا اور ادنی درجے کی تہذیبیں ہیں اگرچہ جن ممالک میں یہ تہذیبیں زندہ ہیں ان کے مادی حالات نام نہاد عالم اسلام سے بہتر ہیں۔ کیونکہ اسلامی ممالک کا یہ تخلف اور پسماندگی اسلامی تہذیب کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ یہ اسلامی تہذیب اور اس کے اصول کے ترک کرنے کی وجہ سے ہے۔ اسلام کا دعوی تو یہ ہے کہ وہ ان تمام نظاموں سے بدرجہا بہتر نظام ہے اور وہ دنیا میں آیا ہی اس لئے ہے کہ ان تمام نظاموں کو ختم کردے، اس لئے نہیں کہ وہ ان نظاموں کو مضبوط کردے۔ اسلام کا مقصد یہ ہے کہ وہ کرۂ ارض پر سے گندگی اور غلاظت کا نام ونشان ختم کردے، نہ اس لئے کہ نجاست کے ان انباروں میں کچھ اور اضافہ کردے اور باطل نظاموں کی پشت پناہی کرے۔

کیا اب بھی وہ وقت نہیں آگیا کہ ہم اس شکست خوردہ ذہنیت کو ختم کردیں اور موجودہ معاشروں میں اسلامی نظام کے مماثل چیزوں کی تلاش ترک کردیں اور موجودہ نظریات کو اسلامی نظریات یا ان کے مماثل ثابت کرنا چھوڑ دیں۔ ہمارا مقام تو یہ ہے کہ ہم ان تمام نظریات کو اٹھا کر پھینک دیں خواہ وہ شرقی ہوں یا غربی کیونکہ اسلامی نظریۂ حیات ان تمام

نظریات سے بالا اور ارفع ہے اور اس کے مقابلے میں یہ تمام نظریات نہایت پست اور رجعت پسندانہ ہیں۔

جب ہم اسلامی نظریۂ حیات اور اسلامی نظام زندگی کو اس رنگ میں پیش کریں گے تو لوگوں کی فطرت سے یہ آواز بلند ہوگی کہ ہاں موجودہ حالات میں انقلاب ضرور آنا چاہیئے۔ ہمارے موجودہ نظریہ حیات کو بدلنا چاہیئے، نیا نظام زندگی ناگزیر ہے۔ لیکن اگر ہم نے لوگوں کو یہ کہنا شروع کر دیا کہ لوگو موجودہ قائم نظام زندگی تو ترک کر دو اور ایک نئے نظام کو اپناؤ جو ابھی قائم نہیں ہے اور اس انقلابی عمل کے لئے ہم عملی تجویز یہ پیش کریں کہ موجودہ نظام میں فلاں فلاں تبدیلی کی ضرورت ہے اور ان کو یہ تأثر دیں کہ جو کچھ ہم چاہتے ہیں وہ وہی ہے جس پر تم عمل پیرا ہو اور انہیں یہ باور کرائیں کہ نئے نظام میں بھی تمہاری نفسانی شہوات اور تمہاری جاہلی عادات واطوار کے لئے بدستور گنجائش موجود ہے غرض تمہاری پوری زندگی بدستور رہے گی اس میں چند خفیف تبدیلیاں ہوں گی۔ تو انقلابی عمل کے لئے یہ اخلاقی جواز بالکل مہمل اور بے جان ہوگا اور کسی ایک معقول فرد کو بھی متاثر نہ کر سکے گا۔ اگرچہ بظاہر یہ استدلال نہایت سہل اور معقول معلوم ہوتا ہے لیکن یہ بے اثر اس لئے ہوگا کہ یہ حقیقت کے خلاف ہے کیونکہ اسلام ایک کلی انقلاب کا قائل ہے وہ ہمارے شعور وتصور، اوضاع واطوار، اور قوانین و ضوابط سب کو بدل دینا چاہتا ہے اور ان میں وہ جاہلیت کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ چونکہ جاہلیت اپنے دور میں پوری زندگی پر چھائی ہوتی ہے اس لئے اسلام کا پہلا وار اس پر ہوتا ہے۔ وہ اس کی گرفت کمزور کرتا ہے اور انسانوں کو دوسرے انسانوں کی غلامی سے نکال کر صرف اللہ کی غلامی میں داخل کرنا چاہتا ہے اور دعوت بالکل دوٹوک ہوتی ہے۔

مَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ۔ "جو چاہے ایمان کو اختیار کرے اور جو چاہے کفر کو اختیار کرے"۔ لیکن وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ۔ اور جس نے کفر اختیار کیا تو اس میں شک نہیں ہے کہ اللہ سب جہانوں سے بے نیاز ہے"۔

دعوت اسلامی کا مسئلہ دراصل کفر اور ایمان کا مسئلہ ہے، شرک اور توحید کا سوال ہے اور اسلام اور جاہلیت کا تنازعہ ہے لہٰذا یہ بات ازحد اہمیت رکھتی ہے کہ اُسے بالکل واضح

Marfat.com

طور پر پیش ہونا چاہیئے کیونکہ لوگ اگر بالکلیہ جاہلیت میں داخل ہو چکے ہیں تو وہ مسلم نہیں رہے ہیں۔ جو شخص اپنے آپ کو یہ دھوکہ دیتا ہے کہ جاہلیت کے ساتھ اسلام بھی جمع ہو سکتا ہے تو اس کے اس فعل کی ذمہ داری اسی پر ہے۔ اس کا دھوکہ دینا یا دھوکے میں رہنا حقیقت نفس الامری کو نہیں بدل سکتا۔ اسلام کا مفہوم یہ نہیں ہے نہ ہی اس طرز عمل کے ساتھ لوگ مسلم رہ سکتے ہیں۔ لہذا ہمیں دعوت اسلامی کو بڑی وضاحت سے پیش کرنا چاہیئے اور لوگوں کو بتانا چاہیئے کہ کس طرح ہم جاہلیت سے نکل کر اسلام میں داخل ہو سکتے ہیں۔ اسی طرز عمل پر ہمیں کام کرنا چاہیئے۔

بے لوث کام

لوگوں پر یہ بھی واضح ہونا چاہیئے کہ ہم جو ان کو اسلام کی طرف بلاتے ہیں تو ہمارے پیش نظر کوئی مادی منفعت نہیں ہے۔ ہم ان سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتے، ہم اقتدار نہیں چاہتے، ہم خواہ مخواہ زمین میں فساد پھیلانا نہیں چاہتے۔ نہ ہی ہمارے پیش نظر کوئی اور ذاتی مفاد ہے۔ بلکہ ہم لوگوں کو اسلام کی طرف اس لئے بلاتے ہیں کہ اس میں خود ان کی بھلائی ہے اور محض اس لئے کہ ہمیں لوگوں سے ہمدردی ہے۔ اگرچہ ان کا طرز عمل اس کے بالکل برعکس ہے۔ وہ ہمیں تکالیف پہنچاتے ہیں۔ یہی ایک صحیح داعی کا طرز عمل ہوتا ہے اور یہی اس کی خواہش ہوتی ہے۔ لیکن عوام الناس کا فرض ہے کہ وہ بھی اس اسلام کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کریں جسے ہم ان کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ وہ ان ذمہ داریوں کا احساس کریں اور سمجھنے کی کوشش کریں جو اسلام نے اُن پر ڈالی ہیں اور پھر اس بھلائی اور سعادت کا اندازہ بھی کرلیں جو ان کے سرانجام دینے کے نتیجے میں انہیں نصیب ہوگی۔ غرض یہ بات اچھی طرح لوگوں کو معلوم ہونی چاہیئے کہ جس جاہلیت میں وہ مبتلا ہیں اس کے بارے میں ہماری رائے کیا ہے یعنی یہ کہ موجودہ نظام مکمل جاہلیت ہے اسلامی نظام حیات سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر کسی نظام میں شرعی قانون نہیں ہے تو وہ سراسر ہوائے نفس ہے۔ اگر سچائی غالب نہیں ہے پھر لازماً ضلالت ہوگی۔

فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ۔

Marfat.com

یہ معذرت کیوں؟

اسلامی نظام زندگی میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس پر ہم شرمائیں اور اس کا دفاع کریں۔ اس میں کوئی چیز ایسی بھی نہیں ہے جسے ہم لوگوں سے چھپاتے پھریں یا اس کے اظہار میں ہچکچائیں۔ ہمیں ان مسلمانوں کی روش سے اتفاق نہیں ہے جو مغربی اور مشرقی جاہلیت کے مقابلے میں ذہنی طور پر شکست کھا چکے ہیں اور حد درجہ احساس کہتری میں مبتلا ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ موجودہ نظامہائے حیات سے جزوی چیزیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر لاتے ہیں اور اس طرح کوشش کرتے ہیں کہ اسلام کو ان نظاموں کے مماثل ثابت کیا جائے اور یہ لوگ ان جاہلیتوں کے بعض جاہلانہ کارناموں کو اسلام کی برتری کے لئے بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔

جو لوگ دعوت دین کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ میں انہیں مشورہ دوں گا کہ انہیں اسلام کے لئے یہ معذرت خواہانہ انداز اختیار نہ کرنا چاہیئے جو نہ ہی اسلام کی کسی کارروائی کے لئے وجہ جواز تلاش کرنے کی کوئی ضرورت ہے۔ یہ کام وہ لوگ کریں جو مغربی طرز زندگی کے اسیر ہو چکے ہیں اور جو بالکل مغربی تہذیب جیسی متضاد اور غیر فطری تہذیب کے مطابق زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ لوگ معذرت کریں جو جاہلیت کے حامی ہیں۔ ہمیں ایسے لوگوں کی کوئی پرواہ نہ کرنا چاہیئے جو مختلف قسم کے اعتراضات کر کے اسلام کو ملزم بنانا چاہتے ہیں اور نہ ہی ہمیں اسلام کے ان وکیلوں کا ممنون ہونا چاہیئے جو اس کارروائی میں بطور وکیل صفائی پیش ہوتے ہیں۔

جب میں امریکہ میں تھا تو مجھے کثیر تعداد میں ایسے لوگوں سے واسطہ پڑا۔ اس دور میں ہم نام نہاد مسلمان ہوا کرتے تھے اور ہمارے رفقا اسی طرز پر اسلام کی مدافعت کیا کرتے تھے۔ لیکن بفضل خدا وہاں بھی میرا رویہ ہمیشہ جارحانہ ہوا کرتا تھا۔ میں خود مغربی تہذیب پر حملہ آور ہوتا تھا۔ اس کی مذہبی بنیادوں، اس کے اجتماعی نظام، اخلاقی اقدار، اور اقتصادی نظم پر حملہ آور ہو جاتا۔ میرا موضوع بحث عموماً عیسائیوں کا اقانیم ثلاثہ کا تصور گناہ اور کفارہ کا تصور اور ایسے ہی دوسرے مسائل ہوتے تھے۔ یہ ایسے مسائل تھے جو عقل سے

کوسوں دور تھے۔ نیز سرمایہ داری، اس کی لوٹ کھسوٹ اور سودی نظام پر تنقید کرتا اور اس تہذیب میں افراد کی خود غرضانہ ذہنیت کو زیر بحث لاتا اور بتاتا کہ تمہارے ہاں اجتماعی تکافل اور انسانوں سے ہمدردی کا نام نشان تک نہیں ہے۔ نیز میں ان کے خالص مادی، اور خشک تصور حیات، بہائم کی طرح جنسی اختلاط اور غلاموں کی بے پناہ منڈیوں جیسے مسائل کو زیر بحث لاتا۔ ان کی عائلی زندگی اور گندے خاندانی نظام اور ذلیلانہ نسلی امتیاز کی پالیسی پر انہیں شرم دلاتا۔

اس تنقید کے بعد میں اپنے مخالفین کو بتاتا کہ دیکھو اس کے مقابلے میں اسلام کی معقولیت پسندی کو، ذرا اس کی انسان دوستی کا مطالعہ کرو، اس کی رواداری پر نگاہ ڈالو اور اس کی اس تاریخی سربلندی کو سمجھو جہاں تک آج کی کوئی تہذیب بھی نہ پہنچ سکی۔ پھر انہیں بتاتا کہ زندگی کے تمام مسائل کو لے کر کس طرح اسلام انہیں حل کرتا ہے اور اس کا حل کس قدر فطری اور حکیمانہ ہوتا ہے۔

"یہ ہیں وہ حقائق جو مغربی تہذیب میں مُسَلَّم اور جانے پہچانے ہیں اور جب میں اسلام کی روشنی میں ان پر تنقید کرتا تھا تو اہل غرب ندامت محسوس کرتے تھے لیکن صد افسوس کہ بعض مسلمان آج بھی ایسے ہیں جو تہذیب فرنگ کی غلاظت کے اس ڈھیر کے سامنے بھی اپنے آپ کو احساس کہتری میں مبتلا پا رہے ہیں اور یہ کوشش کر رہے ہیں۔ کہ اسلام نظام زندگی میں سے ایک ایک چیز تلاش کر کے لائیں اور اسلام کو غلاظت کے اس ڈھیر کے مماثل ثابت کر دیں اور اس طرح اسلام کی برتری ثابت ہو جائے یہی رویہ ان لوگوں کا مشرق کے جاہلی نظام کے بارے میں بھی ہے۔

اس بحث کے بعد اب میں سمجھتا ہوں مجھے اس بات کی مزید توضیح کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ اگر ہمیں صحیح معنوں میں دعوت اسلامی کو پیش کرنا ہے تو فی الفور جاہلیت کی رفاقت کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ جاہلی تصور حیات، جاہلی عادات و تقالید کو یک قلم ختم کر دینا چاہیئے، اگرچہ ہم پر ان کا دباؤ شدید سے شدید ہو۔ ہمارا یہ فرض اولین ہے کہ ہم جاہلی نظریۂ حیات اور جاہلی عادات و اطوار کی جگہ مکمل اسلامی نظام حیات نافذ کریں اور یہ کام اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک ہم جاہلیت سے مکمل طور پر قطع تعلق نہ کریں گے اور اگر ہم

Marfat.com

نے جاہلیت کے ساتھ رفاقت شروع کر دی جیسا کہ اسلام کے بعض نادان دوستوں کا خیال ہے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ گویا ہم نے پہلے میدان ہی میں شکست تسلیم کر لی۔

یہ بات میرے پیش نظر ہے کہ موجودہ اجتماعی نظام میں جاہلی عادات و تقالید کا دباؤ حد درجہ زیادہ ہے خصوصاً عورت کی دنیا میں تو یہ دباؤ اس قدر شدید ہے کہ ایک مسلم عورت کے لئے اس کا مقابلہ بے حد مشکل ہے۔ اس بے چاری پر جاہلیت کا شدید تر حملہ ہے اور وہ بڑی بے جگری سے مقابلہ بھی کر رہی ہے۔ اگرچہ اس میدان میں دباؤ بہت زیادہ ہے تاہم ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم یہاں بھی ثابت قدمی دکھائیں۔ اپنے آپ کو بلند تر ثابت کریں اور جاہلیت کو واضح طور پر بتائیں کہ دیکھو اسلام نے عورت کے لئے کس قدر بلند مقام تجویز کیا ہے اور اس کے مقابلے میں اس نے عورت کو کس قدر ذلیل و خوار کیا ہے۔

اگر ہم نے جاہلیت کے ساتھ نرم رویہ اختیار کیا تو ہم یہ کام ہرگز نہ کر سکیں گے اگرچہ یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ ہم جاہلیت کے ساتھ کلی قطع تعلق کر لیں۔ لیکن جاہلیت کے ساتھ میل جول رکھنے کے باوجود ہمیں یہ ثابت کرنا ہو گا کہ ہم اس سے بہت بلند ہیں۔ ہمیں اپنے آپ کو بلند کر کے اس سے کچھ لینا ہو گا اور کچھ اُسے دینا ہو گا۔ لیکن اظہار حق کے لئے لہجہ نہایت ہمدردانہ اور نہایت ہی متواضعانہ ہو گا۔

پھر ہمیں یہ بات بھی پیش نظر رکھنی ہو گی کہ ہم بہر حال ایک جاہلی معاشرے ہی میں زندگی بسر کر رہے ہیں اگرچہ ہم راہ راست پر ہیں۔ نیز یہ کہ اس جاہلیت سے نکل کر اسلام میں داخل ہونا ایک ہمہ گیر اور ہمہ جہت انقلاب ہے اور یہ کہ اسلام اور جاہلیت کے درمیان خلیج اس قدر وسیع ہے کہ اُسے پاٹا نہیں جا سکتا اور نہ ہی کبھی دونوں کے اندر ملاپ و اتحاد ہو سکتا ہے۔ یہاں اتحاد کی صورت صرف یہ ہے کہ اہل جاہلیت، اسلام میں داخل ہو جائیں۔ خواہ وہ نام نہاد اسلامی دنیا میں رہنے اور اپنے

Marfat.com

آپ کو مسلم سمجھتے ہیں یا عالم اسلام سے باہر رہتے ہیں - بہر حال انہوں نے ان اندھیروں سے نکل کر اجالے میں آنا ہوگا، اس گمراہی کو چھوڑ کر اسلام کو اپنانا ہوگا۔ وہ اسلام جس کی لذت بفضلِ خدا ہم چکھ چکے ہیں اور ہماری یہ خواہش ہے کہ ہم اس کے مطابق اپنی زندگی بسر کریں۔ اگر لوگ اس ہمہ گیر انقلاب کو قبول نہیں کرتے تو ہمیں صاف صاف اعلان کر دینا چاہیئے کہ ہمارا دین ہمارا اور تمہارا تمہارے لئے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لکم دینکم ولی دین۔

Marfat.com

Marfat.com

ایمان کی سربلندی

اُسے آنے دو ....

حضرت ربعیؓ مجلس میں داخل ہوئے جہاں ریشمیں فرش بچھے ہوئے تھے اور بڑے بڑے تکیے رکھے ہوئے تھے۔ قیمتی زیورات اور موتیوں کے جا بجا مظاہرے ہو رہے تھے۔ رستم تاج پہنے بیٹھا تھا۔ ہر قسم کے مال و متاع کی فراوانی تھی اور رستم کا تخت سونے کا تھا۔

حضرت ربعیؓ پھٹے پرانے کپڑوں میں ایک چھوٹے سے گھوڑے پر، ڈھال لئے ہوئے داخل ہوئے وہ فرش کے کنارے تک گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور گھوڑے کو انکے فرش پر چڑھا دیا اور ایک تکیے کیساتھ باندھ دیا۔ اس کے بعد انکی طرف متوجہ ہوئے اسلحہ سے لیس تھے۔ سر پر خول تھا۔

دربانوں نے کہا آپ اسلحہ اتار دیجئے آپ نے فرمایا ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں خود یہاں نہیں آیا ہوں۔ آپ نے مجھے بلایا ہے اگر تم ایسی حالت میں مجھے اندر جانے دیتے ہو تو فبہا ورنہ میں واپس چلا جاؤں گا۔

رستم نے کہا ....

Marfat.com

Marfat.com

ایمان کی سربلندی

لَا تَہِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (آل عمران: ۱۳۹)

دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے، اگر تم مؤمن ہو۔

یہاں جس سربلندی کا ذکر کیا گیا ہے، بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے وہ جہاد مراد ہے جو قتال کی شکل میں ہوتا ہے لیکن درحقیقت یہاں جس سربلندی کا ذکر کیا گیا ہے، اپنی مختلف شکلوں اور حالتوں کے لحاظ سے اس کا دائرہ کار نہایت وسیع ہے یعنی قتال فی سبیل اللہ سے اس سربلندی سے مراد وہ حالت ہے جس پر ایک مؤمن کا شعور اور اس کے تصورات ہوتے ہیں یعنی وہ حالت جس کے مطابق ایک مؤمن اس دنیا کی ہر چیز، واقعات، اقدار حیات اور تمام افراد انسان کی قدر و قیمت متعین کرتا ہے۔

یہ وہ سربلندی ہے جس پر ہر وقت نفس مؤمن کو متمکن ہونا چاہیئے۔ ہر شخص کے مقابلے میں، تمام حالات میں اور دنیا کی تمام مروجہ اقدار حیات کے مقابلے میں۔ یعنی مؤمن کا نظریۂ حیات اور اس کے نتیجے میں قائم ہونے والی تمام اقدار دنیا کی تمام ان قدروں پر بلند ہوں جو کفر و جاہلیت کے نتیجے میں قائم ہوتی ہیں۔

اس سربلندی کا مطلب یہ ہے کہ ان تمام قوتوں پر بلندی اور غلبہ حاصل ہو جو اسلامی نظریۂ حیات کے خلاف ہیں، ان تمام اقدار پر بلندی اور غلبہ ہو جو اسلامی نظریۂ حیات اور ایمان کی بنیاد پر قائم نہ ہوں۔ دنیا کی ان عادات اور تقالید پر بلندی جن کی منظوری اسلامی نظریۂ حیات نے نہ دی ہو، ان قوانین پر بلندی جو اسلامی شریعت کے خلاف ہوں ان اوضاع اور اطوار پر بلندی جو اسلامی نظریۂ حیات سے ہم آہنگ نہ ہوں۔ غرض ایسی سربلندی جو ہر طرح کی ہو اور ہر حالت میں ہو۔ قلت تعداد اور ضعف کی حالت میں بھی

Marfat.com

ہو اور معاشی بدحالی اور اقتصادی ناہمواریوں میں بھی ایسی ہی ہو جیسا کہ قوت وشوکت اور دولت وامارت کے ساتھ ہوتی ہے۔ یہ سربلندی ایسی ہو جو باغی قوت کے سامنے نہ جھکے، کسی بھی باطل قانون اور کسی بھی جاہلی عرف سے نہ دبے اور نہ ہی وہ کسی بھی مقبول عام صورت حال کو خاطر میں لائے جس کی سند ایمان سے نہ ملتی ہو، نہ ہی جہاد کے اندر ثابت قدمی اور اولوالعزمی تو وہ فی الحقیقت اس وسیع سربلندی اور استعلاء کی ایک مخصوص حالت اور تشکل ہے۔

یاد رہے کہ اس ایمانی سربلندی سے مراد صرف انفرادی عزم یا تکبر وغرور یا جوش و جرأت نہیں ہیں جو کسی فرد کی انانیت کا ثمرہ ہوتی ہیں۔ بلکہ اس سربلندی کا تعلق ایک ایسی سچائی سے ہے جس کی جڑیں اس کائنات کی حقیقت میں پیوستہ ہیں۔ یہ ایسی سچائی ہوتی ہے جو قوت کی منطق، خاندانی تصورات، معاشرے کی اصطلاحات اور لوگوں کے درمیان معروف چیزوں سے کہیں آگے ہوتی ہے اور اس کا تعلق اس ذات سے ہوتا ہے جو حی ولایموت ہے۔ کیونکہ ہر معاشرے کی ایک مخصوص ذہنیت ہوتی ہے۔ ایک عرف عام ہوتا ہے اور ان کا افراد کے فکر ونظر پر شدید دباؤ ہوتا ہے اور یہ دباؤ ان لوگوں پر تو بے حد شدید ہوتا ہے جن کا کوئی مضبوط سہارا نہ ہو اور جن کے پاس ٹھوس دلائل نہ ہوں۔ معاشرہ کے غالب افکار اور مقبول تصورات کا دباؤ اس قدر شدید ہوتا ہے کہ جب تک ان سے زیادہ ٹھوس افکار وتصورات اور نہایت ہی بلند اقدار وحقائق کا سہارا نہ لیا جائے اور ان کے مصادر سے قوی تر مصدر سے معاونت نہ لی جائے، ان کا مقابلہ کرنا مشکل ہوتا ہے۔

یہ فطری بات ہے کہ جو شخص عام ذہنیت، عام عرف، مقبول اعلیٰ اقدار، رائج افکار وتصورات اور معاشرے کے اندر پھیلے ہوئے دوسرے مفاسد ومیلانات کے خلاف سینہ سپر ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو اس معاشرے میں ایک گونہ اجنبی محسوس کرتا ہے اور یہ احساس اس کی کمزوری کا سبب ہوتا ہے۔ ایسے حالات میں اُسے ضرورت ہوتی ہے کہ وہ ایک قوی تر اور بلند تر قوت کا سہارا لے جو تمام لوگوں سے قوی ہو، زمین

میں زیادہ طاقتور ہو اور زندگی سے بھی عزیز ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ایسے حالات میں ایک مؤمن کو بے سہارا نہیں چھوڑتا کہ وہ اس بوجھ تلے دب جائے، کمزوری اور پریشانی کا شکار ہو اور یہ بوجھ اور دباؤ اس کے لئے ناقابل برداشت ہوجائے۔ ایسے ہی حالات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ تسلی آتی ہے لاتہنوا ولاتحزنوا انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین۔ (دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو) اس تسلی کا مقصد یہ ہے کہ مؤمن کمزور نہ ہو اور اس کا دل پریشان نہ ہو۔ مشکلات کے دور میں یہ دونوں چیزیں ایک انسان کو لاحق ہوجاتی ہیں اور ان کا مقابلہ صرف صبر و ثبات سے نہیں کیا جاسکتا بلکہ ایمان کی سربلندی اور استعلاء سے کیا جاسکتا ہے۔ ایسی سربلندی جو نہایت بلندی سے تمام طاغوتی طاقتوں، رائج قدروں، شائع و ذائع تصورات اور مروج عادات و تقالید پر ناقدانہ نگاہ ڈالتی ہو اور ان جمہور عوام کا گہرا جائزہ لیتی ہو جو جاہلیت اور ضلالت کا شکار ہوچکے ہوتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اپنے نظریۂ حیات کے مصدر اور اس کی سند کے لحاظ سے بلند ہے۔ اس کے مقابلے میں اس پوری دنیا کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اس کی فکر کے مقابلے میں ان مسلمات اور اقدار حیات کی کوئی حقیقت نہیں ہے جو لوگوں کے درمیان رائج ہیں۔ کیونکہ ایک مؤمن اللہ تعالیٰ سے ہدایت لے رہا ہوتا ہے الٰہی نظام زندگی کے مطابق گامزن ہوتا ہے اور آخر کار اُسے اپنے رب ہی سے ملنا ہوتا ہے۔

ایک مؤمن اس کائنات اور اس کی حقیقت کا سب سے صحیح ادراک رکھتا ہے۔ اسلام نے انسانیت کو عقیدۂ توحید کی جو تعلیم دی ہے وہی دراصل کائنات کی حقیقت کبریٰ کی اعلیٰ معرفت ہے۔ جب ہم اسلامی عقائد اور اسلامی نظریۂ حیات کے واضح اور شفاف تصور حیات کا مقابلہ ان تصورات سے کرتے ہیں جو مختلف فلسفوں نے پیش کئے یا ان تصورات سے جو مشرکانہ عقائد سے تشکیل پائے۔ یا زندگی کے مادی تصور کی اساس پر رائج ہوئے ہیں یا جو اہل کتاب کے ہاں محرّف آسمانی کتابوں کی بنیاد پر پھیلے تو ہمیں واضح طور پر معلوم ہوجاتا ہے کہ اسلامی نظریۂ حیات اور اسلامی عقائد کس

قدروں واضح اور صاف اور حقیقت کے مطابق ہیں لہٰذا اس میں شک نہیں کہ جو امت ایسے نظریات کی حامل ہو وہی بلند ہو سکتی ہے[1]۔

زندگی کی وہ اقدار جن کے معیار پر حیات انسانی اور اس میں رونما ہونے والے واقعات، تمام اشیاء اور مختلف اشخاص کی قدر و قیمت متعین ہوتی ہے ان کے لحاظ سے بھی ایک مؤمن تمام اقوام کی نسبت سب سے اونچے تصور کا مالک ہے، کیونکہ وہ نظریۂ حیات جو خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کے اسلامی تصور پر مبنی ہوتا ہے اور جس کے نتیجے میں کائنات (یاد رہے کہ کائنات سے مراد وسیع ہے صرف زمین نہیں) کی حقیقت اور زندگی کی اعلیٰ اقدار کا تعین ہوتا ہے، تو یہ تصور حیات اور یہ عقیدہ ایک مؤمن کو حیات انسانی کے بارے میں ایک اعلیٰ تصور دیتا ہے اور اس کے نتیجے میں نہایت ہی بلند اقدار تشکیل پاتی ہیں۔ اس کے مقابلے میں انسان اپنے محدود نقطۂ نظر سے جو تصورات قائم کرتا ہے وہ اس بلند تصور حیات کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ انسان کی نظر محدود ہے وہ صرف اپنے پاؤں ہی کو دیکھ سکتا ہے۔ پھر ان انسانی تصورات کی حالت یہ ہوتی کہ ایک نسل میں بھی وہ یکساں نہیں رہتے بلکہ ہر ایک قوم اور ہر ایک فرد میں بھی وہ مختلف ہو جاتے ہیں۔

اپنے شعور، اپنے اخلاق اور اپنے سلوک و طرز عمل کے لحاظ سے بھی ایک مؤمن سربلند ہوتا ہے۔ اللہ کی ذات و صفات پر ایمان ہی اسے بلند کر دیتا ہے۔ وہ پاکیزہ اخلاق، پاک زندگی، عفیف کردار اور اپنے تمام کاموں میں خوف خدا اور اتقاء کا حامل ہو جاتا ہے۔ اس کا طرز عمل اچھا ہوتا ہے اور اپنی زندگی میں اللہ کا خلیفہ ہوتا ہے۔ اسلامی نظریۂ حیات کا یہ پہلو کہ ایک مؤمن اپنا صحیح اجر صرف دار آخرت میں پائے گا، نہایت ہی بلند ہے اس کے ذریعہ وہ دنیا کے تمام مصائب و آلام پر قابو پا لیتا ہے وہ دنیا کی تمام نعمتوں اور آسائشوں سے محروم ہو کر بھی مطمئن اور خوش ہوتا ہے۔

ایک مؤمن اپنے نظام حیات اور نظام قانون کے لحاظ سے بھی سربلند ہوتا ہے جب

---

[1] دیکھئے میری کتاب خصائص التصور الاسلامی کی فصل ثبات و رکائز۔

Marfat.com

وہ قدیم وجدید تمام انسانی سرمایہ علم وفکر پر سیر حاصل نگاہ دوڑاتا ہے۔ پھر وہ ان تمام ذخیروں کا مقابلہ اسلامی نظام قانون اور شریعت اسلامیہ سے کرتا ہے تو یہ سب کچھ اُسے بچوں کا کھیل یا اندھوں کی ٹامک ٹوئیاں نظر آتا ہے اور اس کے مقابلے میں اسلامی نظام زندگی ایک ٹھوس اور مبنی برحقیقت نظام نظر آتا ہے۔ اس وقت فخر ومباہات سے ایک مومن کا سربلند ہو جاتا ہے وہ نہایت رفعت سے پوری انسانیت کی بدبختی اور ضلالت کا مطالعہ کرتا ہے۔ اس کے دل میں اس کے لئے رحم اور ہمدردی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور اُسے احساس ہو جاتا ہے کہ شقاوت اور ضلالت کی ان پستیوں کے مقابلے میں وہ کس قدر بلند ہے۔

ہمارے اسلاف نے ہمیشہ اسی نظر سے ان بے حقیقت مظاہر، مغرور قوتوں اور بے اصل مسلمات وقت کو دیکھا جن کی پیروی جاہلیت کے دور میں بڑے زور وشور سے کی جاتی تھی۔ یہ پیش نظر رہے کہ جاہلیت کا زمانہ انسانی تاریخ کا کوئی متعین اور مخصوص دور نہ تھا بلکہ جاہلیت ایک مخصوص حالت ہوتی ہے جو کسی وقت بھی پیدا ہو سکتی ہے۔ ماضی حال اور مستقبل میں سے کسی بھی زمانے میں معاشرہ اسلام نظام زندگی سے انحراف کرے تو وہ دور جاہلیت کا دور کہلائے گا۔

حضرت مغیرہ ابن شعبہ جب بطور سفیر رستم کی چھاؤنی میں پہنچے تو آپ نے جاہلیت کے اوضاع واطوار اقدار وتصورات اور اس کی مختلف شکلوں کے بارے میں یہی رویہ اختیار فرمایا۔ ابو عثمان النہدی روایت کرتے ہیں کہ حضرت مغیرہ پل پر آئے اُسے عبور کیا اور ایرانیوں کے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے رستم سے آپ کے ساتھ بات چیت کی اجازت چاہی اور انہوں نے آپ کو حقیر سمجھتے ہوئے اپنی شکل وہیئت میں کوئی تبدیلی نہ کی۔ مغیرہ بن شعبہ جب تشریف لائے تو یہ لوگ اپنے مخصوص لباس میں تاج پہنے ہوئے اپنی سیٹوں پر براجمان تھے۔ انہوں نے تین چار سو قدم کے فاصلے تک ریشمی قالین بچھا رکھے تھے اور رواج کے مطابق کوئی شخص ان کے سربراہ تک اُس وقت تک نہ پہنچ سکتا جب تک اُن قالینوں پر چل کر نہ آتا۔ حضرت مغیرہ کی شکل وہیئت یہ تھی کہ پھٹے پرانے کپڑے اور بال چار

Marfat.com

پٹیوں میں بٹے ہوئے تھے۔ یہ سیدھے چلتے گئے اور رستم کے تخت اور تکیے پر بے تکلف جاکر بیٹھ گئے۔ یہ ایرانیوں کے لئے بالکل خلاف توقع تھا۔ سب لوگ آپ پر بے تحاشہ ٹوٹ پڑے۔ ہاتھاپائی تک نوبت پہنچی اور آپ کو تخت سے اتار کر زمین پر گرا دیا گیا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ ہم تک آپ لوگوں کی دانائی کے قصے پہنچے تھے لیکن آج معلوم ہوا کہ تم سے زیادہ احمق اور کوئی نہیں ہے ہمارے ہاں صورت حال یہ ہے کہ تمام لوگ ایک دوسرے کے مساوی سمجھے جاتے ہیں۔ کوئی بھی دوسروں کو اپنا غلام نہیں بناتا۔ الا یہ کہ کوئی کسی سے برسرپیکار ہو اور جنگ میں قیدی بن جائے۔ میرا یہ خیال تھا کہ تم لوگ ایک دوسرے کے ہمدرد اور غمخوار ہوگے جیسا کہ ہم ہیں۔ اس حرکت سے تو یہ بہتر تھا کہ تم پہلے مجھے بتا دیتے کہ ہم میں بعض دوسروں کے رب ہیں اور ان کو خدائی کا مقام حاصل ہے یاد رکھو! کہ اب اقتدار تمہارے ہاتھوں میں نہیں رہ سکتا لہٰذا لازماً یہ ہمارے ہاتھ آئے گا۔ میں خود تمہارے پاس نہیں آیا بلکہ خود تم لوگوں نے مجھے بلایا ہے اور مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تمہارا نظام ڈھیلا ہے اور تمہاری شکست یقینی ہے۔ اس کردار اور اس ذہنیت کے ساتھ حکمرانی نہیں کی جاسکتی۔

قادسیہ کے حادثہ سے قبل اسی رستم کے خاشیہ نشینوں کے سامنے حضرت ربعی بن عامر نے اسی کردار کا مظاہرہ کیا تھا۔

سعد بن ابی وقاص نے قادسیہ کی جنگ سے قبل حضرت ربعی بن عامر کو رستم کے پاس بطور سفیر بھیجا اس وقت یہ فارس کی فوجوں کے امیر تھے۔ یہ ایرانیوں کی مجلس میں داخل ہوئے جہاں بڑے بڑے تکیے اور ریشمی فرشی بچھے ہوئے تھے۔ قیمتی زیورات اور موتیوں کے جا بجا مظاہرے ہو رہے تھے۔ رستم تاج پہنے بیٹھا تھا۔ ہر قسم کے مال و متاع کی فراوانی کا مظاہرہ تھا۔ رستم کا تخت سونے کا تھا۔ حضرت ربعی پھٹے پرانے کپڑوں میں ایک چھوٹے سے گھوڑے پر ڈھال لئے ہوئے داخل ہوئے۔ وہ فرش کے کنارے تک گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور گھوڑے کو ان کے فرش پر چڑھا دیا اور ایک تکیے کے ساتھ باندھ دیا۔ اس کے بعد ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ اسلحہ سے لیس تھے۔ سر پر خود تھا۔ درباریوں نے کہا کہ آپ اسلحہ اتار دیجئے۔ آپ نے فرمایا ایسا نہیں ہو سکتا میں خود یہاں نہیں آیا ہوں آپ لوگوں نے مجھے بلایا ہے۔

اگر تم ایسی حالت میں مجھے اندر جانے دیتے ہو تو فبہا ورنہ میں واپس چلا جاؤں گا۔ رستم نے کہا اُسے آنے دو چنانچہ اُسے جانے دیا گیا۔ آپ اپنے نیزے کے بل پر چلتے رہے اور نیزے کا تیز بھالا جہاں قالین پر لگتا تھا اُسے تہ تک کاٹ دیتا تھا۔ جب آپ رستم کی مجلس خاص میں پہنچے تو آپ سے پوچھا گیا کہ تم لوگ کیوں اٹھ کھڑے ہوئے ہو آپ نے فرمایا کہ اللہ نے ہمیں اس لئے پیدا کیا ہے تاکہ اپنے جن بندوں کے بارے میں اس کی مشیئت نے فیصلہ کیا ہے، انہیں انسانوں کی غلامی سے نکال کر صرف ایک اللہ کی غلامی میں داخل کریں اور انہیں تنگ دنیا سے نکال کر وسیع تر دنیا اور آخرت میں لے جائیں اور دوسرے مذاہب کے ظلم سے نجات دے کر انہیں اسلام کے انصاف میں داخل کریں"۔ یہ تھا مسلمانوں کا کردار!

اگرچہ اس کے بعد حالات بدل جاتے ہیں، مسلمان کی حیثیت ایک مغلوب قوم کی سی ہو جاتی ہے، اس کے ہاتھ سے مادی قوت جاتی رہتی ہے۔ لیکن اس کے شعور کی سربلندی ختم نہیں ہوتی اور جب تک وہ مؤمن ہوتا وہ اپنے دشمن کو بلندی سے دیکھتا ہے اُسے یقین ہوتا ہے کہ شکست اور مغلوبیت کا یہ دور عنقریب ختم ہونے والا ہے اور لازماً اگلی بار ایمان کو غلبہ ہوگا۔ شکست خواہ کتنی ہی تباہ کن کیوں نہ ہو وہ ہتھیار نہیں ڈالتا۔ لوگ مرتے ہیں اور وہ شہید ہوتا ہے، وہ اس زمین کو چھوڑتا ہے لیکن جنت کے لئے اور غالب ہونے والا اُسے چھوڑے گا تو سیدھا جہنم میں جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ دونوں کے انجام میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مومن اللہ کی یہ آواز سنتا ہے:

لا یغرنک تقلب الذین کفروا فی البلاد۔ متاع قلیل ثم ماواھم جہنم وبئس المھاد لکن الذین اتقوا ربہم لہم جنات تجری من تحتہا الأنہار خالدین فیہا نزلا من عند اللہ وما عند اللہ خیر للأبرار (آل عمران (۱۹۶ - ۱۹۸)

اے نبی دنیا کے ملکوں میں خدا کے نافرمانوں کی چلت پھرت تمہیں کسی دھوکے میں نہ ڈالدے۔ یہ محض چند روزہ زندگی کا تھوڑا سا لطف ہے۔ پھر یہ سب جہنم میں جائیں گے۔ جو بدترین جائے قرار ہے۔ برعکس اس کے جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لئے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ اللہ کی طرف سے یہ سامان ضیافت ہے ان کے لئے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے نیک لوگوں کے لئے وہی بہتر ہے۔"

Marfat.com

پھر بعض اوقات ایسے حالات بھی آجاتے ہیں کہ معاشرے میں ایسے نظریات وعقائد ایسی اقدار اعلی اور حسن وقبح کے پیمانے رواج پا جاتے ہیں جو مؤمن کے عقائد وتصورات کے سراسر خلاف ہوتے ہیں۔ لیکن اس کا شعور بدستور بلند رہتا ہے اور وہ یقین کامل رکھتا ہے کہ ان تمام لوگوں کا مؤقف فروتر ہے۔ وہ عزت وشرف کے ایک بلند مقام سے ان پر نگاہ ڈالتا ہے۔ اُسے ان لوگوں اور ان کی حالت پر رحم آتا ہے اور اس کے دل میں یہ شوق پیدا ہوتا ہے کہ وہ انہیں ہدایت کی راہ دکھاوے جس پر وہ خود چل رہا ہوتا ہے تاکہ وہ لوگ بھی اس پستی کو چھوڑ کر اس بلندی تک پہنچیں جہاں وہ خود رہتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ باطل ہمیشہ جھاگ کی طرح اُٹھتا ہے جوش وخروش دکھاتا ہے، ہر طرف پھریرے اُڑاتا ہے۔ اس کے اردگرد مصنوعی حصار بھی قائم ہو جاتے ہیں غرض وہ اس قدر چمک دمک دکھاتا ہے کہ آنکھیں چندیا جاتی ہیں۔ اس چمک دمک میں اس کی حقیقی کمزوریاں چھپ جاتی ہیں اور لوگوں کو نظر نہیں آتا کہ اس کا انجام کیا ہونے والا ہے لیکن ایک مؤمن اس باطل کو پھر بھی نہایت ہی بلندی سے دیکھتا ہے نہایت بلندی سے حقارت کی نظروں سے دیکھتا ہے۔ اس کی نظروں میں باطل پرستوں کی یہ بھیڑ دراصل گم گشتہ راہ بھیڑ ہوتی ہے۔

وہ ان حالات میں بھی ہمت نہیں ہارتا، پریشان نہیں ہوتا اور جس سچائی پر وہ قائم ہوتا ہے اس کے بارے میں اس کی ثابت قدمی میں فرق نہیں آتا۔ وہ اپنے علم ومعرفت پہ مصر ہوتا ہے۔ اپنے نظام حیات ہی کو درست سمجھتا ہے لیکن ان جذبات کے ساتھ ساتھ ان گمراہ اور شیطانی دھوکے کے شکار انسانوں کو راہ ہدایت دکھانے کی بھی پوری کوشش کرتا ہے۔

لیکن اس سے بھی زیادہ کٹھن وقت وہ آتا ہے کہ معاشرہ خواہشات نفسانی میں غرق ہو جاتا ہے۔ تمام لوگ ذلیل خواہشات کے پیچھے بھاگے بھاگے پھرتے ہیں۔ ہر شخص گندگی اور کیچڑ سے یوں چمٹے جاتا ہے کہ گویا یہ کوئی لذیذ ترین چیز ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ رسم ورواج کے غیر فطری بندھنوں سے آزاد ہو گیا۔ معاشرہ کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ اس میں حلال اور پاکیزہ چیزوں کا ملنا ہی مشکل ہو جاتا ہے۔ پاک وصاف استمتاع ممکن ہی نہیں رہتا صرف یہی

Marfat.com

گندا، سڑا ہوا، غلاظت سے بھرپور اور مٹی اور کیچڑ سے اٹا راستہ رہ جاتا ہے۔ اور لوگ ذلیل حشرات کی طرح اس میں پڑ جاتے ہیں۔ ایسے حالات میں بھی ایک مؤمن غلاظت کے اس سمندر میں غرق انسانیت پر بلندی سے نظر ڈالتا ہے وہ اکیلا صرف ایک ہوتے ہوئے بھی ہمت نہیں ہارتا نہ ہی وہ پریشاں ہوتا ہے۔ اس کا نفس امارہ اُسے آمادہ نہیں کر سکتا کہ وہ پاکیزگی کے اس جامے کو اتار پھینکے اور غلاظت کے اس سمندر میں اتر جائے۔ غرض وہ ہر حال میں لذت یقین اور ذوق ایمان سے لطف اندوز ہو رہا ہوتا ہے۔

ایک وقت ایسا آتا ہے کہ فسق و فجور میں غرق معاشرے کے اندر کسی کے لئے دین کا دامن تھامنا بعینہ اس طرح ہوتا ہے جیسا کہ کوئی جلتے ہوئے انگارے کو ہاتھ میں پکڑے۔ دین، فضیلت، اعلیٰ اقدار قابل شرف کاموں، غرض ہر پاک و صاف چیز سے لوگ دور بھاگتے ہیں۔ تمام لوگ ایک مؤمن کو دیکھ کر مذاق کرتے ہیں، ہنستے ہیں اور اس کے موقف اور اس کی اقدار سے تمسخر کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود بھی وہ ہمت نہیں ہارتا اور پریشان نہیں ہوتا۔ وہ ان مسخروں، مذاق کرنے والوں اور ہنسنے والوں کو بلندی سے دیکھتا ہے اور وہی جواب دیتا ہے جو اس راہ کی راہیوں میں سے ایک نے آج سے صدیوں قبل دہرایا تھا یعنی حضرت نوح علیہ السلام نے:

اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ (ھود: ۳۸)

اگر تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو تو ہم بھی تمہارا مذاق اسی طرح اڑاتے ہیں۔ جیسا کہ تم اُڑاتے ہو۔

اس روشن قافلے اور اس بدبخت قافلے دونوں کے انجام اس کی نظر میں ہوتے ہیں۔ جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ۔ (المطففین ۲۹ تا ۳۶)

"جو گناہگار ہیں وہ مؤمنوں سے ہنسی کیا کرتے تھے اور جب ان کے پاس سے گذرتے تو حقارت سے اشارے کرتے اور جب اپنے گھر کو لوٹتے تو اترانتے ہوئے لوٹتے اور جب مومنوں کو دیکھتے تو کہتے کہ یہ تو گمراہ ہیں حالانکہ وہ ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے تو آج مؤمن کافروں سے ہنسی کریں گے۔ تختوں پر بیٹھے ہوئے دیکھ رہے ہوں گے کہ کیا کافروں کو ان کے عملوں کا پورا پورا بدلہ مل گیا۔"

قرآن کریم نے بہت پہلے کفار کا یہ قول نقل کیا ہے کہ :

وَ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْھِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ خَیْرٌ مَّقَامًا وَّ اَحْسَنُ نَدِیًّا (مریم ۷۳)

"اور ان لوگوں کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو جو لوگ کافر ہیں وہ مؤمنو سے کہتے ہیں کہ دونوں فریقوں میں سے مکان کس کے اچھے ہیں اور مجلسیں کس کی بہتر ہیں۔"

کفار کا سوال یہ تھا کہ کونسا فریق معزز ہے؟ وہ کبراء جو محمد پر ایمان نہیں لائے یا وہ فقراء جو آپ کے ارد گرد جمع ہو گئے ہیں، نضر بن حارث، عمرو بن ہشام، ولید بن مغیرہ اور ابوسفیان بن حرب جیسے لوگ معزز ہیں یا بلال حبشی، صہیب رومی اور خباب بن الارت جیسے لوگ؟ اگر محمد اور جو پیغام لے کر وہ آئے ہیں بہتر ہوتے تو کیا ان کے ارد گرد ایسے لوگ جمع ہوتے کہ جن کا قریش میں نہ کوئی مقام ہے نہ طاقت ہے، ایسے لوگ اس کے ارد گرد جمع ہو گئے ہیں۔ اور یہ لوگ ایک معمولی گھر بیت الارقم میں جمع ہوتے ہیں اور مخالفین کا عالم یہ ہے کہ وہ کھلکر دارالندوہ میں جمع ہوتے ہیں اور جو سب کے سب عزت و مرتبہ اور جاہ و اقتدار کے مالک ہیں۔ یہ ان لوگوں کی ذہنیت ہے جو ہر دور میں بلند نظری سے محروم ہوا کرتے ہیں۔ اللہ کی یہ حکمت رہی ہے کہ ایک نظریہ اور عقیدہ ہر قسم کی زیب و زینت، ملع کاری اور سحر نظر سے پاک رہے۔ اس کا رشتہ کسی حاکم سے نہ ہو، وہ کسی قوت کا سہارا نہ لے، وہ کس قسم کی لذتیت سے بھی فائدہ نہ اٹھائے، گھٹیا درجے کے جذبات کو نہ ابھارے، بلکہ جہد و مشقت اور کشمکش اور شہادت

کے بل بوتے پر آگے بڑھے، جو چاہے اُسے قبول کرے اور یہ قبولیت ذاتی یقین پر مبنی ہو اور قبول کرنے والا خالصتہً اللہ کے لئے اُسے قبول کرے اور کوئی اور جذبہ اس کی تہ میں کارفرما نہ ہو۔ نہ ہی رضائے الٰہی کے سوا اس کا کوئی اور محرک ہو۔ نیز جو چاہے اُسے چھوڑ دے اور دنیاء کی نفع اندوزی اور زیب و زینت حاصل کرے اور جو دولت جمع کرنا چاہتا ہے اور مال و متاع کا لالچی ہے وہ اپنی راہ لے اور جس کی نظروں میں لوگوں کے مقبول عام معیا ہوں وہ انہیں اپنائے اگرچہ اللہ کے ہاں ان کا کوئی وزن نہ ہوگا۔

غرض مومن اپنے تصورات اقدار حیات، دوسرے لوگوں سے اخذ نہیں کرتا تاکہ وہ لوگوں کے انجاموں کو دیکھ کر پریشان ہو جائے بلکہ وہ سب کچھ رب الناس سے لیتا ہے۔ وہی اُس کے لئے کافی ہے۔ وکفی باللہ وکیلا۔ وہ اپنی قدریں دنیاوی شہوات اور لذات سے بھی اخذ نہیں کرتا بلکہ وہ اللہ کے قائم کردہ معیار حیات کا مطیع اور پیرو ہے۔ یہ ایسا معیار ہے جو ہر وقت معتدل رہتا ہے اور کسی وقت بھی عدم توازن کا شکار نہیں ہوتا۔ غرض مؤمن کے لئے ہادی اور اس کا مرشد اس فانی دنیا کی کوئی چیز نہیں ہوتی بلکہ وہ سب کچھ واجب الوجود سے اخذ کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ ایک مؤمن کسی وقت بھی مایوس نہیں ہوتا ہمت نہیں ہارتا۔ کمزوری کو اپنے پاس نہیں آنے دیتا اور نہ ہی پریشان ہوتا ہے کیونکہ اس کا تعلق رب الناس، اور ملک الناس سے ہوتا ہے اور وہ اس کائنات کے اصل سبب وجود سے جڑا ہوا ہوتا ہے۔

پھر صرف مؤمن ہی حق پر ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ حق ایک ہے اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ باطل ہے اور ضلالت ہے۔ اکثر اوقات ضلالت پر شوکت ہوتی ہے اس کی پشت پر طاقت ہوتی ہے بڑے بڑے جتھوں اور جمہور کی تائید اُسے حاصل ہوتی ہے۔ لیکن ان سب چیزوں کے باوجود ضلالت حق کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتی غرض مؤمن حق پہ ہوتا ہے اور دنیا ضلالت پر ہوتی ہے، وہ اپنے رب کا دامن تھامے ہوئے ہوتا ہے اور دنیا بے حقیقت خداؤں کا دامن تھامے ہوئے ہوتی ہے۔

Marfat.com

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هدیتنا وهب لنا من لدنک رحمة انک انت الوهاب
ربنا انک جامع الناس لیوم لا ریب فیه ان اللہ لا یخلف المیعاد۔

Marfat.com

قرآن مجید کے پیشِ نظر کچھ ایسے قلوب تیار کرنا تھا، جو اس عظیم بوجھ کو اٹھانے کے قابل ہوں۔ ان دلوں کو اس قدر پاکیزہ کرنا مطلوب تھا کہ وہ اپنا سب کچھ قربان کرتے ہوئے، اور بے حد و حساب مصائب برداشت کرتے ہوئے، بھی اس دنیائے فانی کی کسی چیز کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھیں۔ ان کا مطمع نظر صرف آخرت ہو، صرف رضائے الٰہی ان کا مطلوب ہو ــــ اور ان کی ایسی تربیت ہو کہ وہ اس دنیاوی زندگی کے مرحلے کو اسلامی نظام زندگی کے مطابق، ہر قسم کے مصائب، محرومیوں، حتیٰ کہ اپنی زندگی تک کی قیمت پر طے کرنے کا عزم صمیم رکھتے ہوں۔

یہ ہے طریق کار

Marfat.com

یہ ہے طریق کار

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ۔ قُتِلَ أَصْحَابُ الْأُخْدُوْدِ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ۔ إِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ وَهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ۔ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ۔ إِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ۔ إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ۔ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ۔ إِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ (بروج تا آیت ۱۶)

"آسمان کی قسم جس میں برج ہیں اور اس دن کی جس کا وعدہ ہے اور حاضر ہونے والے اور جو اس کے پاس حاضر کیا جائے کہ خندقوں کے کھودنے والے ہلاک کر دیئے گئے یعنی آگ کی خندقیں جن میں ایندھن جھونک رکھا تھا۔ جب کہ وہ ان کے کناروں پہ بیٹھے ہوئے تھے۔ اور جو سختیاں اہل ایمان پہ کر رہے تھے ان کو سامنے دیکھ رہے تھے۔ ان کو مؤمنین کی یہی بات بری لگتی تھی کہ وہ خدا پر ایمان لائے ہوئے تھے جو غالب اور قابل ستائش ہے۔ جس کی آسمانوں اور زمینوں پر بادشاہت ہے اور خدا ہر چیز سے واقف ہے۔ جن لوگوں نے مؤمن مرد اور مومن عورتوں کو تکلیفیں دیں اور توبہ نہ کی ان کو دوزخ کا عذاب بھی ہوگا اور جلنے کا عذاب بھی اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔ بے شک تمہارے پروردگار کی پکڑ بہت شدید ہے۔ وہی پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے وہی دوبارہ زندہ کرے گا۔ وہ

Marfat.com

بخشنے والا اور محبت کرنے والا ہے۔ عرش کا مالک بڑی شان والا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔"

ایک سچے مؤمن کا کردار

اصحاب الاخدود کا قصہ، جس کی تفصیل سورۂ البروج میں آئی ہے، نہایت عبرت آموز واقعہ ہے اہل ایمان کو بالعموم اور ان میں سے دعوت اسلامی کے کارکنوں کو بالخصوص اس پر نہایت ٹھنڈے دل سے غور و فکر کرنا چاہیئے۔ تحریک اسلامی جہاں بھی برپا ہو، اس کے لئے اس قصے میں بڑی عبرت ہے۔ جس اسلوب میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے اور اس کے لئے جو مقدمات قائم کئے گئے ہیں اور ان سے جو نتائج اخذ کئے گئے ہیں، اور ان کے ساتھ ساتھ تحریک اسلامی کے کارکنوں کو جو ہدایات دی گئی ہیں ان سب سے قرآن کریم کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو دعوت اسلامی کے مزاج کا گہرا اور وسیع تصور دلایا جائے۔ کارکنوں کو یہ بتایا جائے کہ یہ جد و جہد کس قدر ہمہ گیر اور طویل ہے اور یہ کہ اس کے دوران کارکنوں کو کیا کیا مشکلات پیش آسکتی ہیں۔ یہ بھی بتانا مقصود تھا کہ یہ جد و جہد پورے کرۂ ارض سے وسیع تر میدان میں ہوگی اور زندگی بھر کرنا ہوگی۔ غرض نشانہائے راہ کا تعین مطلوب تھا اور اہل ایمان کو ان تمام متوقع مشکلات کے لئے تیار کرنا درکار تھا، جو پردۂ غیب میں مستور تھیں اور جنہیں حکمت الٰہی کے مطابق دست قدرت نے ظاہر کرنا تھا۔

اصحاب الاخدود کا واقعہ ایک ایسی جماعت کی داستانِ خونچکاں ہے جو اپنے پروردگار پر ایمان لا چکی تھی، اور اس کے بعد اس نے اس روشنی کو پھیلانا شروع کر دیا تھا۔ انہیں اپنی تحریک کی مزاحمت میں ایسے دشمنوں سے واسطہ پڑا جو بڑے جابر اور ظالم تھے۔ وہ انسانی حریت جیسے بنیادی حق کے بھی روادار نہ تھے۔ ان کے نزدیک کسی کو یہ حق نہ تھا کہ وہ سچائی کو قبول کرے اور صرف ایک خدائے برتر پر ایمان لائے۔ ان کے ہاں نفس انسانی کا اس قدر احترام بھی نہ تھا جس قدر ایک حیوان کا ہوتا ہے۔ وہ بطور تفریح انسانوں کو عذاب میں مبتلا کرتے تھے اور زندہ جانوں کو آگ میں جلتا ہوا دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔

مؤمنین کے جو کردار یہاں پیش کئے گئے ہیں ان کے دل ایمان سے سرشار ہیں۔

Marfat.com

ان پر آزمائش آتی ہے اور وہ اس میں پورے اترتے ہیں۔ نظریات کو زندگی پر ترجیح دی جاتی ہے۔ ایمان باغیوں اور سرکشوں کے سامنے مضبوطی سے جم جاتا ہے اور آخر دم تک ہتھیار نہیں ڈالتا، جسم آگ میں جل رہے ہیں لیکن روح کو ایمان اور راہ حق سے نہ بھٹکایا جا سکا۔

یہ کیونکر ہو سکا۔ اس لئے کہ یہ پاک روحیں عمر دراز کی خواہش سے پاک ہو گئی تھیں۔ اس لئے بقا کی محبت انہیں ذلیل و خوار زندگی بسر کرنے پر آمادہ نہ کر سکی۔ حالانکہ وہ خود دیکھ رہے تھے کہ عنقریب انہیں دردناک انجام سے دوچار ہونا ہے۔ ان کی موت ان کی آنکھوں کے سامنے تھی لیکن وہ اس دنیا اور اس کی دلکشیوں سے آزاد ہو چکے تھے۔ ان کا عقیدہ ان کی زندگی سے برتری حاصل کر چکا تھا۔ اس لئے انہوں نے خواہشات نفسانیہ پر پوری طرح قابو پا لیا تھا۔

تحریک اسلامی کے دشمنوں کا کردار

اب ذرا غور کیجیئے کہ ان مؤمنین، برگزیدہ اور اونچے درجے کی قابل احترام ہستیوں کا مقابلہ کس قدر شریر، مجرم اور پست فطرت منکر حق لوگوں سے تھا۔ یہ بدکردار لوگ آگ کے گڑھوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور ان پاکیزہ نفوس کی تعذیب کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ یہ لوگ گڑھوں کے دہانوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور بڑی بے نیازی سے اس دردناک منظر کو دیکھ رہے تھے۔ ان آنکھوں کے سامنے آگ کے شعلے بے قصور جانوں کو کھا رہے تھے، یہ شریف النفس ہستیاں آگ کا ایندھن بن رہی تھیں۔ راکھ کا ڈھیر بن رہی تھیں جب بھی اس آگ میں ان شریف النفس مؤمنین میں سے کسی شیرخوار یا بوڑھے اور ضعیفہ یا نوجوان اور دوشیزہ کو لا کر ڈالا جاتا تھا۔ تو ان سرکش اور متمرد نفوس کے اندر گھٹیا درجے کی مسرّت جوش مارتی تھی اور تمرد و سرکشی اور کج خلقی اور پست فطرتی کا یہ جنون انسانی خون اور بدن انسانی کے اعضا سے کھیلنے لگتا تھا۔

گندگی کے اس گڑھے میں یہ متمرد طاقتیں سر کے بل گریں، انہوں نے اپنے آپ کو اس گندگی سے خوب ملوث کیا، ان کی فطرت ہی بدل گئی اور اس سنگدلانہ اور خوفناک تعذیب

Marfat.com

کے مناظر دیکھ کر وہ لذت حاصل کرنے لگے، اس طرح وہ خساست اور بربریت کی ان پستیوں تک جا گرے جہاں تک کبھی کوئی جانور بھی نہ پہنچ سکا۔ بے شک درندے بھی شکار کرتے ہیں مگر ان کا مقصد صرف پیٹ بھرنا ہوتا ہے وہ بھی شکار کو رنج والم اور درد وکرب میں مبتلا کر کے لطف اندوز نہیں ہوتے وہ صرف شکار کرنا چاہتے ہیں اور کر لیتے ہیں۔

لیکن دعوت اسلامی کے دشمنوں کے اس پست کردار کے مقابلے میں ذرا ایک مومن کی شان دیکھئے کہ اس کی روح بلند ہو جاتی ہے وہ اتنی بلندی اور مقام شرف تک جا پہنچتی ہے جس پر تمام صحیح الفطرت معاشرے ابد الآباد تک فخر کرتے ہیں۔

بظاہر شکست اور درحقیقت فتح

دنیاوی نقطۂ نظر سے حق و باطل کے اس معرکے کے بارے میں یہی فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ کفر نے ایمان پر فتح پائی اور ان ثابت قدم، شریف النفس اور بلند کردار مومنین اور انتہائی بلندیوں تک پہنچ جانے والے "ایمان" کو بظاہر شکست ہوئی اور دنیاوی نقطۂ نظر رکھنے والوں نے انہیں کچھ بھی نہ سمجھا۔ پھر جس طرح قرآن خاموش ہے اسی طرح روایات بھی خاموش ہیں کہ آیا بعد کے ادوار میں بھی ان سرکشوں اور متمردین کو اپنے اس شنیع جرم کے پاداش میں سزا ملی یا نہ جب کہ تاریخ انسانیت میں دوسری متمرد اقوام کے انجام ہمارے سامنے ہیں۔ قوم نوح، قوم ہود، قوم صالح، قوم شعیب اور قوم لوط علیہم السلام کا انجام ہمارے سامنے ہے یا جس طرح فرعون اور اس کے لاؤ ولشکر کا انجام تاریخ کے اوراق میں ثبت ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ چشم ظاہر بین کے حساب میں یہ واقعہ ایک نہایت دردناک اور مہیب ٹریجیڈی ہے۔

لیکن یہاں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ معاملہ بس یہاں ہی کا تھا اور یہاں ہی ختم ہو گیا۔ اس دنیا سے مومنین کا یہ بلند کردار گروہ یوں ہی چلا جائے گا جن کا ایمان اپنی انتہائی بلندیوں تک پہنچا ہوا تھا، کیا بغیر کسی دادرسی کے یہ پاکیزہ گروہ اس دنیا سے رخصت ہو جائے گا آگ کے گڑھوں میں دردناک مصائب لئے ہوئے اور پھر دوسری طرف یہ سرکش اور متمرد ٹولہ۔ اپنے آپ کو اس قابل نفرت اور

حقیر ایذارسانی میں ملوث کئے ہوئے، یوں ہی اس دنیا سے بغیر کسی پاداش کے چلا جائے گا۔ اور اس سے اس پر کوئی باز پرس نہ ہوگی؟

جو لوگ محض دنیاوی پیمانوں سے واقعات کو ناپتے ہیں یا جو لوگ محض دنیاوی نقطۂ نظر سے سوچتے ہیں وہ بھی اس دردناک انجام کو دیکھ کر اپنے دل میں ایک خلش سی محسوس کرتے ہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس واقعہ کو بیان کر کے قرآن کریم مؤمنین کو ایک دوسری ہی حقیقت سے روشناس کرانا چاہتا ہے ان کے سامنے ایک دوسری دنیا کے دروازے کھولے جا رہے ہیں۔ انہیں ایسی اقدار دی جا رہی ہیں جن پر وہ اپنی پوری زندگی کے ہر کام کو پرکھیں۔ قرآن کریم کا مقصد یہ ہے کہ وہ انہیں تحریک اسلامی کے انقلابی عمل میں پیش آنے والے مراحل میں سے ایک مخصوص مرحلے کی ایک جھلک دکھا دے۔

اللہ کے ہاں یہ زندگی اپنے پورے مصائب اور آلام کے ساتھ اپنی پوری کامیابیوں اور نامرادیوں کے ساتھ حقیقت سنجی کے ترازو میں کوئی بڑی حیثیت نہیں رکھتی۔ یہ وہ ساز و سامان نہیں ہے جس پر اصل سود و زیاں کا دار و مدار ہو۔ اللہ کے ہاں فتح و کامیابی کا میدان وسیع تر ہے وہ اس دنیا میں ظاہری فتح و کامرانی تک ہی محدود نہیں ہے۔ کامیابی کی مختلف صورتوں میں سے یہ تو ایک ادنیٰ ترین صورت ہے۔ اللہ کے ترازو میں زیادہ وزن نظریۂ حیات اور اس پر ایمان کا ہے۔ ایمان کا سامان ہی وہاں نفع بخش ہے۔ اس بازار میں کامیابی اور نفع اندوزی کی بلند ترین شکل یہ ہے کہ روح کو مادے پر غلبہ حاصل ہو، آئیڈیالوجی کو جسمانی اذیت اور روحانی رنج و الم پر برتری حاصل ہو اور نظریۂ حیات ہر قسم کے مصائب و شدائد پر غالب آ جائے۔ اسی مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے اصحاب الاخدود کے اس واقعے کو یہاں بیان فرمایا ہے۔ مقصود یہ بتانا ہے کہ مؤمنین صادقین کی بلند روحانیت کس طرح جسمانی اذیت اور روحانی خوف پہ غالب ہوئی۔ کس طرح وہ اس زندگی اور اس کی دلفریبیوں سے بے نیاز ہو گئے۔ قرآن کا منشا یہ ہے کہ ان مؤمنین نے مصائب اور آزمائشوں پر کس شان سے غلبہ پایا۔ یہی وہ بلندی ہے جو آج بھی پوری انسانیت کے لئے باعث

Marfat.com

عز و شرف ہے۔ یہ ہے حقیقی کامیابی، اسلامی نقطۂ نظر سے۔

یہ دنیا آنی جانی ہے۔ یہاں کوئی آتا ہے اور کوئی جاتا ہے۔ موت کے اسباب مختلف ہوتے ہیں۔ لیکن تمام مرنے والوں میں سے کسی ایک نے بھی وہ سربلندی حاصل نہیں کی جو ان لوگوں نے حاصل کی۔ کون ہے جو ان بلندیوں تک پہنچ سکے جہاں تک یہ لوگ پہنچے کسی کے بس میں یہ نہیں ہے جو وہ آزادی حاصل کر سکے جو انہوں نے کی۔ ہر کہہ ومہ کا یہ مقام نہیں ہے کہ وہ اس طرح، آگ کی چنگاری کی سی تیزی سے، پورے آفاق میں پھیل جائے۔ یہ تو اللہ کا خاص انتخاب تھا۔ اپنے بندوں میں سے اللہ جسے چاہتا ہے ممتاز کر کے اپنے اس خاص اعزاز کے لئے منتخب کر لیتا ہے اور یہ اعزاز پانے والے تمام دوسرے انسانوں کے ساتھ نفس موت میں شریک ہونے کے باوجود عزت و شرف کے اس بلند مقام پر فائز ہوتے جہاں تک دوسروں کو رسائی حاصل نہیں ہوتی۔ ان کی یہ بلندی ملا اعلیٰ پر بھی ہوتی ہے اور اس دنیا والوں میں بھی ہوتی ہے۔ اگر پوری انسانیت کی تاریخ ہمارے پیش نظر ہو، تو کسی شک و شبہ کے بغیر یہ بات ایک حقیقت نظر آئے۔

اس واقعہ میں ہمارے لئے قابل غور بات یہ ہے کہ یہ بات ان مؤمنین صادقین کی استطاعت میں بھی کہ وہ ایمان کی شکست گوارا کر لیتے اور اپنی مادی زندگی کو بچا کر لے جاتے۔ اگر وہ ایسا کرتے تو سوچیئے کہ کس قدر عظیم الشان خسارہ ہوتا یہ پوری انسانیت کے لئے اور پھر خود ان کی ذات کے لئے۔ اس خسارے کا اندازہ کیجئے کہ جب وہ اپنی زندگی کی اعلیٰ اقدار کو ختم کر دیتے اور بے مقصد زندگی بسر کرنے لگتے تو یہ زندگی گھٹیا درجے کی زندگی ہوتی، تلخ زندگی، جس میں روح و فکر آزادی سے محروم ہو جاتے اور جسموں پر قابو پانے کے بعد یہ طاغوتی طاقتیں آہستہ آہستہ ان کی روح پر بھی قابض ہو جاتیں۔ اس کے برعکس جو رویہ ان حضرات نے اختیار کیا اس میں یہ عظیم الشان مقصد کامیاب رہا اگرچہ ان حضرات کو عظیم قربانی دینی پڑی۔ بے گناہوں کو آگ میں جلایا گیا اور اس عظیم قربانی کے بعد حق کو کامیابی حاصل ہوئی۔

ان سب واقعات سے صرف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حق و باطل کی کشمکش کا میدان

Marfat.com

صرف دنیا ہی نہیں ہے ۔ آخری فیصلہ صرف زمین پر ہی نہ ہوگا۔ حق و باطل کی اس کشمکش میں صرف اہل زمین ہی شریک نہیں ہیں بلکہ عالم بالا بھی زمین کے ان تمام واقعات پر کڑی نظر رکھے ہوئے ہے، وہ گواہ ہے اور اس جہاں میں رونما ہونے والے واقعات و حوادث کو صرف دنیوی نگاہ سے نہیں دیکھتا، اس کی سلطنت میں اعمال کچھ دوسرے پیمانوں ہی سے ناپے جاتے ہیں۔ نفوس قدسیہ کے ساتھ عالم بالا کا جو تعلق اور ربط ہوتا ہے وہ ان روابط و تعلقات سے کہیں مضبوط ہوتا ہے جو اس دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ نیز اس میں شبہ نہیں کہ عالم بالا کی تحسین و آفرین اس پوری دنیا کی تعریف و توصیف سے لاکھ گنا افضل ہے۔ غرض اس دنیا کے بعد جہانِ آخرت بھی آنے والا ہے اور وہیں تمام اعمال کے آخری فیصلے ہونے والے ہیں، اس لئے یہ نہ سمجھا جائے کہ شاید ان حضرات کا اسی دنیا میں فیصلہ ہو چکا۔ آخری فیصلہ تو ابھی ہونا ہے۔ اس دنیا میں واقعات و حوادث پر جو فیصلے ہوتے ہیں۔ وہ ان معاملات کے ایک محدود اور حقیر پہلو پر ہوتے ہیں۔

دنیا پرستوں کا جائزہ اور فیصلہ تنگ نظری اور کوتاہ بینی پر مبنی ہے اور دوسرا نقطۂ نظر وسیع النظری پر مبنی ہے اور حقیقت پسندانہ ہے، کیونکہ یہی نقطۂ نظر ایمان صحیح کے لئے اساس بنتا ہے۔ آپ دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے طمانیت قلب کا وعدہ صرف ان لوگوں سے کیا ہے جو ابتلا میں ثابت قدم رہیں اور مشکلات کو انگیز کریں فرماتے ہیں:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ (رعد : ۲۸)

ایسے لوگ ہیں وہ جنہوں نے نبی کی دعوت کو مان لیا اور ان کے دلوں کو اللہ کی یاد سے اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ خبردار رہو کہ اللہ کی یاد ہی وہ چیز ہے جس سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوا کرتا ہے۔

ایک دوسری جگہ اس کا اجر رضائے الٰہی اور محبت الٰہی قرار دیا گیا ہے

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (مریم ۹۶)

Marfat.com

"یقیناً جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور عمل صالح کر رہے ہیں عنقریب رحمان ان کے لئے دلوں میں محبت پیدا کر دے گا۔"

عالم بالا میں ایسے لوگوں کا ذکر خیر ہوتا ہے۔ حضور فرماتے ہیں: "جب اللہ کے کسی بندے کا بیٹا فوت ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کہتے ہیں: "تم نے میرے بندے کے بیٹے کی روح قبض کر لی؟" کہتے ہیں: "ہاں"۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "تو پھر تم نے اس کے دل کا پھل لے لیا؟" تو وہ کہتے ہیں: "ہاں" اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "تو پھر میرے بندے نے کیا کہا؟" وہ جواب دیتے ہیں: "اس نے آپ کی تعریف کی اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا" تو اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں اس کے لئے جنت میں ایک گھر تعمیر کر دو اور اس کا نام بیت الحمد رکھو"

ایک دوسری حدیث میں حضور فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندے کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتا ہوں جیسا وہ میرے بارے میں گمان رکھتا ہے اور جب بھی وہ مجھے یاد کرتا ہے میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اگر وہ مجھے دل میں یاد کرے تو میں بھی اُسے تنہائی میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھے لوگوں کے درمیان یاد کرے تو میں اُسے ان لوگوں سے اچھے لوگوں میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ ایک بالشت میرے قریب آئے تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب آتا ہوں اور اگر وہ ایک ہاتھ میرے قریب آئے تو میں دو ہاتھ اس کے قریب آتا ہوں۔ اگر وہ چل کر میرے پاس آئے تو میں دوڑ کر اس کے پاس آتا ہوں"۔

عالم بالا زمین کے اندر مسلمانوں کے امور میں دلچسپی لیتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ (غافر ۷)

عرش الٰہی کے حامل فرشتے اور وہ جو عرش کے گرد و پیش حاضر رہتے ہیں سب اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کر رہے ہیں وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان لانے والوں

Marfat.com

کے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں "اے ہمارے رب تو اپنی رحمت اور اپنے علم کے ساتھ ہر چیز پر چھایا ہوا ہے پس معاف کر دے اور عذاب دوزخ سے بچا لے ان لوگوں کو جنہوں نے توبہ کی اور تیرا راستہ اختیار کر لیا ہے۔

اور شہداء اللہ کے ہاں زندہ رہتے ہیں۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ

(آل عمران تا ۱۷۱)

"جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں انہیں مردہ نہ سمجھو وہ تو حقیقت میں زندہ ہیں۔ اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں، جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے اس پر خوش و خرم ہیں اور مطمئن ہیں کہ جو اہل ایمان ان کے پیچھے دنیا میں رہ گئے ہیں اور ابھی وہاں نہیں پہنچے ہیں ان کے لئے کسی خوف و رنج کا موقع نہیں ہے۔ وہ اللہ کے انعام اور اس کے فضل پر شاداں و فرحاں ہیں اور ان کو معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔"

اللہ تعالیٰ نے بار بار یہ وعدہ فرمایا کہ وہ ظالم اور سرکشوں کو آخرت میں سزا دے گا اور اس دنیا میں ایک وقت تک انہیں مہلت دی جائے گی۔ اگرچہ بعض اوقات انہیں یہاں بھی کچھ سزا دی جائے گی لیکن سزا کا بڑا حصہ انہیں عالم آخرت ہی میں ملے گی:

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ (آل عمران ۱۹۷)

"اے نبی دنیا کے ملکوں میں خدا کے نافرمانوں کی چلت پھرت تمہیں کسی دھوکے میں نہ ڈال دے۔ یہ محض چند روزہ زندگی کا تھوڑا سا لطف ہے۔ یہ سب جہنم میں جائیں گے جو بدترین جائے قرار ہے۔"

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ

Marfat.com

مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَاَفْئِدَتُهُمْ هَوَاۗءٌ

(ابراہیم ۴۲، ۴۳)

"اب یہ ظالم لوگ جو کچھ کر رہے ہیں، اللہ کو تم اس سے غافل نہ سمجھو اللہ تو انہیں ٹال رہا ہے اس دن کے لئے جب حال یہ ہوگا کہ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی ہیں، سر اٹھائے بھاگے چلے جا رہے ہیں۔ نظریں اوپر جمی ہوئی ہیں اور دل اڑے جاتے ہیں۔"

فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ۝ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ۝ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۝ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ

(المعارج ۴۲، ۴۴)

"تو اے پیغمبر انہیں باطل میں پڑے رہنے دو اور کھیل لینے دو یہاں تک کہ جس دن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے وہ ان کے سامنے آ موجود ہو۔ اس دن یہ قبروں سے نکل کر دوڑیں گے۔ جیسے شکاری شکار کے جال کی طرف دوڑتے ہیں۔ ان کی آنکھیں جھک رہی ہوں گی اور ذلت ان پر چھائی ہوئی یہی وہ دن ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔"

اس طرز فکر سے لوگوں کی زندگی کا ربط ملاء اعلیٰ سے قائم ہو جاتا ہے، دنیا اور آخرت باہم مل جاتے ہیں اور خیر و شر، ایمان و کفر اور حق و باطل کی یہ کشمکش صرف دنیا تک ہی محدود نہیں رہتی اور نہ ہی آخری فیصلے کا مقام یہ دنیا ہوتی ہے۔ اس نقطۂ نظر کے مطابق چند روزہ دنیاوی زندگی، اس کی لذتیں اور مسرتیں ایک مؤمن کی نظر میں کچھ وقعت نہیں رکھتی ہیں۔

اس طرز فکر کے مطابق زمان و مکاں کا دائرہ نہایت وسیع ہو جاتا ہے۔ اقدار حیات اور مقاصد بلند ہو جاتے ہیں۔ ایک مؤمن کا ظرف نہایت وسیع ہو جاتا ہے۔ اس کے مقاصد نہایت اونچے ہوتے ہیں۔ دنیا اور اس کی تمام چیزیں یہ زندگی اور اس کے تمام لوازمات ایک حقیر چیز قرار پاتے ہیں اور مؤمن اپنے ظرف اور اپنی وسعت نظر کے مطابق صاحب عظمت ہو جاتا ہے۔ اصحاب الاخدود کا یہ قصہ ایسی طرز فکر پیدا کرنے میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

Marfat.com

ایک دوسرے پہلو سے بھی یہ سورت اور یہ قصہ دعوت اسلامی پر ضوفگن ہوتا ہے۔ اس سے ایک داعی کا موقف اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے۔ کیونکہ دعوت اسلامی کی تاریخ میں مختلف مثالیں موجود ہیں دعوتوں اور تحریکوں کے مختلف انجام ہمارے سامنے ہیں قوم نوح، قوم ہود، قوم شعیب اور قوم لوط کا انجام بھی ہمارے سامنے ہے کہ قلیل التعداد مؤمنین کو نجات مل جاتی ہے۔ اس کے بعد قرآن کریم اس بات کی وضاحت نہیں کرتا کہ ان لوگوں نے کیا کیا کارنامے انجام دیئے۔ البتہ ان واقعات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اپنے باغیوں کو کبھی کبھی اس دنیا میں بھی عذاب کا مزہ چکھا دیتا ہے اگرچہ اصل عذاب انہیں آخرت میں ملے گا۔

تاریخ نے قوم فرعون اور اس کے لاؤ لشکر کی تباہی کے مناظر بھی دیکھے ہیں۔ حضرت موسیٰ اور آپ کی قوم کو کامیابیاں نصیب ہوئیں۔ اس قوم کو دنیا میں زبردست عروج نصیب ہوا۔ اپنے دور میں یہ اقوام عالم کے مہذب ترین لوگ رہے ہیں۔ اگرچہ کامل استقامت سے یہ لوگ فروتر ہی رہے اور پوری کائنات میں اللہ کے تجویز کردہ نظام زندگی کو نافذ نہ کر سکے۔ غرض یہ بھی ایک تاریخی مثال ہے۔

پھر وہ تاریخی دور آتا کہ مشرکین مکہ مسلمانوں کے مقابلے میں شکست کھاتے ہیں اور مسلمان مکمل طور پر فتح یاب ہو جاتے ہیں۔ اور ان کے دل و دماغ پر اسلامی نظریۂ حیات چھا جاتا ہے اور دنیا دیکھتی ہے کہ اسلامی نظام زندگی ہر طرف غالب آجاتا ہے۔ وہی غالب اور نافذ ہے اور اس شان سے کہ نہ اس سے قبل کبھی ایسا ہو سکا تھا اور نہ بعد میں آج تک ہوا ہے۔

غرض اس سے پہلے اور اس کے بعد آج تک دعوت اسلامی کی تاریخ میں چھوٹے بڑے نمونے موجود رہے ہیں۔ اگرچہ ان سے اکثر تاریخ کے صفحات پر ثبت نہیں ہو سکتے لیکن اسلامی تاریخ کے ہر دور میں حق و باطل کی کشمکش موجود رہی ہے

اس قصے کی اہمیت

اصحاب الاخدود کے واقعے کا بیان اس لئے بھی ضروری تھا کہ ایک داعی نجات اخروی اور فلاح دینوی کے واقعات کے ساتھ ساتھ تصویر کا دوسرا رخ بھی دیکھ لے۔ ہو سکتا

Marfat.com

ہے کہ انہیں شکست ہو اور اہل جاہلیت کو اس دنیا میں کھلی مہلت مل جائے اور وہ دندناتے پھریں۔ کیونکہ کامیابی اور ناکامی صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے اور مومنین اور داعیوں کا کام صرف یہ ہے کہ وہ اس پیغام کو پہنچا دیں وہ اپنے فرائض ادا کرتے رہیں وہ اللہ کا دامن تھام لیں اور زندگی پر نجات اخروی کو ترجیح دیں اور اپنے ایمان اور نظریۂ حیات کی قوت کے بل بوتے پر تمام آزمائشوں پر غالب آ جائیں اپنے عمل اور اپنے یقین وارادہ دونوں میں اللہ کی تصدیق کریں۔ غرض وہ پورے طور پر اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیں اور یہ بات اللہ پر چھوڑ دیں کہ وہ اپنی دعوت اور اس کے دشمنوں کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے تاریخ انسانیت کے مشہور و معروف انجاموں میں سے ان کے لئے کونسا انجام منتخب کرتا ہے۔ کیونکہ ایک مؤمن کی حیثیت تو اللہ کے مزدور اور غلام کی سی ہے۔ اللہ جس طرح چاہے اور جہاں چاہے ان سے کام لے۔ ان کا فرض ہے کہ وہ کام کریں اور اپنی متقررہ اجرت لیں یہ ذمہ داری ان کی ہے ہی نہیں کہ دعوت اسلامی کا انجام کیا ہوتا ہے یہ تو اس ذات کا کام ہے جو ہم مزدوروں سے کام لیتی ہے۔

اس مزدوری کی اُجرت کی پہلی قسط یہ ہے کہ ایک تو مؤمنین کو اطمینان قلب نصیب ہوگا۔ اُن کا نصب العین سب سے بلند ہوگا۔ ان کا شعور سب سے بلند ہوگا۔ ان کے تصور زندگی میں ایک طرح کا حسن ہوگا۔ خوف و قلق دنیاوی رکاوٹوں اور مختلف کھینچا تانیوں سے انہیں نجات مل جائے گی اور وہ دنیا میں ہوتے ہوئے بھی دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو جائیں گے۔

اس مزدوری پر اُجرت کی دوسری قسط یہ ہوگی کہ ملاء اعلیٰ میں ان کا ذکر خیر ہوگا جبکہ وہ ابھی اسی حقیر سرزمین پر ہوں گے۔

اس مزدوری کی تیسری قسط انہیں آخرت میں ملے گی۔ بسہولت تمام جلد از جلد ان کا حساب چکا دیا جائے گا۔ اور ان مزدوروں کو اپنی مزدوری کی جو سب سے بڑی قسط ملے گی وہ رِضْوَانٌ مِنَ اللّٰہِ کی قسط ہوگی۔ اللہ ان سے راضی ہوگا یہ اللہ سے راضی ہوں گے۔

غرض مؤمنین اللہ کی تقدیر ہوتے ہیں۔ اس کی قدرت کے مظاہر ہوتے ہیں۔ یہ

Marfat.com

اللہ کے آلۂ کار ہوتے ہیں اور وہ جہاں اور جس طرح چاہتا ہے اپنی زمین میں ان سے کام لیتا ہے۔

دوراول کے مزدور قرآن کریم نے اسی منہج پر دوراول کے مسلمانوں کی تربیت کی۔ ان کی زندگیوں میں ایسا انقلاب آیا کہ وہ ذاتی اور شخصی سطح سے بلند ہو گئے۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی اللہ کے ہاتھ بیچ ڈالی اور مزدوروں کی طرح کام کرنے لگے۔ اور ہر حال اور ہر مشکل میں اللہ کی رضا کے پابند ہو گئے۔ قرآن کریم کی اس تربیت کے ساتھ اس زمانے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تزکیہ کا کام جاری رکھا۔ آپ لوگوں کو مسلسل یہ تلقین کرتے رہے کہ تمہارا آخری ٹھکانا بہر حال جنت ہے۔ آپ لوگوں سے کہتے کہ جو تحریک و دعوت تم نے برپا کی ہے اس کے راستے میں آنے والی مشکلات کو انگیز کرو۔ یہ کام اللہ پر چھوڑ دو کہ وہ اسی دنیا میں یا آخرت میں کوئی سبیل پیدا کرے۔

روایات میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، بڑی بے بسی کے عالم میں دیکھا کرتے تھے کہ حضرت عمار ان کے باپ اور ان کی ماں کو شدید ترین عذاب دیا جا رہا ہے لیکن آپ انہیں صرف یہ کہتے "آل یاسر! صبر کرو تمہارا اجر جنت ہے" —— حضرت خباب ابن الارت فرماتے ہیں: "کہ حضور خانۂ کعبہ کی چھاؤں میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ہم نے آپ کے سامنے فریاد کی۔ "حضور! کیا آپ ہمارے لئے اللہ سے استعانت نہیں طلب کرتے، کیوں آپ اللہ کے سامنے ہمارے لئے دست بدعا نہیں ہوتے"؟ اس پر آپ نے فرمایا کہ آپ سے پہلے لوگوں کو ایسی ایسی تکلیفیں دی گئی ہیں کہ ایک آدمی کے لئے زمین میں گڑھا کھود کر اس کے نصف حصے کو اس میں دبایا جاتا اور پھر اس کے سر پر آرا رکھ کر اس کے دو ٹکڑے کر دیا جاتا۔ بعض اوقات لوہے کے کنگھوں سے مومنین کی بوٹیاں نوچ لی جاتیں۔ لیکن ایسے عذاب بھی انہیں اپنے دین سے نہ پھیر سکے۔ خدا کی قسم ضرور اللہ اس (انقلابی) کام کو پورا کرے گا اور یہ حالت ہو گی کہ ایک شخص صنعاء سے حضرموت تک جائے گا اور اسے اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ ہو گا۔ ہاں اسے اپنی بھیڑوں کے بارے میں بھیڑیئے کا ڈر ہو گا۔ لیکن آپ لوگ جلد بازی اور بے صبری کا مظاہرہ کر رہے ہیں"۔

Marfat.com

غرض اس دنیا میں ہر واقعہ اور ہر "صورت حال" عین حکمت الٰہی کے مطابق وجود پذیر ہوتی ہے۔ وہ اس پوری کائنات کا مدبر ہے، اول سے لیکر آخر تک سب کچھ جانتا ہے۔ اس زمین پر تمام حوادث و واقعات اس کی مشیئت کے مطابق ہو رہے ہیں۔ وہی ان تاروں کو جانتا ہے جو مستور غیبی پردوں کے پیچھے سے ہل رہے ہیں۔ یہ پوری کائنات اس کے ایک طویل اور حکیمانہ منصوبے کے مطابق چل رہی ہے۔ بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ صدیوں بعد بعض واقعات و حوادث کی حکمت ہماری سمجھ میں آتی ہے اور جن لوگوں کے زمانے میں وہ حوادث پیش آئے تھے ان کو اس کا سرے سے علم نہ تھا۔ بلکہ ان زمانوں میں لوگوں کے دلوں میں قدرتی طور پر سوالات پیدا ہوتے تھے کہ ایسا کیوں ہوا۔ حالانکہ وہ سوالات بذاتِ خود علامت جہل تھے۔ ایک مؤمن تو ہمیشہ ایسے سوالات سے محفوظ ہوتا ہے کیونکہ اُسے پہلے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اس کی نظر وسیع ہوتی ہے اور زمان و مکاں کا جو تصور وہ رکھتا ہے وہ اُسے ایسے سوالات کرنے سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ اعلیٰ اقدار اور اخلاقی پیمانوں کے بارے میں بھی وہ وسیع النظر ہوتا ہے۔ وہ اللہ کی مشیئت کے مطابق تن بتقدیر کامل تسلیم و رضا اور اطمینان کے ساتھ آگے بڑھتا ہے۔

غرض قرآن کے پیش نظر کچھ ایسے قلوب تیار کرنا تھا جو اس عظیم بوجھ کے اُٹھانے کے قابل ہوں۔ ان دلوں کو اس قدر پاکیزہ کرنا مطلوب تھا کہ وہ اپنا سب کچھ قربان کرتے ہوئے اور بے حد و حساب مصائب برداشت کرتے ہوئے بھی اس دنیائے دنی کی کسی چیز کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھیں۔ ان کا مطمح نظر صرف آخرت ہو، صرف رضائے الٰہی ان کا مطلوب ہو اور ان کی ایسی تربیت ہو کہ وہ اس دنیاوی زندگی کے مرحلے کو اسلامی نظام زندگی کے مطابق ہر قسم کے مصائب، قربانیوں، محرومیوں اور حتیٰ کہ اپنی زندگی تک کی قیمت پر طے کرنے کا عزم صمیم رکھتے ہوں۔ ان کے پیش نظر اس دنیا کا کوئی مفاد نہ ہو۔ یہاں تک کہ وہ اپنی مساعی کے نتیجے میں تحریک اسلامی کی کامیابی اور مسلمانوں کے غلبے کے بھی خواہشمند و طالب نہ ہوں اور ان کے دلوں میں یہ خواہش بھی نہ ہو کہ سابق مکذبین کی طرح اللہ تعالیٰ آج کے دشمن بھی کو ہلاک و برباد کر دے۔

Marfat.com

جب دلوں کی طہارت اس حد تک ہو جائے اور مؤمنین دنیا میں ہر قسم کے اجر کی طلبگاری سے دست بردار ہو جائیں (الا یہ کہ بغیر طلب اور معاوضہ کے مل جائے) اور وہ یہ دیکھنے لگیں کہ حق و باطل کے فیصلے کا اصل مقام مقام آخرت ہے، نیز ان کی سچائی اللہ کے علم کے مطابق ثابت بھی ہو جائے اور جو وعدہ انہوں نے کیا تھا وہ اس پر پورے اتر جائیں تو اس وقت پھر اللہ کی مدد پہنچتی ہے، ان کو اقتدار نصیب ہوتا ہے۔ محض ذات کے لئے نہیں بلکہ اس لئے کہ وہ اس زمین پر جس امانت کے حامل ہیں اُسے پورا کریں، اسلامی نظام زندگی کو نافذ کریں اور اس دنیا میں اس کے امین اور نگہبان ہوں۔ یہ مدد اس وقت پہنچتی ہے کہ جب لوگ دنیاوی جاہ اور مال سے بے نیاز ہو جائیں۔ ان کے سامنے رضائے الٰہی کے سوا کوئی نصب العین نہ ہو۔

جن آیات میں نصرت، مال غنیمت اور مؤمنین کے ہاتھوں مشرکین کی شکست کا ذکر ہے وہ سب کی سب مکی ہیں۔ اس وقت یہ تمام امور مسلمانوں کے پروگرام سے سے خارج ہو چکے تھے وہ ان کے منتظر نہ تھے۔ اللہ کی نصرت محض اس لئے آئی تھی کہ اللہ تعالیٰ اسلامی نظام زندگی کو واقعیت بخشنا چاہتے تھے تاکہ ایک دفعہ وہ انسانی زندگیوں میں نافذ ہو کر عملی شکل اختیار کرے اور اُسے مشخص کر دیا جائے تاکہ آئندہ نسلیں بطور معیار اور نمونہ اس سے استفادہ کر سکیں۔ دور اول کی یہ کامیابی اس لئے نہ تھی کہ مسلمانوں نے بے حد و حساب قربانیاں دیں یا وہ بے حد و حساب مصائب و مشکلات سے دوچار ہوئے۔ یہ تو بس اللہ کی قدرت کا نتیجہ تھی۔ اللہ کی مشیئت اور پوشیدہ حکمت تھی۔ جسے آج ہم معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

تحریک اسلامی کے کارکن جہاں اور جس دور میں بھی ہوں، ان کا یہ فرض ہے کہ وہ اس نکتے پر غور کریں، اس میں انہیں نشانات راہ واضح اور صاف صاف دکھائی دے سکیں گے۔ جو لوگ اس راہ پر چل نکلے ہیں وہ آخر دم تک ثابت قدم رہیں، جو انجام بھی ہوتا ہے ہوتا رہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے اس دین اور کارکنوں کے ساتھ جو کرنا مطلوب ہے وہ کرے۔ وہ راہ جس میں کانٹے ہی کانٹے ہیں، جس میں کھوپریوں کے ڈھیر ہیں اور جس میں جگہ جگہ دار و رسن ہیں، اس راہ پر چلتے ہوئے وہ کبھی بھی نصرت اور غلبہ کی توقع نہ رکھیں نہ

Marfat.com

ہی یہ توقع رکھیں کہ حق و باطل کا فیصلہ اس جہاں ہی میں ہو جائے گا۔ ہاں یہ بات صحیح ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہوا کہ وہ ہم سے کوئی خدمت لے اور اس نظام زندگی کو ہمارے ہاتھوں قائم کر دے تو یہ سب کچھ خود بخود ہو جائے گا اور یہ ہماری قربانیوں کے نتیجے میں نہ ہوگا کیونکہ دنیا تو دار الجزاء اور دار المکافات ہے ہی نہیں بلکہ یہ محض اس لئے ہوگا کہ اللہ کی تقدیر اور مشیئت میں یہ طے ہو گیا تھا کہ کچھ منتخب لوگوں کے ہاتھوں یہ کام سر انجام پائے اور ان لوگوں کو وہ اپنی مشیئت اور تقدیر کے نفاذ میں بطور آلات استعمال کرے اور اگر ہمارا انتخاب بھی ایسے لوگوں میں ہو جائے تو یہ ہمارے لئے پوری دنیا اور اس میں زندگی اور ساز و سامان سے زیادہ قیمتی ہے اور بہت ہی بڑا ہے یہ اعزاز۔

ایک نظریاتی جنگ

قرآن نے اصحاب الأحدود کے واقعہ پر جو تبصرہ کیا ہے اس سے ہمارے سامنے ایک دوسری حقیقت بھی منکشف ہوتی ہے فرماتے ہیں :

وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ۔

ان کو مؤمنین کی یہی بات بری لگتی تھی کہ وہ خدا پر ایمان لائے ہوئے تھے۔ جو کہ غالب اور قابل ستائش ہے) دعوت اسلامی کے کارکنوں کو اس پر بھی بڑی سنجیدگی سے غور کرنا چاہیئے۔ وہ یہ کہ ایک مؤمن اور کافر کے درمیان جو معرکہ بپا ہوتا ہے وہ ایک نظریاتی جنگ ہوتی ہے۔ اور مسلمان کے دشمنوں کو ان سے صرف ذاتی پرخاش نہیں ہوتی اور نہ ہی ایسا ہونا چاہیئے، بلکہ وہ ان کے ایمان اور عقیدے کی وجہ سے ان کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ یہ کشمکش نہ کوئی سیاسی جنگ ہوتی ہے، نہ محض اقتصادی تنازعہ ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی طبقاتی کشمکش ہوتی ہے۔ اگر یہ اس قسم کا کوئی تنازعہ ہوتا تو اسے بسہولت ختم کیا جا سکتا تھا۔ لیکن یہ عقیدہ و ایمان کی جنگ تھی اور اس کا انجام صرف یہ ہو سکتا تھا کہ یا کفر اور جاہلیت رہے اور یا ایمان اور اسلام غالب ہو۔

اکابر مشرکین نے ہمیشہ یہ سعی کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مال و منال اور اقتدار و سربراہی پر راضی کر کے آپ کو اپنے نظریۂ حیات کی نشر و اشاعت سے روک دیں۔ وہ لوگ ہمیشہ آمادہ رہے کہ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ یعنی آپ نرمی کریں تو وہ بھی نرمی کر لیں۔ اگر آپ ان

Marfat.com

چیزوں کو قبول کر لیتے تو پھر تنازعہ ہی کہاں رہ جاتا! غرض ایک مسلم اور اس کے دشمن کے درمیان جو تنازعہ ہے وہ صرف نظریاتی جنگ ہے اور ہر مسلم کو چاہیئے کہ وہ دشمن کے مقابلے میں آنے سے پہلے ہی اس بارے میں اچھی تسلّی کرے اور اچھی طرح یقین کرے اور ٹٹول ٹٹول کر اپنے دل کا جائزہ لے کہ وہ ان کے ساتھ صرف اپنے نظریۂ حیات کی خاطر ہی لڑ رہا ہے اس کے پیش نظر کوئی اور مطلوب نہیں ہے اور ان کی دشمنی بھی صرف اس لئے ہے کہ اَنْ یُّؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ (کہ یہ لوگ اللہ کے دین حمید پر ایمان لائے ہیں) اور یہ کہ اس نے اپنی پوری زندگی کو اللہ کی اطاعت کے لئے خالص کر دیا ہے۔

وہ لوگ اسلام کے دشمن ہیں جو کفار کے مقابلے میں مسلمانوں کو اقتصادی، سیاسی یا طبقاتی جنگ کے لئے آمادہ کرتے ہیں۔ ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کی نظروں سے کفر و اسلام کی اصل کشمکش کو اوجھل کر دیں اور ان کے دلوں سے آتشِ ایمان کو بجھا دیں ان حالات میں مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ دھوکہ نہ کھائے اور یقین کر لے کہ یہ کوئی بڑی سازش ہے۔ جو لوگ کفر و اسلام کی کشمکش میں نظریاتی جنڈوں اور نظریاتی نعروں کی جگہ ایسے بوگس نعرے بلند کرتے ہیں۔ وہ دراصل مسلمانوں کے ہاتھوں سے نصرت و فتح کے اصل ہتھیار چھین لینا چاہتے ہیں۔ کامیابی خواہ روحانی نجات کی صورت میں ہو جیساکہ اصحاب الاخدود کو نصیب ہوئی یا روحانی کامیابی کے نتیجے میں آنے والے انقلاب کی شکل میں ہو جیساکہ صدرِ اول کے مسلمانوں کو نصیب ہوا۔ دونوں صورتوں میں یہ کامیابی ان بوگس نعروں کی وجہ سے حاصل نہیں ہو سکتی [1]

---

[1] سید قطب مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے نورِ بصیرت عطا فرمایا تھا۔ ان کی شہادت کے عین ایک سال بعد ان کی یہ رائے سو فیصد درست ثابت ہوئی۔ ۵ جون ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں دنیا نے بچشم سر دیکھ لیا کہ "العزت للعرب" اور "الاشتراکیۃ العربیۃ" کے نعرے عربوں کے کچھ کام نہ آئے اور ۲ ملین یہودیوں کے مقابلے میں ۱۰۰ ملین عربوں نے شکست فاش کھائی۔ اور اس کے بعد سادات کے دور میں جنگ رمضان میں ان کو محض اس لئے کامیابی نصیب ہوئی کہ مصری افواج روزہ رکھتے ہوئے اور اللہ کا نام لیتے ہوئے آگے بڑھیں اور اسرائیل کے غرور کو تہس نہس کر دیا۔

Marfat.com

آج عالمی عیسائیت کی جانب سے مسلم رائے عامہ کو یوں گمراہ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ قرون وسطی کی صلیبی جنگیں دراصل اس دور کے استعمار کو چھپانے کے لیے شروع کی گئی تھیں۔ یہ لوگ اسلامی تاریخ کو مسخ کر کے مسلمانوں کو دھوکے میں ڈالنا چاہتے ہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ خود مغربی استعمار ہی دراصل صلیبیت کی روح ہے جو اس دور میں کھل کر سامنے نہ آسکتی تھی جس طرح وہ قرون وسطی میں آتی تھی اور جو اسلامی نظریۂ حیات کی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئی تھی جس پر مختلف قومیتوں کے لوگ جمع ہو گئے تھے جن میں صلاح الدین کردی، نورالدین، شاہ ملوکی اور دوسری قومیتوں اور نسلوں کے بے شمار لوگ آکر جمع ہو گئے تھے۔ یہ لوگ اپنی قومیتوں کو بھول کر خالص اسلامی نظریے پر جمع ہو گئے تھے اس لئے وہ ظفریاب بھی ہوتے۔ غرض حقیقت کبری یہ ہے کہ وما نقموا منھم الا ان یؤمنوا باللہ العزیز الحمید۔

صدق اللہ العظیم وکذب الممو ھون الخادعون

(اللہ بزرگ و برتر نے سچ کہا اور دھوکہ باز ملمع کار جھوٹ کہتے ہیں)

ؔلے اشارہ ہے عرب قومیت کے اس پروپیگنڈے کی طرف جو آج کل عرب مسلمانوں کو یہ باور کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ ہزاروں سال کی غلامی کے بعد اب وہ جا کر آزاد ہوئے ہیں گویا اسلامی ادوار میں جب کہ حکومت عربوں کے علاوہ دوسرے مسلمانوں کے ہاتھ میں رہی عرب غلام تھے اور صلاح الدین ایوبی نے صلیبیوں سے اس لئے جنگیں لڑیں تاکہ وہ عربوں پر اپنے اقتدار کو مستحکم کر سکے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ

Marfat.com

نشانات راہ

مصنفہ: شہید اسلام سید قطبؒ مرحوم

ترجمہ: سیّد معروف شاہ شیرازی

Marfat.com